

سیارہ ذالحبت

جولائی 2014

مولانا طارق جمیل کی پیاری پیاری باتیں

شخصیت و کمالات

ایک ایسے عظیم اور پراثر بندے کی چشم دید کہانی
جولاکھوں انسانوں کی ہدایت اور توبہ کا ذریعہ بن رہا ہے



سیارہ ڈائجسٹ / جولائی ۲۰۱۳ء

سیارہ ڈائجسٹ کی ایک اور عظیم الشان پیشکش

صدقات و خیرات نمبر

شائع ہو گیا ہے

قیمت: 175/-

”کون ہے ایسا شخص جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے تاکہ اللہ تعالیٰ اس کو بڑھا کر بہت زیادہ کر دے“ (القرآن)

☆..... قرآن و حدیث کی روشنی میں صدقہ خیرات کے احکامات اور مسائل

☆..... خیرات کرنے، صدقہ کرنے اور مفلسوں و ناداروں کو کھانا کھلانے

سے مال میں برکتیں اور اضافہ ہوتا ہے

☆..... غریبوں اور مسکینوں سے وہ سلوک کریں جو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے

☆..... ایمان افروز سچے واقعات سے مزین جن کو پڑھ کر آپ کی زندگی

میں انقلاب آجائے گا

☆..... ایک ایسی کتاب جو انشاء اللہ ہر گھر کی کامیابی اور فلاح کی ضمانت ہے

سیارہ ڈائجسٹ 240 ریواز گارڈن لاہور۔

فون: 0423-7245412

Digest.pk

القرآن

بسم الله الرحمن الرحيم
سورة الانعام

تاہم اگر ان لوگوں کی بے زنجی تم سے برداشت نہیں ہوتی تو اگر تم میں
کچھ دور ہے تو زمین میں کوئی سرنگ ڈھوپا آسمان میں بیڑی لگاؤ اور
ان کے پاس کوئی نشانی لانے کی کوشش کرو۔ اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو
ہدایت پر جمع کر سکتا تھا، لہذا نادان مت، خود دعوت حق پر لبیک دہی لوگ
کہتے ہیں جو سننے والے ہیں، رہے مڑ دے تو انہیں تو اللہ بس قبروں ہی
سے اٹھائے گا اور پھر وہ (اس کی عدالت میں پیش ہونے کے لیے)
واپس لائے جائیں گے۔

یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس نبی پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی
کیوں نہیں اتری، کہو اللہ نشانی اُتارنے کی پوری قدرت رکھتا ہے مگر
ان میں سے اکثر لوگ نادانی میں مبتلا ہیں۔

(آیہ ۳۵-۳۶) (حوالہ تفہیم القرآن از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی)

Digest.pk

الحديث

بسم الله الرحمن الرحيم

ماہ رمضان کی فضیلت

حضرت سلمان فارسی سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ شعبان کی آخری تاریخ کو نبی ﷺ نے خطبہ دیا جس میں فرمایا:-

”اے لوگو! ایک بڑی عظمت والا بڑی برکت والا مہینہ قریب آگیا ہے۔ وہ ایسا مہینہ ہے کہ جس کی ایک رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مہینہ میں روزہ رکھنا فرض قرار دیا ہے اور اس مہینہ کی راتوں میں تراویح پڑھنا نفل کر دیا ہے (یعنی فرض نہیں ہے بلکہ سنت ہے جس کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے)۔

جو شخص اس مہینہ میں کوئی ایک نیک کام اپنے دل کی خوشی سے بطور خود کرے گا تو وہ ایسا ہوگا جیسے کہ رمضان کے سوا اور مہینوں میں فرض ادا کیا ہو۔

اور جو اس مہینہ میں فرض ادا کرے گا تو وہ ایسا ہوگا جیسے کہ رمضان کے سوا اور مہینوں میں کسی نے سفر فرض ادا کیے۔

اور یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔

اور یہ حاجت مندوں کے ساتھ مالی اہمردی کا مہینہ ہے۔“
(بہارِ مختصر صحیح بخاری)

Digest.pk

اس شمارے میں.....

- | | | | |
|----|--------------------------------------|---------------------|---|
| 2 | القرآن | ضیاء القرآن | قرآن ایک مکمل ضابطہ حیات ہے! |
| 3 | الحدیث | ادارہ | ماہ رمضان کی فضیلت! |
| 14 | دستک | امجد عرف خان | کراچی ایئرپورٹ پر حملہ..... سکیورٹی کہاں ہے؟ |
| 38 | دو پتے بازی
کا شکار ہو گیا | سید سجاد حسین کاشفی | ایک شخص کا ماجرا، وہ راتوں رات امیر بننے چلا تھا! |
| 49 | خود جلس دیدہ اغیار
کو پینا کر دیں | عقلمند حسین سند | اسکی بے مثل تحریریں کا گلدستہ جنہیں چننے کے لیے
وہ جنوں کتابوں کی مرقہ دہیزی کا کام دیتی ہے! |
| 79 | عشق با مراد | ڈاکٹر وحشیان نجم | پیار کے حلاشی دودویانوں کا فسانہ، جنہیں عشق کی اصل
”راہ“ مل گئی تھی! |



17

مولانا طارق جمیل

ایک ایسے عظیم اور پُر اثر بندے کی چشم دید کہانی،
جولاکھوں انسانوں کی ہدایت اور توبہ کا ذریعہ بن رہا ہے!

135



Digest.pk

90	آن	بہار انصاری	ایک دوشیزہ کی کہانی، جو علاقائی روایات کی بحیثیت چڑھ گئی!
93	مسٹر جیک	راؤ حسن ناصر	دو دونوں ہم نام، مگر ہر اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف تھے!
125	قسمت	آستانہ کنول	ایک دفتر میں ملازم دو عورتوں کی کہانی، قسمت کی دیوی اچانک اُن پر مہربان ہو گئی تھی!
129	یاراں داویلا	اقبال تبسم	طنز و مزاح کی چاشنی لیے حلقہ اور چلبلی تحریر:
139	کسی کی ذہنی پر میرا راگ	نوشا یاسین اختر	گھر گھر کی کہانی، ہماری نئی نسل کے اپنی اقدار سے دور ہونے کا المیہ
157	کیسے ممکن ہے!	لیاقت علی ملک	صعب نازک کے کردار کے مختلف رنگ بیان کرتی اچھوتی تحریر!
161	حضرت سلطان باہو	ہدیہ سر غلام رسول	سلطان الحارثین کی زندگی کے ایمان افروز حالات زندگی!

رمضان سیشنل

رحمتوں کا خزانہ

رمضان المبارک

ڈاکٹر سید نعیم احمد ادیب جعفری

45

رمضان کیا کھائیں کیا نہ کھائیں

صغیرہ بانو شیریں

65



Digest.PK

86

جلد 51 - شمارہ 7 جولائی 2014ء

آئین آل پاکستان نوریہ پبلیشرز

www.facebook.com/sayaradigest
 Email: editorsayyara@yahoo.com
 sayyaradigest@gmail.com
 editorsayyara@hotmail.com
 Phone: 92-042-37245412
 Mobile: 0300-9430203

مستقل اہمیت کی حامل معیاری اور گفتہ تحریریں

سیارہ ڈائجسٹ

لاہور

مدیر اعلیٰ : امجد رؤف خان
 مدیر تنظیم : کامران امجد خان

مدیر : محمد ثاقب

معاون مدیران : جویریہ کامران - رؤف خان - فرحان امجد

سرکولیشن منیجر : بشیر احمد

مارکیٹنگ منیجر : محمد رفیق - 0302-4843142

نگران پرنٹنگ : خالد محمود

خالق : اللہ والا پرنٹرز شاہراہ قائد اعظم لاہور

0333-4207684

0300-4144781

0321-3758492

لاہور : خرم احمد خان -

حارث محمود -

کراچی : محمد عابد مرزا -

شعبہ اشتہارات

صغیرہ بانو شیریں رفیق غوری
 ریاض آفندی فیاض عمر حارث محمود اہل

تہنہ شادیت

قیمت

80 روپے

امجد رؤف خان پبلشرز نے اللہ والا پرنٹرز سے چھپوا کر
 240 روپے پر 40 روپے پر بیچا اور 20 روپے پر بیچا کیا۔

Digest.pk

نام بھی لاشائے معیار بھی لاشائے



www.lashayindustries.com

عرق مہزل™

وزن گھٹائیں صحت پائیں



موٹاپے کو ہم ایک عرصہ تک صحت مندی سمجھتے رہے ہیں لیکن جدید تحقیق نے یہ ثابت کیا ہے کہ صحت اور موٹاپا دو الگ چیزیں ہیں موٹاپا نہ صرف بیماری ہے بلکہ بہت سی دیگر بیماریوں کی جڑ ہے لاشائی عرق مہزل ہر قسم کے موٹاپے کے لیے مفید ہے اس کو لاشائی فارما کی ریسرچ لیبارٹری کے تجربہ کار سائنس دانوں نے جدید ریسرچ اور کامیاب طبی ٹیسٹوں کے بعد ہمارے اعتماد سے پیش کیا ہے مارکیٹ میں موجود دوسری ادویات سے ممتاز لاشائی عرق مہزل ہر قسم کے بعد اثرات سے پاک ہے۔ جبکہ بعد ہے کہ تک بھر کے سالین کی کثیر تعداد عرق مہزل پر بھرپور تصدیق کرتی ہے۔ اس کے اجزاء صدیوں سے استعمال ہیں لیکن ان کو بہترین طریق اور تناسب سے موٹاپے کے علاج کے لیے پیش کرنے کا سہرا لاشائی کی ریسرچ اینڈ ڈیولپمنٹ ٹیم کے سر ہے۔ لاشائی عرق مہزل کے استعمال سے موٹاپا ختم ہو رہی بہترین صحت حاصل ہوتی ہے۔ مریض کسی قسم کی کمزوری محسوس نہیں کرتا کیونکہ لاشائی عرق مہزل نہ تو جلاب آور ہے اور نہ ہی بھوک ختم کرتا ہے بلکہ طبی طریقے سے جسم کی سافٹ ٹیسا فیر ضروری تبدیلی (موٹاپا) کو ختم کرتا ہے۔ مطلوبہ وزن کم کرنے کے بعد بھی اس کا استعمال وزن کو دوبارہ بڑھنے سے روکتا ہے اور آپ کو چاک و چوبند رکھتا ہے۔ لاشائی عرق مہزل کے استعمال کے ساتھ پیکٹائی سے پرہیز اور ورزش اس کے اثرات کو دو چند کر دیتے ہیں۔ جسمانی طور پر موٹاپے کی طرف مائل لوگ لاشائی عرق مہزل کے استعمال سے موٹاپے سے بچ سکتے ہیں۔

ترکیب استعمال:

بالغان 30 لیٹر (1/2 کپ) سے 20 لیٹر (1/4 کپ) تین مرتبہ روزانہ

8-13 سال تک

15 لیٹر (1/8 کپ) سے 30 لیٹر (1/4 کپ) ایک مرتبہ روزانہ

موی خوراک 20 لیٹر (1/2 کپ) سے 30 لیٹر (1/4 کپ) ایک مرتبہ روزانہ

ہر قسم کے موٹاپے کی وجوہات کو

کم کرنے کیلئے مؤثر دوا

فون: 042-36581200

042-36581300

فیکس: 042-36581400

پروانیا ویٹ

لیسنٹا

لاشائے فارما

Digest.pk

اخترِ خیال

کرتی ہیں اور اکثر تو لکھنے کی ترغیب بھی دیتی ہیں۔ ایک بات محسوس ہوتی ہے کہ اکثر عمدہ لکھنے والے لکھیں قانع ہوتے جا رہے ہیں جیسے (فرخ صابری) خیر سب کی اپنی اپنی مجبوریاں ہوتی ہیں۔ کچھ تحریریں بھیج رہی ہوں، جیتے رہے۔ (آسانہ کنول)

"گرمی میں فرحت"

محترم جناب ایڈیٹر صاحب السلام علیکم ارجو کہ "سیارہ" شدید گرمی میں نظر نواز ہوا اور دل کو فرحت بخش گیا۔ گرمی سے دھیان ہٹ گیا اور ذہنی تسکین کا باعث بنا۔ سرورق ہمیشہ کی طرح بہترین رہا۔ تیسرا جنم ڈاکٹر خالد جمیل اختر کی تحریر پڑھ کر بہت جرات اور استحکال کے قائل ہو گئے۔ بہت کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا وہ کونسا نقطہ ہے جو وہاں ہو نہیں سکتا ایسے ہی نہیں لکھا گیا اور احمد عظیم قاسمی نے ایسے تو یہ شعر نہیں لکھا تھا۔

اگر ہو جذبہ تعمیر دعوہ تو پھر کس چیز کی ہم میں کمی ہے مجھے ویسے ہی ذاتی طور پر ڈاکٹر خالد جمیل اور ان کی فیملی پسند ہے۔ سندس جمیل ٹی وی پر اکثر نظر آتی ہیں۔ ان کی مسز کا اندر دیکھنا تھا بلکہ دوسری شاہ نے "رات غمے" میں ان کو بلوایا تھا تو ان کی زندگی کے کئی ادبی پہلو بھی روشن ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ اس فیملی کو ہمیشہ ہنستا مسکراتا رکھے اور کامیابیاں ان کے قدم چومیں (آمین ثم آمین)

یہم شاعری اور اظہارِ خیال میں جا رہے کا شکر یہاں تک کہ سب کا اندر سے لڑائی کو مہکا دیتا

دل سے دُعا نکلتی ہے.....

محترم مدیر صاحب سلام مستون لسیارہ ڈائجسٹ کے حوالے سے کچھ کہنے کے لیے "اظہارِ خیال" کی محفل میں شریک ہو رہی ہوں۔ پچھلے شمارے میں جناب سرفراز احمد شاہ صاحب کے بارے میں پڑھا بہت اچھا لگا ایک جامع شخصیت کے حوالے سے لکھا ہوا مضمون اور ان کی ٹائٹل پر تصویر دیکھ کر خوشی ہوئی۔ رسالہ کی مقبولیت کا یہ عالم کہ پھر رسالہ ہی نایاب ہو گیا۔ اب کے شمارے میں "دھک" میں معاشرے کے ایک بہت اہم پہلو پر نظر ڈالی گئی ہے۔ واقعی اپنے پر لگا دوڑائی جائے تو دوسرے ذمہ دار نظر نہیں آتے۔ اپنی فطرت کو تسلیم کرنا چاہیے۔ فراخ دل سے فطرتی تسلیم کرنے سے دوسروں پر اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اپنی اصلاح بھی اور دوسروں کے لیے راہ ہموار ہو جاتی ہے۔ "سیارہ رپورٹ" پڑھ کر بے ساختہ دل سے دُعا نکلتی ہے۔ کاش "یہ قبضہ" اور بے انصافی ختم ہو جائے۔ ایک لائق، اسلامی مملکت میں رہنے والا ہر فرد انصاف حاصل کر سکے۔ آمین بین شکستہ لفظ بہت اچھا لگتی ہیں۔ "مہلی مون" کی زوداد جس سادگی سے تحریر کی ہے پڑھنے سے قسط رکتی ہے۔ میری طرف سے مبارکباد اور سلام۔

(صفیرہ ہالوشیریں)

عمدہ لکھنے والے کہاں گئے؟

جناب کامران احمد۔ آداب۔ اُمید ہے آپ خیریت سے ہو گئے۔ جب بھی بھیجی میرا انسانہ چہیتا ہے تو سیارہ ڈائجسٹ نظر موصول ہوتا ہے۔ خیر یہ تو طے شدہ بات ہے کہ سیارہ بخیر و قارین اور رسالہ ہے اس کی عمدہ تحریریں ہوتی ہیں اور اب بھی

Digest.pk

سیارہ ڈائجسٹ / جولائی ۲۰۱۴ء

10

ہیں۔ اس دوران ہمارا ملک دلچت ہوا آخر کیوں؟
 افسوس کہ آج بھی وہی ٹانگ کھیلنا جا رہا ہے۔
 بلوچستان میں طبعی پسند تحریکیں چل رہی ہیں۔ آئے
 دن کراچی اور سندھ میں خون کی ہولی سے خون کی
 ندیاں بہائی جاتی ہیں آخر کیوں۔ ایوب خان کے دور
 حکومت میں ملک میں 22 خاندان بڑے تھے۔ آج
 وہ بڑھ کر دو گئے، تکتے ہو گئے ہیں اور وہی ہمارے
 حاکم چلے آ رہے ہیں آخر کیوں؟ اس لیے کہ ہم میں
 کھوٹے کھرے کی پرکھ مفقود ہو کر رہ گئی ہے۔
 شریف برادران پہلے بھی دوبار اقتدار میں آچکے
 ہیں۔ افسوس کہ وہ اقتدار میں وقت سے پہلے
 آؤٹ (OUT) ہوئے افسوس! کہ انہوں نے اپنی
 سابقہ غلطیوں سے کوئی سبق نہ لیا۔ ان کے دور میں
 وہی کچھ آج بھی ہو رہا ہے آخر کیوں۔ اب تو لوگ
 برملا اس حقیقت کا اظہار کر رہے ہیں کہ اس سے اچھا
 تو پی پی پی کا دور حکومت تھا اس سے اچھا سابقہ
 حکومت پرویز مشرف کا وہ تھا جیسے چاہل جتنا پہلا ہوگا اتنا
 ہی اچھا ہوگا آخر کیوں؟ سابقہ حکومتوں نے ملازمین
 اور پیشہ ور کو مہنگائی کے تناسب سے ان کی تنخواہوں
 اور پنشنوں میں خاطر خواہ اضافہ کیا اور ان بھائیوں
 نے انہیں محض 10 فیصد پر فرخایا آخر کیوں؟

(قلمبر حسین سید)

غزل کی اشاعت

قائل احرام المیٹر صاحب! السلام علیکم! آپ کی
 صحت، تندرستی اور خوشیوں کے لیے ہر وقت دعا گو رہتا
 ہوں۔ نوح کے شمارے میں غزل کی اشاعت پر تہہ دل
 سے شکر گزار ہوں۔ نیک غزل مزید پہنچ رہا ہوں۔ معیاری
 ہونے کی صحت میں اسے بھی اگلی بار پرچے میں جگہ
 دے کر دعائیں لیں۔ تمام قائل احرام المیٹر صاحب کو سلام۔
 (قلمبر حسین سید / راولپنڈی)

ہے۔ مجھ کے فائدے پڑھ کر خوش ہوئی۔ رمضان
 آنے والا ہے عموماً اس ماہ میں مجھ کا استعمال زیادہ کیا
 جاتا ہے۔ جب سستی ڈوبنے لگتی ہے مجھ پر سلیم اختر کی تحریر
 متاثر کن رہی۔ کیا یہ وہی سلیم اختر ہیں جو ڈاکٹر سلیم اختر
 کے نام سے نقاد اور محقق کے طور پر مشہور ہیں۔ ایم فل
 فی ایچ ڈی کے طلبہ و طالبات ان کی کتابیں پڑھ کر
 تحقیق کر سکتے ہیں کیونکہ ان کی کوشش کرتے ہیں۔ اور ان کے
 تحقیقی نکتہ نظر کو مثال سمجھتے ہیں بلکہ وضاحت کیجئے۔
 (ایکٹن کنول راجپوت)

ہاں! یسین صاحب جن سلیم اختر کا آپ نے ذکر
 کیا وہ اگرچہ محقق اور محفے ہوئے نگاری ہیں مگر
 پروفیسر سلیم اختر دوسری شخصیت ہیں۔
 غلطیوں سے سبق

جناب مدبر سیارہ ڈائجسٹ السلام! منتہما
 سیارہ ڈائجسٹ شمارہ جون ۱۴۰۲ھ میں مطالعہ
 ہے۔ سابقہ شمارہ میں کیپڈر صاحب نے ”ز“ کو ”ذ“
 میں بدل دیا تھا جس سے ادیب ادیب پڑھا گیا۔
 اس شمارہ میں بھی صفحہ 51 پر حضرت موبائی کو حضرت
 موبائی بنا دیا گیا۔ معزز قارئین اسے حضرت موبائی
 ہی پڑھیں گے تو معلوم سمجھ میں آئے گا۔ اظہار خیال
 کے صلوات پر زائدہ یوسفی صاحب نے گزشتہ شمارہ کی
 غلطی کو جس نگاہ سے دیکھا وہ ہر کسی کا کمال نہیں۔
 انہوں نے میرے احساسات کا احساس کیا وہ قابل
 قدر ہے۔ میں عرض کرتا چلوں کہ میں فری لانس
 لادیب اور کالست ہوں۔ کسی کا ملازم نہیں ہوں۔
 اب پیشہ ہوں لکھنا میری کمزوری ہے میں میٹ پر
 ایک قدیم یونانی کہاوت پڑھ رہا تھا۔ ”ایک معاشرہ
 جب پروان چڑھتا ہے کہ جب وہاں کے عمر رسیدہ
 افراد یہ جانتے ہوئے بھی پودے لگائیں کہ وہ اپنے
 لگائے گئے پودوں کے سائے میں بھی نہیں بیٹھ
 پائیں گے۔“ آج مجھے اس کا سا آزاد ہو۔

Digest.pk

منفرد موضوع

محترم مدیر سیارہ ڈائجسٹ السلام علیکم؟ مئی کے شمارے میں آپ کے ادارے کی طرف "میری کہانی ایک رات" شائع کی گئی۔ اس کے لیے میں آپ کے ادارے کی شکر گزار ہوں۔ اس شمارے میں میرے خط کے جواب میں کہا کہ میں تلف موضوعات پر لکھوں۔ تو اس دفعہ میں ایک ایسے منفرد موضوع کو لے کر حاضر ہوئی ہوں جو کہ آپ کو پسند آئے گا (انشاء اللہ)۔ میں امید کرتی ہوں۔ آپ اس کو جلد پڑھنے میں جگہ دیں گے۔ میں آپ کی طرف سے اس پرمائے کا انتظار کروں گی۔ اللہ حافظ!

(عطیہ زاہرہ)

کراچی کیلئے دعا

محترم جناب ایڈیٹر صاحب! السلام علیکم! اللہ تعالیٰ سیارہ ڈائجسٹ کو اور آپ کو خوب ترقی عطا فرمائے (آمین)۔ سیارہ ڈائجسٹ کے جملہ مہران اور تمام قارئین کے لیے دعاؤں کے حقے کے ساتھ حاضر خدمت ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حفظ و امان میں رکھے (آمین)۔ دستک پڑھ کر دل سے یہی دعا لگی کہ "اللہ کرے زور قلم اور عطا ہو"۔ سیارہ ڈائجسٹ کے توسط سے تمام پڑھنے والوں سے درخواست گزار ہوں کہ دن میں دو چار مرتبہ الیمان کراہی کے لیے دعائے خیر ضرور کیا کیجئے۔ ایک تحریر ہر سال کرنا ہوں امید ہے جلد شائع ہو جائے گی۔ دستک میں امید کرتا ہوں کہ ایسے موضوعات پڑھنے کو ملتے رہیں گے۔ شکر گزار

(نیز رضاوی اکراہی)

ماورضان کی جنگلی مبارکباد

مکرمی کامران احمد ملک صاحب! السلام علیکم! امید ہے مزاج گرامی بخیر ہو گا۔ جون ۲۰۱۴ء کا

خواہش صورت شمارہ ادارے سامنے ہے۔ تمام خواہش صورت متواتر کے ساتھ کہانیوں، شاعری اور آرٹیکلز کا معیار بہت بھر تھا! اداری تحریریں شائع کرنے کا شکریہ آپ کو، دیگر شاف اور "سیارہ ڈائجسٹ" کے تمام کتبے والوں اور تمام پڑھنے والوں کو ماہ رمضان کی جنگلی مبارکباد۔

(امین۔ اعتبار احمد اکراہی)

مستقل حصہ

جناب مدیر، السلام علیکم! "ماہنامہ سیارہ ڈائجسٹ" شمارہ اپریل میں یزیم شاعری کا حصہ بن کر بہت خوش ہوئی۔ گزشتہ چند ماہ سے اس ادبی جریدے کا مستقل قاری بھی بن چکا ہوں اور انشاء اللہ باقاعدہ حصہ بھی پڑھا رہوں گا۔ ایک نئی منزل ساتھ ہیچ رہا ہوں اور ہیچ کا سارا حق آپ کو ہے۔ رب تعالیٰ سے دعا ہے آپ کی یہ اذی کو کش بردن فی فی منزل میں ملے کر کے خوب پھلتی پھولتی رہے۔ والسلام

(عبدالواسطہ عہد)

کورسٹوری

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب! التیبات! امید ہے مزاج گرامی بخیر ہو گا۔ تحریریں حاضر خدمت ہیں باری باری جیسا مناسب سمجھیں لگاتے رہتے گا۔ سیارہ ڈائجسٹ کے کورسٹوری کے طبع پر شائع ہونے والے سارے سلسلے بڑے اچھے ہیں۔ جن میں "ہار شاسلی"، "خشونت سنگہ آلو ہار گرامی"، "سج محبت اور دبا سا کینہ" بہت دلچسپ تھے۔ اولیاء کرام کی زندگی کے حالات کا سلسلہ بہت اچھا ہے۔ اور صفیرہ بانو شیریں صاحبہ کی تحریریں لا جواب ہیں۔ شوکت افضل صاحبہ ایک عرصے سے غائب ہیں۔ ان کا نمبر ہوتا تو میں ضرور ان سے ملنے کوئی دعاؤں والسلام (ڈاکٹر دریاں انجم)

Digest.pk

محسور کن انداز بیان

جناب مدبر محترم، محترمہ شوکت افضل صاحبہ اپنے انداز بیان سے بہت محسور کن انداز میں قادی کی سوچ کو جکڑ گئی ہیں۔ آج کل اندرونِ قادی لکھنے والے ان گنت ہیں لیکن بہت کم ایسے ہیں جن کی تحریر میں پختہ سوچ کا عنصر ہوتا ہے۔ ایک نثر نگار معاشرے میں اصلاح کا کام بھی کر سکتا ہے۔ ایسے جذبات محترمہ شوکت افضل کی تحریر کو بڑھ کر دل میں جم لیتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آنکھ ابھی قارئین ان کے دلچسپ انداز بیان سے محفوظ ہوتے رہیں گے۔

(ضیال محمد شاہین / اردو پلٹری)

لکھاریوں کی ٹیم

محترم احمد رؤف خان صاحب السلام علیکم سیارہ ڈائجسٹ کا اردو پسند شاہ ہے۔ گزشتہ ماہ کے شمارے میں کافی عرصہ بعد طرح صابری صاحبہ کو دیکھ کر دلی خوشی ہوئی۔ اسی طرح صفیرہ ہاشمی کی تحریریں سیارہ ڈائجسٹ کو چار چاند لگا دیتی ہیں۔ ہم کچھ عرصے سے شوکت افضل صاحبہ کی تحریروں کو بھیس "کر رہے ہیں وہ طویل وقفے سے غیر حاضر ہیں! خدا را بخاری طرف سے انہیں شکوہ پہنچا دیجئے۔ معمولی طور پر سیارہ ڈائجسٹ کے لکھاریوں کی ایک دہشت ٹیم تشکیل پا گئی ہے۔ سب لکھنے والوں میں کیپٹن (ر) لیاقت کی تحریروں نے ہمیں بے حد متاثر کیا ہے۔ ان کی تحریر میں ادبی چاشنی اور فکری ہوتی ہے۔ اس طرح مدیحہ اصغر لوشاہ اختر، جاوید راہی اور نعیم بیگ بھی عمدہ لکھ رہے ہیں۔ انہی لکھاریوں کی وجہ سے سیارہ ڈائجسٹ خوب ترقی کر رہا ہے۔ دعا ہے کہ یہ سلسلہ ہمیشہ ایسے ہی چلتا رہے (آمین)

(محمد رفیع امتیاز / سرگودھا)

معاشرہ کس طرف جا رہا ہے؟

جناب مدبر صاحب السلام علیکم! اللہ کریم آپ کو بخیر رہتی دے (آمین) مٹی کا سیارہ ڈائجسٹ سامنے رکھا ہے دس بارہ سال بعد شاید یہ پہلا موقع ہے کہ آپ کی طرف سے مجھے میگزین نہیں ملا بہر کیف میری کہانی "نیکر کے کاتوں سے کہو تک" شائع کرنے کا بہت شکریہ۔ آپ کا ادبیہ "دستک" سو فیصدی حقیقت پر مبنی ہے۔ یہ آپ نے بالکل صحیح کہا ہے کہ اپنی جان بچانے کے چکر میں اپنی عقلی حلیم نہیں کی جاتی اور انعام و وسوسوں پر قہور دیا جاتا ہے۔ کچھ عرصہ کی بات ہے ایئر پورٹ روڈ پر چلا جا رہا تھا میرے آگے اچانک ایک ٹیکسی آگئی اور میں اس سے بری طرح ٹکرا گیا میری موٹر سائیکل کا نقصان ہوا لیکن الحمد للہ خود میں خج گیا ہمارے ارد گرد کافی پبلک جگہ ہو گئی سبھی افراد عقلی ٹیکسی والے کی قرار دے رہے تھے جبکہ میں نے اسے کہہ دیا آپ میرے آگے کیوں آئے؟ جواب ملا آپ تیزی میں تھے؟ میں نے کہہ دیا جی ہاں۔ ٹیکسی والے نے فوراً ہی جھٹ گھڑی، تو پھر آپ عقلی پر ہیں وہ اس طرح کہ آپ تیزی میں تھے۔ آخر تک اس نے اپنی عقلی حلیم نہیں کی۔ بعد ازاں میں نے ایک اور ٹیکسی والے ٹیکسی ڈرائیور سے یہی پتا کر سواں کیا کہ یہ ڈرائیور لوگ اپنی عقلی کیوں حلیم نہیں کرتے جواب ملا کہ ہمیں ہماری یونین کی طرف سے ہدایت ہے کہ اپنی عقلی کو بھی حلیم نہ کرو۔ وجہ...؟ میں نے پوچھا جواب ملا... عقلی حلیم کر لی تو ہم پر قہور آگے ہوگی اور جرمانہ الگ بھر پہنچے گا، ہمارا معاشرہ پتہ نہیں کس طرف جا رہا ہے؟ اب کی بار "تابوت کا ٹیلی فون" لیس اختر، "سگار ولانا" یا سمین کنول اور "محبت کی باری" نواز خان کی کہانیاں بہت اچھی ہیں۔

Digest.pk



کراچی ایئرپورٹ پر حملہ..... سیکورٹی کہاں ہے؟

کئی ماہ تک امن اور دہشت گردی کے واقعات میں وقفہ کے بعد 8 اور 9 جون کی درمیانی شب 10 نقاب پوش دہشت گردوں نے پاکستان کے سب سے بڑے اور معروف ترین کراچی ایئرپورٹ کو نشانہ بنادیا۔ جس کے نتیجے میں اے ایس ایف، سول ایوی ایشن اور پولیس کے بارہ اہلکار شہید ہوئے، دو طیارے تباہ اور کچھ کو نقصان پہنچا۔ سیکورٹی اداروں کے مطابق کسی طیارے کو نقصان نہیں پہنچا۔ دہشت گردوں نے ہوائی اڈے کے فوکر گیٹ پر حملہ کیا اور سیکورٹی پر مامور اہلکاروں پر گولیاں برساتے ہوئے اندر داخل ہو گئے۔ ان دہشت گردوں نے اے ایس ایف کی وردیاں چھین رکھی تھیں اور بعض کے پاس شناختی بیج بھی تھے جو انہوں نے گلے میں لٹکا رکھے تھے۔ انہوں نے گولیاں برسانے کے علاوہ دستی بم بھی پھینکے پہلے ایک غیر ملکی ایئر لائن کے ٹرمینل کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی، بعد ازاں پی آئی اے کے ٹرمینل پر حملہ کیا۔ تربیت یافتہ دہشت گردوں کے پاس جدید ترین اسلحہ تھا جس سے انہوں نے ایئرپورٹ پر کھڑے طیاروں کو نقصان پہنچایا۔ بعد ازاں اے ایس ایف کے اہلکاران دہشت گردوں کے خلاف مقابلے کے لیے ڈٹ گئے اور انہوں نے ٹکڑیوں میں بٹے دہشت گردوں کو بڑی ہوشیاری سے دو طرفہ لڑائی میں الجھا لیا۔ اے ایس ایف کے اہلکاروں نے اپنی جان پر کھیل کر کراچی ایئرپورٹ کو بڑی تباہی سے بچایا۔ ورنہ اٹلیا کی تربیت یافتہ دہشت گرد پوری تیاری کے ساتھ ایئرپورٹ پر قبضہ کرنے کی نیت سے آئے تھے۔ ان کے تین ہمدانف تھے۔ چھاپا یہ کہ طویل لڑائی جاری رکھی جائے۔ ایئرپورٹ پر مکمل قبضہ کر لیا جائے۔ اسراہلکار قبضہ کر لیں

Digest.pk

ہو پاتا تو علماءوں کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچایا جائے یا انہیں ہائی جیک کر لیا جائے۔ تیسرا یہ کہ زیادہ سے زیادہ چالی اور ہلاکتوں کو ممکن بنایا جائے تاکہ پاکستان کو عالمی سطح پر مزید بدنام کیا جاسکے۔ اے ایس ایف اہلکاروں کی بہادری کی وجہ سے دہشت گرد مزید پیش قدمی نہ کر سکے اور بعد ازاں پاک فوج کے ساتھ ملکر مشترکہ کمانڈو آپریشن میں تمام دہشت گردوں کو ہلاک کر دیا گیا۔ تاہم ہماری سیکورٹی اور دھوؤں کا پول اس وقت کھل گیا جب ایک روز بعد دہشت گردوں نے کراچی انٹرپورٹ کے کارگو ٹرمینل کو دوبارہ نشانہ بنادیا اور مزاحمت پر فرار بھی ہو گئے۔ بہر حال اس سارے واقعہ میں اے ایس ایف کے جانباڑوں کی بہادری کا ذکر نہ کرنا زیادتی ہوگی جنہوں نے جانوں کا نذرانہ دیکر دہشت گردوں کو مزید چالی پھیلانے سے روکا۔ اے ایس ایف فورس کو سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے انٹرپورٹس کی سیکورٹی کے لیے تفکیک دیا تھا۔ اس فورس کی افادیت برسوں بعد کھل کر سامنے آگئی ہے، کیونکہ یہ اے ایس ایف اہلکار ہی تھے جن کی وجہ سے دہشت گرد اپنے مطلوبہ اہداف حاصل اس حد تک حاصل نہ کر سکے جس کی وہ منصوبہ بندی کر کے آئے تھے۔

دہشت گردی کے اس بدترین واقعہ میں کئی تشویشناک پہلو سامنے آئے ہیں جو ہمارے سیکورٹی نافذ کرنے والے اداروں کے لیے لمحہ فکریہ ہیں، یہ انکشاف سامنے آیا ہے کہ دہشت گرد حملے سے پہلے کئی روز تک کراچی ایئرپورٹ کی گمرانی کرتے رہے۔ انہوں نے نہ صرف انٹرپورٹ کے مختلف حصوں کی ریکی کی بلکہ تصاویر اٹارتے اور ویڈیو بھی بناتے رہے۔ ان دہشت گردوں کو اے ایس ایف کی وردیاں اور جج بھی فراہم کیے گئے۔ یہی نہیں انہیں معلوم تھا کہ اے ایس ایف کے اہلکاروں کی ڈیوٹی کس وقت تبدیل ہوتی ہے۔ اسی لیے جب یہ دہشت گرد اتنی بڑی تعداد میں اے ایس ایف کی وردیوں کی وردیوں میں داخل ہوئے تو کسی نے ان پر دھیان نہیں دیا۔ ان دہشت گردوں کے پاس سے بھارتی اسلحہ اور گولہ بارود ملا ہے۔ نیز ایسے انجکشن ملے ہیں جو بھارتی فوجی خون روکنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں امن کی آن کے راگ الاپنے والوں کے غبارے سے ہوا نکل جانی چاہیے اور انہیں معلوم ہو جانا چاہیے کہ ہمارا اصلی دشمن کون ہے۔ کون ہے جو ہمیں دنیا بھر میں ذلیل و رسوا دیکھنا چاہتا ہے۔ ہمارے حکومتی ادراہاب اختیار اب بھی اس حوالے سے بحرمانہ خاموشی اختیار کیے ہوئے ہیں کیونکہ انہیں ملک کی سہلاحتی سے زیادہ بھارتی وزیر اعظم سے دوستی کی فکر ہے۔ جو ہمارے وزیر اعظم کو اپنی طرف برداری کی تقریب میں نکالتا ہے اور مہمان کی عزت کے بجائے الزامات اور مطالبات کی فہرست چما کر چلا کرتا ہے۔

اس حیلے کی منصوبہ بندی مہینوں پہلے کی گئی تھی، اور اس کے لیے انتہائی تربیت یافتہ دہشت گرد جن میں بعض انجینئرز اور ہوائی جہاز اڈانے کی مہارت رکھنے والے بھی شامل تھے، انہیں تیار کیا گیا تھا۔ یہ جہاز ایک عرصہ سے یہاں موجود تھے، انہیں کراچی ایئرپورٹ تک پہنچایا گیا، وہ

کہاں رہتے رہے۔ کس طرح انہوں نے اے ایس ایف کی وردیاں حاصل کیں۔ دو گاڑیوں میں اسلحے سمیت وہ ایئر پورٹ کی حدود کے اندر کیسے پہنچ گئے۔ ان سب سوالوں کا جواب ہماری سکیورٹی ایجنسیوں کو دینا چاہیے۔

ماہرین اس حملے کو پاکستان نیوی کی مہران بیس اور راولپنڈی میں جی ایچ کیو پر حملے جیسا قرار دے رہے ہیں۔ دہشت گردوں نے ایک بار پھر ہمارے انتہائی حساس اور سیکورٹی کے لحاظ سے اہم ترین مقام پر حملہ کیا ہے اور ہمارے سیکورٹی انتظامات کی ناکامی کو ایک بار پھر بے نقاب کر دیا ہے۔ خدشہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ دہشت گردوں کو اندر سے بھی معاونت حاصل تھی۔ بعض خبروں کے مطابق طالبان کے علاوہ دیگر دہشت گرد تنظیم نے کراچی ایئر پورٹ پر حملے کی ذمہ داری قبول کر لی ہے اور اس نے ہلاک ہونے والے دس دہشت گردوں کی تصویروں بھی جاری کی ہیں۔

ایک اور تشویشناک اور اہم پہلو یہ ہے کہ کچھ عرصہ قبل کراچی ایئر پورٹ کے قریب سے ایک امریکی جاسوس بھی گرفتار ہوا تھا۔ اطلاعات کے مطابق اس کے پاس سے حساس تصاویر اور ویڈیوز برآمد ہوئی تھیں۔ خدشہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ یہ شخص ایئر پورٹ پر حملے کی تیاریوں میں معاونت کر رہا تھا۔ بعد ازاں اسے امریکی سفارت کار قرار دے کر چھوڑ دیا گیا اور کہا گیا کہ اس کے پاس سے صرف گولی برآمد ہوئی تھی۔ اس بارے میں بھی تحقیقات کی جانی چاہئیں۔

انہوں کی بات یہ ہے کہ ہمارے ارباب اختیار جن پر ہماری سکیورٹی کی ذمہ داری ہے وہ آپس میں دست و گریباں ہیں۔ بجائے اس کے کہ وہ اس شاخ کو بچائیں جس پر سب بیٹھے ہیں، اس بات پر لڑ رہے ہیں کہ وہ شاخ دوسرے کے بوجھ کی وجہ سے ٹھک رہی ہے۔ وزیر داخلہ کراچی ایئر پورٹ پر حملے کی ذمہ داری سندھ حکومت پر عائد کرتے ہیں کہ انہوں نے وارننگ کے باوجود سکیورٹی کے لیے خاطر خواہ انتظامات نہیں کیے اور سندھ حکومت وزیر داخلہ پر الزام لگاتی ہے کہ حملے کے وقت وہ خود سوئے رہے۔ ایسی صورت میں محوام اور ملک کے سکیورٹی کا اللہ ہی حافظ ہے!

(امجد رؤف خان)

Digest.pk

سیارہ
رمضان
کیلنڈر



Digest.pk



ایکات سکرمانظار ۱۴۳۵ھ
جولائی ۲۰۱۴ء

۲

دوسرا عشرہ مغرب

اہتمام	دھنک	بھان/بھال	انچائے سکر	وقت افطار
منگل	۱۱	۸	۳:۲۷	۷:۰۲
بدھ	۱۲	۹	۳:۲۸	۷:۰۱
جمعرات	۱۳	۱۰	۳:۲۹	۷:۰۰
جمعہ	۱۴	۱۱	۳:۳۰	۶:۵۹
ہفتہ	۱۵	۱۲	۳:۳۱	۶:۵۸
اتوار	۱۶	۱۳	۳:۳۲	۶:۵۷
بدھ	۱۷	۱۴	۳:۳۳	۶:۵۶
منگل	۱۸	۱۵	۳:۳۴	۶:۵۵
بدھ	۱۹	۱۶	۳:۳۵	۶:۵۴
جمعرات	۲۰	۱۷	۳:۳۶	۶:۵۳

پہلا عشرہ صبح

اہتمام	دھنک	بھان/بھال	انچائے سکر	وقت افطار
بدھ	۲۸	۲۵	۳:۱۷	۷:۱۲
اتوار	۲	۲۹	۳:۱۸	۷:۱۱
بدھ	۳	۳۰	۳:۱۹	۷:۱۰
منگل	۴	۳۱	۳:۲۰	۷:۰۹
بدھ	۵	۲	۳:۲۱	۷:۰۸
جمعرات	۶	۳	۳:۲۲	۷:۰۷
جمعہ	۷	۴	۳:۲۳	۷:۰۶
ہفتہ	۸	۵	۳:۲۴	۷:۰۵
اتوار	۹	۶	۳:۲۵	۷:۰۴
بدھ	۱۰	۷	۳:۲۶	۷:۰۳

تیسرا عشرہ نجات

اہتمام	دھنک	بھان/بھال	انچائے سکر	وقت افطار
جمعہ	۲۱	۱۷	۳:۳۷	۶:۵۲
ہفتہ	۲۲	۱۸	۳:۳۸	۶:۵۱
اتوار	۲۳	۱۹	۳:۳۹	۶:۵۰
بدھ	۲۴	۲۰	۳:۴۰	۶:۴۹
منگل	۲۵	۲۱	۳:۴۱	۶:۴۸
بدھ	۲۶	۲۲	۳:۴۲	۶:۴۷
جمعرات	۲۷	۲۳	۳:۴۳	۶:۴۶
جمعہ	۲۸	۲۴	۳:۴۴	۶:۴۵
ہفتہ	۳۰	۲۵	۳:۴۵	۶:۴۴
اتوار	۲۰	۲۶	۳:۴۶	۶:۴۳

لاہور سے

دوسرے

شیراز

کراچی

گرمی انور: ۲ منٹ بعد
ملتان: ۱۱ منٹ بعد
سیالکوٹ: ۳ منٹ بعد
پشاور: ۱۳ منٹ بعد
کراچی: ۲۹ منٹ بعد
اوکاڑہ: ۲ منٹ بعد
لہور: ۱۵ منٹ بعد
راولپنڈی: ۸ منٹ بعد

Digest.pk

سیارہ ڈائجسٹ

مولانا طارق جمیل

ایک ایسے عظیم اور ہند اثر بندے کی چشم دید کہانی،
جولاکھوں انسانوں کی ہدایت اور توبہ کا ذریعہ بن رہا ہے!

مولانا طارق جمیل صاحب کا آج کل ہر طرف چرچا ہے۔ وہ لوگوں میں بے حد مقبول ہوتے جا رہے ہیں۔ اُن کی زبان و بیان میں ایک ایسی کشش ہے ہاتوں میں ایسی سچائی ہے کہ آدمی کے دل پر اثر کرتی ہے۔ مجھے آج بھی یاد ہے جب میں نے پہلی بار مولانا کا ایک بیان سنا تھا۔ انہوں نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ 2۔ کبھی جھوٹ نہ بولو اور 3۔ کسی کو دھوکا نہ دو“۔ میں نے اپنی بتایا زندگی گزرنے کے لیے ان تین باتوں کو اپنے لیے پابند لیا۔ جب میں ان باتوں پر عمل کرتا رہا تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ یہ باتیں مجھے تقویٰ اور برائیوں سے دور کرتی جا رہی ہیں یہ تینوں اصول پر اگر انسان عمل شروع کر دے تو وہ ہر برائی سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔ اُن کے ایک بیان سننے کے بعد میں اپنی زندگی میں بہت سی تبدیلی محسوس کر رہا ہوں۔ میں آپ کو یقین سے کہہ سکتا ہوں اگر آپ بھی مولانا طارق کے بیان کو سن لیں اور ان کی باتوں پر عمل کر کے دیکھ لیں آپ اپنے اندر کئی تبدیلیاں محسوس کریں گے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا طارق جمیل کو کبھی زندگی دے اور اُن کو ہمت، طاقت دے اور وہ اپنا یہ دعوت اسلامی کا سلسلہ جاری رکھیں تاکہ ہمارے جیسے گناہ گار اُن کو سن کر توبہ اور ہدایت حاصل کرتے رہیں۔

ایڈیٹر

بے وفائی

آج ہم نے سمجھ لیا ہے کہ جتنا اچھا کپڑا ہوگا، جتنا اچھا گھر ہوگا جتنا اچھا زیور ہوگا اتنی زیادہ ہماری عزت ہوگی۔ میرے بھائی اور بہنوں یہ عزت تو خاک میں مل جائے گی۔ جسم کو قبر کے کیڑے کھا جائیں گے۔ ابد کا مسیابی تو محمد ﷺ کے طریقوں میں ہے۔ پھر ہم ان طریقوں کو کبھی نہ اختیار کریں۔ ماں بھی قرآن سے دُور ہے کہی گی چلا جائے تمہیں بھی نکال دے گا۔ باپ کی کہے گا جا

Digest.pk

چلا جا۔ حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسا جلیل القدر نبی بھی کہے گا میں اپنی ماں مریم کا سوال بھی نہیں کرتا، اے اللہ بس مجھے بچالے۔ مگر کائنات میں ایک ہستی ایسی ہوگی جس کی جمہولی قیامت کے روز بھی دوسروں کے لیے پھیلی ہوگی۔ یارب اُمّی اُمّی۔

میرے بھائیوں اور بہنوں، اگر بے وقافی کرنی ہے تو اپنی ذات سے کرو۔ محمد ﷺ سے بے وقافی کرتے ہو جودہاں بھی نہ بٹھولیں گے۔

عورت کے حقوق

جب آپ نے حضرت فاطمہ کا نکاح پڑھایا تو مجمع کو مسجد میں اکٹھا کیا۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت جبریل اللہ کا فرمان میرے پاس لے کر آئے ہیں کہ میں حضرت فاطمہ کا نکاح حضرت علیؑ سے کروں لیکن میں قرآن جاؤں شریعت محمدی مصطفیٰ ﷺ پر کہ آسمان سے وحی آئی لیکن مجھے ہیں، حضرت فاطمہ سے پوچھئے۔ بیٹی علی کا رشتہ آیا ہے میں تیرا نکاح کروں۔ ہمارے ہاں منشیوں سے پوچھنا صیب سمجھا جاتا ہے۔ بیٹی اگر کوئی رائے دے دے تو کہیں گے کہ بڑی بے حیا ہے۔

آسمان سے وحی آچکی ہے کہ فاطمہ کا نکاح علیؑ سے کرایا جائے مگر میرے مصطفیٰ ﷺ بیٹی سے پوچھئے مجھے ہیں کہ علیؑ کا پیغام آیا تیرا نکاح اس سے کروں۔ جب انہوں نے ہاں کی تو پھر وہیں جا کر لوگوں کو کہا کہ مجمع اکٹھا کرو۔ پھر منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ لوگوں میرے اللہ نے حضرت جبریل کے ذریعے پیغام دیا کہ اپنی بیٹی کا نکاح علیؑ سے کروں۔ علیؑ گوساٹے بٹھایا اور خطبہ فرمایا اور کہا، علیؑ میں نے چار سو درہم مہر کے عوض میں نے اپنی بیٹی کو تیرے نکاح میں دیا تم نے قبول کیا۔ تو حضرت علیؑ نے زور سے کہا میں نے قبول کیا اور سجدے میں گر گئے۔ اور زور سے دعا کی اور آپ ﷺ نے آمین کہا اور تمام مجمعے کو شہد کا شربت پلایا اور کھجور کھلائی۔ سبحان اللہ کیا بھاری زندگی ہے۔ خوبصورت زندگی ہے۔ اس سے زیادہ عورت کے حقوق کوئی کیا بیان کرے گا۔

میرے محترم بھائیو اور بہنو!

اللہ چارک و تعالیٰ نے ہمیں اس دنیا میں پیدا کر کے بہت بڑے امتحان میں ڈال دیا ہے۔ ہمارا آنا اپنی مرضی سے نہیں۔ مرنا اپنی مرضی سے نہیں۔ حالات و واقعات بھی ہم پر اس طرح اچانک حملہ کرتے ہیں کہ نہ ان کے حملوں سے کوئی غریب بچتا ہے نہ کوئی کروڑ پتی اور نہ کوئی ارب پتی۔

مال سے اگر لوگ خوشیاں خرید سکتے تو مالداروں کے گھروں میں کبھی آہ و فغاں نہ ہوتی اور اگر حکومت و طاقت سے ممکن، سکون اور راحت خریدی جاسکتی تو حکمرانوں اور مالداروں کے گھر پریشانیوں کی آماجگاہ نہ بنتے۔

یہ کوئی اور طاقت ہے جس کے ہاتھ بڑے لمبے ہیں جس کی قدرت بڑی کمال ہے کہ جس پر جو حال چاہتا ہے لے آتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے پھیر کر رکھ دیتا ہے۔

”یہ دن ہمارے ہاتھ میں ہیں ہم جیسے چاہیں انہیں پھیر کر رکھ دیں۔“

أَضْحَكُ وَأَنْهَكَی مَالٌ سَے کوئی خوشیاں نہیں خرید سکتا بلکہ میں جسے چاہوں ہٹاؤں۔ خوش کروں، غمراور فاقہ سے رنج کروں آتے بلکہ میں جسے چاہوں رنج میں مبتلا کروں۔

Digest.pk

جسنا بھی اللہ تعالیٰ کہتا ہے میرا کام ہے، نہ لانا بھی اللہ تعالیٰ کہتا ہے میرا کام ہے، وہ خوشی لے آئے سارا جہان مل کر اسے رنجیدہ نہیں کر سکتا۔

وہ رنج ڈال دے تو سارا جہان مل کر اسے خوش نہیں کر سکتا۔

تین دن پہلے ایک کروڑوں پتی آدمی سے ملاقات ہوئی۔ وہ کہہ رہا تھا کہ میرا مرنے کوئی چاہتا ہے۔ میرا دنیا میں رہنے کو دل نہیں کرتا، مجھے پتہ نہیں کیا ہے۔ اس کا بیٹا بیٹھا ہوا تھا۔ وہ کہنے لگا، مولوی صاحب! دنیا کی ہر چیز موجود ہے کوئی چیز ایسی نہیں جس کی ہم تمنا کریں اور وہ نہ ملے۔ ہر چیز موجود ہے، ہر تمنا پوری، پھر پتہ نہیں یہ کیوں پریشان ہیں۔ وہ کہے بس میں مرنا چاہتا ہوں۔ یہ کوئی زندگی نہیں کوئی عمل تھا جس سے میری قبر ٹھیک ہو جائے۔ آخر میں جا کر اس کو خیال آتا ہے۔

تو کوئی اور ہے جو ہمارے حالات و واقعات پر قابض ہے کوئی اور ہے جو زندگیوں کو بنانا بھی ہے اور بگاڑنا بھی ہے۔ خوشیاں لاتا ہے، رنج لاتا ہے۔

محبتیں آتی ہیں، عداوتیں آتی ہیں۔

عزت آتی ہے، ذلت آتی ہے۔

”جسے چاہے عزت دے دے، جسے چاہے ذلیل کر دے۔“

تَوَلَّى الْمُلْكُ مَنْ تَشَاءُ جَسَّهَ مَا شَاءَ دَعَا دَعَا

وَتَنْزِعُ الْمُلْكُ مَنْ تَشَاءُ جَسَّهَ مَا شَاءَ دَعَا دَعَا

وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ ذِلَّتْ مِنْ سَعَتِ لَكَ دَعَا دَعَا

جب اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ فلاں کو عزت دے دی جائے تو کائنات کی ہر چیز اس کی عزت کے لیے استعمال ہوتا شروع ہو جاتی ہے۔ لوگ اس کو ذلیل کرتے ہیں اسی میں سے اللہ عزت نکالتا ہے۔

لوگ اس کو بچا کرتے ہیں ہوائیں اس کو اٹھا کر اونچا لے جاتی ہیں۔

وَتَذِلُّ مَنْ تَشَاءُ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فلاں کو ذلیل کر دیا جائے تو عزت کی ہر شکل اور عزت کی ہر تدبیر میں اسے اللہ ذلیل نکالنا شروع کر دیتا ہے۔ لوگ اسے اونچا کرنا چاہتے ہیں لیکن ہوائیں اسے نیچا کر دیتی ہے۔

لوگ اسے اٹھانا چاہتے ہیں لیکن تقدیر اسے اٹھا کر بچ دیتی ہے۔

وہ عزت کی ہر تدبیر اختیار کرتا ہے لیکن اللہ عزت کی ہر تدبیر میں سے ذلت کو نکال کر باہر لے آتا ہے۔

فلاں کو صحت دے دی جائے۔ زہر میں سے اللہ اس کی زندگی کا سامان بناتا ہے۔ کاتوں میں سے اللہ اس کے لیے پھول اگاتا ہے۔

اور موت کے اسباب میں اللہ اس کے لیے شفاء ڈال دیتا ہے۔ فلاں کو بیمار کر دیا جائے تو صحت کے اسباب میں سے ضعف آکر بڑے ڈال دیتا ہے۔

فلاں کی حفاظت کی جائے تو موت اگر اپنے پورے پردوں کو پھیلا دے اور سارے بچوں کو پھیلا دے، اللہ ساری چیزوں کو درہم برہم کر کے موت میں سے زندگی نکال کر لے آتا ہے۔

اللہ فرماتا ہے کہ فلاں کو بچا لیا جائے اور حفاظت کا نظام بنا لیا جائے تو کواہروں کی جماعتیں، لوہے کی دیواروں میں، لوہے کی گاڑیوں میں، لوہے کے قندیلوں میں، لوہے کے گولہوں میں، لوہے کے اندر سے اللہ کی

Digest.pk

سیارہ ڈائجسٹ / جولائی ۲۰۱۳ء

21

آپ کو سیارہ ڈائجسٹ! آپ کو علم و دوست! آپ کو سہولت!

ہم آپ کو سیارہ ڈائجسٹ کے تمام شمارے گھر بیٹھے بذریعہ رجسٹری ڈاک بھیجیں گے اور **520/-** آپ کو **520/-** روپے کی رعایت کا فائدہ بھی ہوگا۔

سیارہ ڈائجسٹ

سالانہ اخراجات کا تخمینہ

قیمت فی شمارہ - 80/- روپے - سال بھر میں بارہ شماروں کی عام قیمت - 960/- روپے
سال بھر کا انٹرنیٹ رجسٹری ڈاک خرچ - 360/- روپے - کل رقم - 1320/- روپے

لیکن آپ اتنی رقم کیوں خرچ کریں؟
آپ صرف - 800/- روپے ہمیں ارسال کر دیں۔
سال بھر سیارہ ڈائجسٹ آپ کو گھر بیٹھے ملتا رہے گا۔
صرف یہ کوپن بڑے کر کے حوالہ ڈاک کر دیجئے!

اس پیشکش سے فوراً فائدہ اٹھائیں

جناب منجبر صاحب۔ سیارہ ڈائجسٹ
براہ کرم مجھے ماہ..... سے سیارہ ڈائجسٹ ایک سال کیلئے جاری فرمادیں
- 800/- روپے کا ڈرافٹ / منی آرڈر ارسال کر رہا ہوں / آپ مجھے - 800/- روپے کی
وی پی پی ارسال کر دیں۔ میں وصول کر لوں گا۔ نوٹ:- چیک قبول نہیں کیا جائے گا

نام..... پتہ.....
آپ کی رقم ایٹم (ATM) اور منی انسفر کے دیگر طریقوں سے بھی ہمارے اکاؤنٹ نمبر 1720-ایم بی بی
ریو از گارڈ کی اسٹریٹ نمبر 12، ایچ 12، لاہور کے مندرجہ ذیل کے رابطہ نمبر 042-3724541

Digest.pk

نظر ہر نافذ ہو جاتی ہے۔

”جو اللہ چاہتا ہے وہ کر دیتا ہے، نہ چاہے تو وہ ہونٹیں سک۔

ہا لکل موت تھی آگے بھی پیچھے بھی۔ آگے سمندر پیچھے فرعون، دوستوں کے درمیان بنی اسرائیل بولے بٹا
لشکر ٹکڑوں ہم مارے گئے۔ مارے گئے کہ آگے سمندر ہے آگے جائیں تو مریں، پیچھے فرعون ہے نہیں تو مریں
تو ہم مر گئے۔

تو جس کی نظر اللہ کے قیب پر جا چکی ہوتی ہے، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:-

مَثَلًا خَيْرُ دَارٍ - خَيْرُ دَارٍ - ہرگز نہیں۔ کیا موت فرعون کے ہاتھ میں ہے؟ نہیں۔ نہیں۔ کیا موت سمندر کے ہاتھ
میں ہے؟ نہیں۔ نہیں بلکہ موت تو آسمان والے کے ہاتھ میں ہے۔

أَمَاتٌ وَأَخَى - وہ ہے موت کے فیصلے کرنے والا۔

وہ ہے دعویٰ کے فیصلے کرنے والا اور وہ ہمارے ساتھ ہے ہمیں نہ سمندر مار سکتا ہے اور نہ فرعون ہمیں مار سکتا
ہے اللہ جو ہمارے ساتھ ہے۔

”مارو لاٹھی سمندر پر۔ لاٹھی بڑی، جب سے دنیا بنی ہے اس سے لے کر آج دس محرم تک کسی نے پانی کو تھمتے
نہ دیکھا، پھٹتے نہ دیکھا، جتے نہ دیکھا، کھڑا ہوتے نہ دیکھا، سمندر کیا لگے؟ اور تھمتا اور ٹھہرنا کیا لگے، سمندر کیا لگے
اور راستے کیا لگیں۔ یہ دو متضاد چیزیں ہیں لیکن جس اللہ نے پانی کو پہنے کا حکم دیا جس اللہ نے پانی میں موجوں کو
رکھا جس اللہ نے پانی کا بہاؤ رکھا۔ اسی اللہ نے چند گھنٹوں کے لیے پانی سے اپنا حکم واپس لے لیا۔ نہ کسی کا بہاؤ
ذاتی۔ نہ کسی کی تختی ذاتی۔ نہ کسی کی لطافت ذاتی۔ نہ کسی کی کثافت ذاتی۔ نہ کسی کی عزت ذاتی۔ نہ کسی کا
بحال ذاتی۔ نہ کسی کی بڑائی ذاتی۔ نہ کسی کا جمال ذاتی۔ نہ کسی کی بڑائی ذاتی۔ پیچھے تو اللہ ہے یہ مٹی کا
نظم، انسان کی اوقات ہے۔

ایک نوجوان کی جوانی کو زوال

نجران میں ایک نوجوان کھڑا ہوا تھا جس کا لبا چڑا تھا اور ایک شخص اسے دیکھ رہا تھا۔ تو وہ کہنے لگا ہا ہا جی کیا
دیکھ رہے ہو۔

کہا بیٹا تیری جوانی دیکھ رہا ہوں۔

وہ کہنے لگا میری جوانی پہ تو اللہ بھی حیران ہوتا ہے۔

میرے حسن پہ تو اللہ بھی حیران ہوتا ہے ابس یہ بول بولنا تھا کہ سب کے سامنے اس کا قد گھٹنا شروع ہوا اور
ساڑھے چھ سات فٹ کا آدمی تھا، گھٹتے گھٹتے ایک ہالٹ رہ گیا۔ ایک ہالٹ، ساڑھے چھ فٹ سے رب نے
گھٹایا، نہ موت دی بلکہ زندہ رکھا اور اسے اس کی حیثیت بتائی کہ یہ تیری اوقات ہے۔ کس کو پہنچ کر رہے ہو؟ کس
سے گمراہ رہے ہو؟

جانتے بھی ہو یہ کون ہے؟ یہ کل کائنات کا شہنشاہ ہے، بادشاہ ہے، رب ہے، رب پالنے والا ہے۔ پالنے
والا۔ زمین کے اندر میرے میں گھسی ہوئی چوٹی کو بھی رزق پہنچا رہا ہے اور چوٹی سے بھی ہزاروں گنا چھوٹے
وجود کو رزق پہنچا رہا ہے۔

آکھوں سے بڑھ کر بڑا خوب صورت سے نظر آتا۔ لانا لے رہا تھا کہ وہ رزق کا ہمارا ہے۔ اب رب سے

Digest.pk

نکرنے لی تم نے؟ کس سے نکرائے ہو؟
 زمین اس لیے بچائی کہ اس پر تم مست ہو کر چلو؟
 اس لیے بچائی کہ اس پر اکڑ کے چلے رہو؟ اس پر ناپے، کودتے، گاتے ہو۔ کیا تمہیں خبر نہیں کہ اللہ وہ آنکھ
 رکھتا ہے جو نہ اوجھتی ہے اور نہ سوتی ہے۔
 کیا اسے نظر نہیں آ رہا جب تم بے پردہ ہو کر چلتی ہو۔
 جب تم زیب و زینت کر کے نکلتی ہو۔
 جب تم تکبر کے ساتھ اپنے مال کے گھمنڈ میں، اپنے حسن کے گھمنڈ میں، اپنی کامیابیوں کے گھمنڈ میں، جب تم
 چلے ہو تو کیا وہ آنکھ سو گئی ہے؟

کیا وہ غافل ہو گیا ہے؟
 کیا اسے نظر نہیں آ رہا؟
 کیا موت تمہارا نگہ نہیں دہائے گی؟
 کیا قبر تمہیں زبردست نہیں کرے گی۔
 کیا اس حسن کو اللہ چارک و تالی مٹی میں نہیں ملائے گا۔ وہ کیڑے بھی تیار ہو چکے ہیں جن میں تقسیم ہو چکی
 ہے کہ گالوں کا گوشت یہ کیڑے کھائیں گے۔ آنکھوں کا گوشت یہ کیڑے کھائیں گے۔ جسے کاہل سے سچایا اور
 گھنٹوں جن کی ٹوک پلک کو ستورا۔ اس کے تو کیڑے بھی طے ہو چکے ہیں کہ یہ کیڑے اس کی آنکھوں کو کھائیں
 گے۔ وہ باقہا جسے جھوٹے سچایا اس کو کھانے والے کیڑوں کی تعداد مقرر ہو چکی ہے۔ اس کا پیٹ، اس کی رانیں،
 اس کی ٹانگیں، اس کے ہار، اس کی انگلیاں..... کس نے کیا کھانا ہے، رزق بن کر ہمارے وجود میں تقسیم ہو چکے
 ہیں۔ جس وجود کو کیڑے کھا جائیں۔

قبر کی گرمی..... جن ہڈیوں کو قبر کی گرمی گھا دے..... گھا دے۔
 ابھی تک اسے سی جل رہے ہیں..... حالانکہ موسم ٹھنڈا ہو چکا ہے۔ فضاؤں کے رخ بدل چکے ہیں لیکن
 ہماری طبیعتیں اتنی گرمی سہنے کی بھی اب سکت نہیں رکھتیں، اب بھی ایئر کنڈیشنڈ چل رہے ہیں۔ حالانکہ یہ وہی
 وجود ہے جس کو قبر کی خوفناک گرمی پگھلا دے گی۔ یہ ہڈیاں پگھل جائیں گی..... ریزہ ریزہ ہو جائیں گی پھر
 ایک زمانہ آئے گا کہ ہم اس طرح بھلا دیے جائیں گے جیسے کہ دنیا میں آئے ہی نہیں تھے۔ ہماری قبروں کے
 نشان بھی مٹ جائیں گے۔ پھر ایک دن پیٹھے پیٹھے زمین کو روٹ بدلے گی نیچے کی مٹی اوپر کر دے گی اور اوپر
 کی نیچے کر دے گی۔ وہ حسین جسم، وہ ہانکا جوان، وہ پہلوان، وہ شاہ زور و شہسوار جس کی ہڈیوں کو قبر کی گرمی
 نے پگھلایا.....!

پھر ریزہ ریزہ بنایا.....!
 پھر مٹی بنا دیا..... یہی شہزادی تھی۔ آج اس کی مٹی نیچے سے اوپر آئی اور اوپر سے اوانے حملہ کیا۔ خوفناک جھوٹا
 آیا اور اس کے وجود کو ہوا میں بکھیر دیا اور یہ اسی طرح فضا میں بکھرنے لگی جیسے کبھی فضاؤں میں بکھری ہوئی تھی۔
 یہ اسی طرح مٹ گئی جس طرح مٹی ہی تھی..... کہانی کیا ختم ہوئی بلکہ بھلا دی گئی..... بھلائی کہاں گئی بلکہ مٹا دی
 گئی اور ایسی مٹا دی کہ وہ اب بھی نہیں آئی ہی نہ گئی۔

Digest.pk

”ایسے مٹ گئے جیسے کبھی مل بیٹھے نہ تھے۔“

”جب جدائیاں ہونیں تو ایسے ہو گئے جیسے کوئی مل بیٹھا ہی نہ تھا۔ کس چیز پر غور ہے؟“

نادان معاشرہ!

وہ بادشاہ جو سوتا نہیں..... وہ بادشاہ جو لوگتھا نہیں..... وہ بادشاہ جو قافل نہیں..... وہ اللہ جو جاہل نہیں..... وہ اللہ جس کے ہاتھ میں لگام..... وہ اللہ جو گاری گردنوں کا مالک..... وہ اللہ جو جسم کے ریشے ریشے اور روئیں روئیں کا مالک..... وہ اللہ جو جسم میں آلے والی پھوٹی سے پھوٹی تہذیبی پر بھی نظر رکھے۔ عرش و قرش جس کے سامنے کلی کتاب کی طرح ہو۔ پھر لوٹ کر بھی اسی کے پاس جانا ہو۔ کیا نادان معاشرہ ہے اسی سے مگر لے رہا ہے۔ کہتے ہیں کیا کریں جی سر بل والوں کو بھی خوش کرنا ہے۔ کیا کریں لوگ نہیں مانتے۔ یہ نہیں مانتا وہ نہیں مانتا۔

دربار خداوندی میں حاضری کی کیفیت

وہ کیا دن ہوگا جب اکیلے جان ہوگی اور اللہ کہے گا فلاں بخت فلاں بخت فلاں بخت فلاں۔ فلاں فلاں کی بیٹی حاضر کی جائے فلاں بن فلاں۔ فلاں فلاں کا بیٹا حاضر کیا جائے۔

”ایک ایک مرد و عورت کو فرشتے گھسیٹ کر لائیں گے، گردن میں ہاتھ ڈال کر اللہ کے سامنے کھڑا کریں گے۔“

اس کی حالت کیا ہوگی جیسے بکری کا بچہ ہوتا ہے۔ بکری کا بچہ شہر کی عورت کیا جانے کہ بکری کا بچہ کیا ہوتا ہے؟ بکری ذبح پیرا ہوتا ہے تو وہ کھڑا ہونے کی کوشش کرتا ہے لیکن اس کی ٹانگوں میں اتنی کمزوری ہوتی ہے کہ جب وہ کھڑا ہوتا ہے تو اس کی ٹانگیں کاچتی ہیں کبھی یوں گر جاتا ہے اور کبھی یوں گر جاتا ہے۔ پھر کھڑا ہوتا ہے کبھی یوں گر جاتا ہے اور کبھی یوں گر جاتا ہے، انہی ٹانگوں میں اتنی جان نہیں کہ وہ مضبوطی سے کھڑا ہو سکے اور چند گھنٹوں کے بعد اللہ تعالیٰ اس کی ٹانگوں میں طاقت پیدا کرتا ہے۔ بکری کے بچے کی وہ کیفیت جس میں جب وہ کھڑا ہوتا ہے لرزے اور کانپے اور کبھی یوں گرے اور کبھی یوں گرے۔ اس کو بزدل کہتے ہیں عربی میں بزدل۔

تو آج کی بڑی بڑی شہزادیاں۔ بڑے بڑے شاہ زاد و رولر بڑے بڑے شہسوار کو جب اللہ بلائے گا کہ فلاں فلاں کی بیٹی حساب کے لیے پیش ہو جائے۔ فلاں فلاں کا بیٹا حساب کے لیے پیش ہو جائے۔

دنیا اور آخرت کے امتحان کا فرق

جب سکول کا امتحان ہوتا ہے اگر تیاری نہ کی ہو تو کلیجہ ہا ہر آتا ہے۔ اچھل اچھل کر منہ کو آتا ہے اور سینہ پھٹتا محسوس ہوتا ہے۔

میرا غور کس کا بچہ تھا تیرک کا۔ میں ساری رات بڑھتا رہا۔ ساری رات۔ مشکل سے کوئی گھڑا توپا ہوں گا یا آدھا گھٹا۔ اور میں کیا خان کی بیٹے ساری رات کی جگہ اور تھکا ہوا تھا۔ جب پرستار نے آیا تو سب بھول گیا۔

Digest.pk

سب کچھ بھول گیا ایک لفظ بھی یاد نہیں رہا۔

اس بات کو آپ چوتیس برس ہو چلے ہیں۔ اس وقت میری کیفیت یہ تھی کہ میرے رونیں رونیں سے پسینہ پھوٹنے لگا۔ میں اگر میٹرک میں لٹل بھی ہو جاتا تو کیا تھا؟ لیکن اس کے باوجود آپ یقین جانیں کہ پسینے میں میرا سارا وجود برف کی طرح ٹھٹھا ہو گیا اور میں نے قلم رکھ دیا، پرچہ رکھ دیا۔

Paper رکھ دیا اور آدھ گھنٹہ میں گم سم بیٹھا رہا کہ کیا بنے گا؟ کیا بنے گا؟ لٹل ہو جاتا تو کیا ہو جاتا کون سا میرا ذوق بند ہو جاتا تھا یا میرے پیچھے کوئی سولی کھڑی تھی جس پر میں نے لٹک جانا تھا۔ لیکن ایک چھوٹے سے پرچے کے سوالات میری آنکھوں میں گم ہوتے میرے دماغ سے محو ہوتے۔ آج چوتیس برس کے بعد میں آج بھی اس تکلیف کو برداشت کرتا ہوں۔

وہ کیا دن ہوگا جب اللہ پوچھے گا اور سوالات رہائی کے جواب لہن سے محو ہو جائیں گے۔ جب تیاری ہی نہیں کی ہوگی جواب تو اس وقت آئے گا نہیں۔ اور یہ مسئلہ بھی تو نہیں ہے کہ میٹرک میں لٹل ہو گئے چلو اگلے سال پھر تیاری کرو۔ ایم اے۔ بی اے میں لٹل ہو گئے۔ اگلے سال تیاری کرو۔ یہ نہیں ہے بلکہ خوفناک جہنم کی آگ ہے بھڑک رہی ہے۔ بھڑک رہی ہے۔

اللہ کی نظر میں دنیا کی قیمت

میرے بھائی اور دوستو جہاں کا بنانے والا اللہ تعالیٰ ہے اور بنانے والے کو پتہ ہوتا ہے کہ اس کو بنانے میں سرمایہ کتنا لگا ہے، محنت کتنی ہوئی ہے، اس کی قیمت کتنی ہونی چاہیے، اللہ نے یہ جہاں بنایا ہے اور اس نے ہمیں یہ خبر دی ہے کہ اس کی قیمت ایک گھم کے ایک پر کے برابر بھی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ”اگر یہ دنیا میرے نزدیک گھم کے برابر بھی قیمت رکھتی تو میں ایک کافر کو ایک گھونٹ پانی کے برابر بھی نہ دیتا۔“

یہاں تو ان کو زیادہ دیا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ نے ایک عجیب بات یہ بھی کی کہ:-

”اور تمہارا خیال نہ ہوتا کہ تم بھی دین چھوڑ جاؤ گے۔“

”میں کیا کرتا کافروں کے دروازے اور میز صیال سونے اور چاندی کے بنا دیتا، ان کی چار پائیاں ان کی کرسیاں، ان کی چھتیاں، ان کے گھر، ان کی دیواریں، سونے اور چاندی کی ہوتیں۔“

حدیث میں آتا ہے کہ ”ان کے جسم لوہے کے بنا دیتا۔“

لوہے کا مطلب یہ کہ نہ تیار ہوتے نہ پڑھتے ہوتے۔

یہ سارا کچھ کیوں نہیں کیا؟

اس لیے پھر خال ہی خال مسلمان رہ جاتے تو اکثر بھسل جاتے، اب بھی اسنے بھسل رہے ہیں کہ ان کو اتنا دے دیا ہمیں کچھ نہ دیا۔ اللہ نے کچھ ہمیں بھی دے دیا اور کچھ ان کو بھی دے دیا۔ کچھ ان پر حالات ڈال دیئے اور کچھ ہم پر حالات ڈال دیئے۔ ان کی محبتیں الگ کر دیں اور ہماری محبتیں الگ کر دیں، برابر برابر ۱۹۸۶ کا فرق رکھ دیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:-

”یہ دنیا میرے نزدیک اتنی گزری ہے جتنی ایک آنکھ کی پلک“

Digest.pk

"اے مومن! میرے بندے ایسے ہیں کہ جنت مانگیں تو ساری دے دوں۔"

میرے بھائیو! ایک حدیث میں آتا ہے کہ: جنت کی ایک عورت کا دوپٹہ ساتوں زمینوں کے خزانوں سے زیادہ قیمتی ہے۔

صرف ایک دوپٹہ جو خزانے اس وقت ہیں اور جو استعمال ہو چکے ہیں، جو آئندہ استعمال ہوں گے اس کے بعد جو باقی رہیں گے اور قیامت آئے گی تو زمین کے خزانوں میں سے پھر بھی تھوڑا ہی حصہ استعمال ہوا ہوگا باقی حصہ پھر بھی پڑا ہوگا۔ اس کو نکال دیا جائے، جو کھل چکا ہے اس کو بھی داہیں لایا جائے، ان سب کو اکٹھا کیا جائے تو ایک دوپٹے کی قیمت زیادہ ہے تو ساری جنت کیسی ہوگی؟

اللہ کہتا ہے جنت مانگیں تو ساری دے دوں، اور دنیا کے ہارے میں کہا کہ پکڑا لٹکانے کے لیے ایک لکڑی چاہیے تو وہ بھی نہیں دوں گا اے اللہ ایک لکڑی دے دے تاکہ اس سے پکڑے لٹکاؤں تو کہتا ہے وہ بھی نہیں دوں گا۔

"اس لیے نہیں کہ وہ میری نظروں میں چھوٹا ہے۔"

"اس لیے کہ میں اس کو قیامت کے دن کی عزت دینا چاہتا ہوں۔"

اللہ کے حبیب کی حالت

حضور اکرم ﷺ ایک باغ میں تشریف لے گئے اور عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ تھے، تو جو بکجوریں درخت سے لٹک جاتی ہیں وہ چمچے گر پڑی ہوتی ہیں۔ ان کو کون اٹھاتا، مگر ان کو آپ ﷺ اٹھا کر صاف کر کے کھانے لگے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے فرمایا:

"کیوں نہیں کھاتا؟"

انہوں نے کہا "مجھے بھوک نہیں۔"

تو آپ ﷺ نے فرمایا "آج چوتھا دن ہے میں نے ایک لقمہ بھی نہیں کھایا۔"

اللہ کو اپنے حبیب سے پیارا تو کائنات میں کوئی نہیں، سب سے محبوب ترین اللہ کو اپنا حبیب ہی ہے، بھلا اپنے حبیب کو کوئی مشکل میں ڈال کر خوش ہو سکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے چاہے کافر ہو یا مسلمان ہو، ماں سے ستر گنا زیادہ پیار کرتا ہے۔ تو اپنے حبیب ﷺ سے کتنا پیار کرتا ہوگا۔ اللہ کے حبیب ﷺ نے فرمایا کہ چوتھا دن ہے میں نے ایک لقمہ بھی نہیں چکھا۔

اگر میں چاہتا تو میرا اللہ مجھے ساری دنیا کے خزانے دے دیتا۔ اگر میں چاہتا تو اللہ تعالیٰ میرے قدموں میں روم اور فارس کے خزانے لاخیر کر دیتا لیکن میں نے نہیں مانگا۔

اے عبداللہ! ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ لوگوں کے گھروں میں سال سال کی روٹی پڑی ہوگی، پھر بھی کہیں کے کہ خرید کہاں سے آئے گی، کہاں سے آئے گی، ان کا یقین برباد ہو جائے گا۔

اور سن لے میں کل کے لیے بھی جمع نہیں کرتا۔

تو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی حیثیت ایسی رکھی ہے کہ چھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہے۔ اگر ہوتی تو ان کالروں کو اپنی کاکھوٹ بھی نہ ملتا، حقیقت بتائی کہ اگر تمہارا خطرہ نہ ہوتا کہ چونکہ اکثر مسلمان بچے ہی ہیں، بہت تھوڑے بچے ہیں، تو اکثر مسلمان اسل چاہتے، مگر تم سات لاکھ بچے آتے ہو، تمہیں کچھ نہ دیتے۔

Digest.pk

یہ تو سارے کا سارا دنیا کا چند روزہ کھیل تھا ہے، اصل انجام میرے پاس اللہ سے لڑنے والوں کا ہے۔
اب اس دنیا کو مٹانے والا اس دنیا کی قیمت ہمیں بتا رہا ہے کہ:-
"یہ ایک دھوکہ ہے۔"

دھوکہ کسے کہتے ہیں؟ دھوکا نہیں مگر نظر آتا ہے، اسی کو دھوکہ کہتے ہیں۔ یہ دنیا نظر آتی ہے، جہانی نظر آتی ہے،
اللہ کہتا ہے، نہیں نہیں تمہاری نظر کا دھوکہ ہے۔
آسٹریلیا کی خوبصورت وادیاں نظر آتی ہیں،
یہ دھوکہ ہے، بڑی ہلکی نظر آرہی ہیں،
حکومت نظر آرہی ہے،
طاقت نظر آرہی ہے،
دولت نظر آرہی ہے،
جھوٹی اعلیٰ ہے اچھی یا بُری،
حسن کے نقشے ہوں یا بد صورتی کے نقشے ہوں،
عزت کی چوٹی ہو یا ذلت کی گتھی ہو،
اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ تمہاری نظر کا دھوکہ ہے، حقیقت میں کچھ بھی نہیں۔
دھوکے کا گھر بھگتا رہا ہے۔

اللہ نے اس دنیا کے تین نام دیے ہیں

1- دھوکے کا گھر۔

2- بھگتا رہا ہے۔

3- کڑی کا جاہ۔

اگر کوئی آدمی بھگتے ہوئے سے بھولے ہوئے تو آپ کہیں گے کہ دیکھو بھائی کتنا خوش نصیب ہے، مال لے
کر جا رہا ہے یا یہ کہیں گے کہ کتنا پاگل ہے بھگتے ہوئے سے بھولے ہوئے جا رہا ہے؟

ایک کلمہ والے کی قیمت

تو بھائی اللہ نے ہمیں ایمان دیا ہے، اللہ کی رحمت کی اتنی بڑی بارش ہمارے اوپر ہوئی ہے کہ اس نے ہمیں
مسلمان بنایا ہے، ساری دنیا کے کافر مسلمانوں کی وجہ سے زندہ ہیں۔ ساری دنیا کے مشرک، عیسائی، یہودی،
مسلمان کی وجہ سے زندہ ہیں، ایمان نہ ہو تو ساری کائنات توڑ دی جائے، مسلمان نہ ہو تو زمین و آسمان کا نقشہ
ٹوٹ جائے۔

”اللہ اللہ، جب تک ایک ایک مسلمان بھی زندہ ہے، آپ امانت لگائیں اور یہ مسلمان بھی وہ ہوگا جس کو نہ
نماز کا پتہ ہے اور نہ روزے کا۔ نہ طہال کا پتہ ہے نہ حرام کا پتہ ہے، صرف وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول
اللہ پڑھتا ہے۔“

اور اسے کچھ پتہ نہیں سبھی اللہ کا فضل ہے کہ ہم اس سطح کے نہیں ہیں کچھ ایسے کلام بھی کہتے ہیں، کچھ نڈرے
کام بھی کرتے ہیں، کچھ مسلمان زندہ ہیں۔

Digest.pk

یہ سورج چمکے گا،
یہ چاند کھٹے اور بڑھے گا،
یہ ہوائیں چلتی رہیں گی،
یہ بادل اٹھتے رہیں گے،
یہ بارشیں برتی رہیں گی،
اور یہ زمین اپنے فلفے اٹھتی رہے گی،
یہ موسم بدلتے رہیں گے،
زمین و آسمان کی گردش چلتی رہے گی،
فرشتوں کا آنا جانا ہوتا رہے گا،
یہ پورا نظام چل رہا ہے۔

یہ بند نہیں ہو سکتا جب تک یہ مسلمان موجود ہے۔ جب یہ مرے گا تو اب اللہ کو اس کا نکاح کی کوئی ضرورت نہیں، ساری نکاحات کے اوپر پروردگار کا، تو مسلمان اتنا قیمتی ہے۔ ہم اپنی قیمت کو محسوس کریں، احساس کتری میں مبتلا نہ ہوں، آسٹریلیا والے آپ کی برکت سے کھاد ہے ہیں، یہ نہیں کہ ہم ان کی برکت کی وجہ سے کھاد ہے ہیں، امریکہ والے، یورپ والے، ساتوں براعظم چوتھیاں تک مسلمان کی برکت سے روزی کھا رہی ہیں۔ شیطان کو بھی رزق مسلمانوں کی وجہ سے مل رہا ہے،

کراچی میں سیارہ ذابجٹ کے سول ایجنٹ

تازہ شماروں خاص اسلامی نمبروں اور
دیگر کتابوں کی خریداری کے لئے براہ کرم

گلستان نیوز ایجنسی

فری مارکیٹ۔ فری روڈ کراچی سے رابطہ کریں۔

0300-2680248

021-3273375 32762447

Email: sayyaradigest@gmail.com

042-37245412

240

کافر جہات کو بھی مسلمانوں کی وجہ سے مل رہا ہے،
پہلے چمکے، سہاپ کپڑے کھڑے کھڑے مسلمان کی وجہ سے رزق کھا رہے ہیں۔

سب سے زیادہ خوش قسمت

جب حضور اکرم ﷺ کا اسی دنیا سے مٹ جائے گا تو ساری کائنات کا نظام توڑ دیا جائے گا۔ اللہ کی کسی کے ساتھ رشتہ داری نہیں ہے اور اللہ نے یہ دولت ہمیں ملت دی ہے۔ بغیر مانگے دی ہے۔ اب ہمارا تقیر سے تقیر آدمی بھی امریکہ کے صدر سے زیادہ خوش قسمت ہے کہ اس نے اللہ کو پہچان لیا اور حضور اکرم ﷺ کو بھی پہچان لیا۔ ہمارا ان پڑھ جاہل، جو انگوٹھے لگانا بھی نہیں جانتا وہ بھی دنیا کے بڑے سائنس دان آئن سٹائن سے زیادہ سمجھ دار ہے۔ اس نے اللہ اور رسول ﷺ کو پہچان لیا اور اس پاگل نے اللہ کو پہچانا اور رسول اللہ ﷺ کو پہچانا۔ سارے آسٹریلیا کے سائنسدانوں سے ہماری ریڈیو چلانے والا مسلمان زیادہ سمجھدار ہے۔ وہ آخرت کو جان گیا حضور اکرم ﷺ پر اور اللہ پر ایمان لایا، وہ اس کائنات کے رب کو جان گیا اور حضور اکرم ﷺ کو اس کا آخری رسول مان لیا اور اس سے زیادہ دنیا میں کوئی عقل مند نہیں۔

کامیاب اور ناکام انسان

آج کی دنیا میں تصور زندگی یہ ہے کہ مال و دولت ہے، بڑی گاڑیاں ہیں، بڑی بلڈنگز ہے تو بڑی بہترین زندگی ہے، عام آدمی کے بارے میں پوچھو تو کہتے ہیں کچھ نہیں مگر اس کا کیا پوچھنا، بڑا ذلیل آدمی ہے۔ چھوٹا آدمی ہے، گھڑ سا آدمی، زندگی کا رخ ہمیں اللہ کی طرف سے نہیں ملتا۔
اللہ نے جو رخ دیا ہے وہ یہ ہے کہ جو میری مان کے چل رہا ہے اور میرے نبی کی مان کے چل رہا ہے وہ دنیا کا سب سے کامیاب انسان ہے جو مجھ سے ہٹ کر چل رہا ہے اور میرے نبی کے طریقوں سے ڈر کر چل رہا ہے وہ دنیا کا ناکام ترین انسان ہے۔

اللہ کہہ رہا ہے: ”کیا تمہیں پتہ نہیں ہے؟“

”تمہیں پتہ نہیں جو میرا اور میرے رسول کا دشمن ہو جائے وہ جہنم کی آگ میں جائے گا۔“

یہی اصل ناکامی ہے۔

یہی بڑی ذلت و رسوائی ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ تقیر ہو گئے تو ذلیل ہو گئے، جب کہ اللہ کہتا ہے کہ ”میرے اور میرے رسول کے نافرمان ہو گئے تو ذلیل ہو گئے۔“

حضور ﷺ مسجد میں بیٹھ کے نماز پڑھ رہے ہیں ایک نبی میں چالیس آدمیوں کی طاقت ہوتی ہے اور حضور اکرم ﷺ میں کتنی طاقت ہوگی، آپ ﷺ بیٹھ کے نماز پڑھ رہے ہیں، حضرت ابو ہریرہؓ آئے اور فرمایا:۔

یا رسول اللہ ﷺ ”میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ بیٹھ کر کیوں نماز پڑھ رہے ہیں؟“

بیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ”بھوک، بھوک کی وجہ سے، صحت نہیں ہے پاؤں میں کھڑے ہونے کی۔“ یہ جو میرا اور آپ کا ذہن ہے اس کے مطابق بڑی ذلت کی بات یہ ہے کہ روٹی نہیں مل رہی۔

سب سے اونچی ذلت جس کے اشارے ہیں چاند و گزے ہو جائے، جہاں ساری کائنات کی آفتیں ختم ہو جائیں، کائنات کی سب سے بڑی قوت جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ جبرائیل علیہ السلام کی جہاں جسمانی اور روحانی

Digest.pk

طاقتیں ختم ہونیں وہاں سے حضور ﷺ کی جسمانی پرواز شروع ہوئی ہے۔ مومن علیہ السلام پر عرش سے ایک جلی پڑی تو چالیس دن بے ہوش رہے اور ہوش نہیں آیا جبکہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو سامنے کھڑا کر کے خطاب فرمایا اور آپ ﷺ نے ساری تجلیات کو برداشت کیا ہے۔

مسلمان ہونا بہت بڑی دولت ہے

میرے بھائی! میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مسلمان ہونا بہت بڑی دولت ہے، دالر سے پاؤں سے، گاڑیوں سے، بنگلوں سے، سب سے اعلیٰ چیز یہ ہے کہ اللہ نے ہمیں ایمان کی دولت دی ہے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان کے لیے حضور ﷺ کا آسوا کھلا ہوا ہے لہذا کسی کو کبھی گھٹیا نہیں سمجھنا چاہیے۔

مسلمان کو دلیل کرنا بیت اللہ کو گرانے سے بڑا گناہ ہے (اللہ عیث)

بیت اللہ کو کسی نے توڑ دیا یہ چھوٹا گناہ ہے ہاں نسبت اس بات کہ کسی مسلمان کو بے عزت کر دیا یہ بڑا گناہ ہے۔ کمزور سے کمزور مسلمان کے لیے بھی قیامت کے دن حضور ﷺ کی شفاعت ہوگی۔ دنیا کی سب سے قیمتی شے مسلمان ہیں۔ ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان بھی جہنم میں رہیں گے تو اللہ پاک انبیاء علیہ السلام سے صدیقین سے، شہداء سے کہے گا جاؤ جتنے انسان جہنم سے نکال کر لاسکتے ہو تو نکالو۔ حضور ﷺ کی شفاعت سے بے شمار مخلوق نکلے گی، اب اللہ پاک فرمائیں گے کہ اب میری باری ہے تم سب فارغ ہو گئے۔

اب اللہ پاک جہنم کے اندر سے ایمان والوں کو نکالے گا۔ اسی طرح تین دفعہ نکالیں گے اور جس کے دل میں سیلی میٹر کے کروڑوں حصے کے برابر بھی ایمان ہوگا وہ پھر بھی رہ جائے گا اس کے بعد جہنم سے جبرائیل علیہ السلام کو یا حنان یا منان کی آواز آئے گی کہیں گے ایک ابھی باقی ہے اس کی باری نہیں آئی، تو اللہ پاک کہیں گے جاؤ اس کو نکال لے آؤ تو وہ آئیں گے اور واردہ جہنم سے کہیں گے، ارے بھائی! ایک اٹکا ہوا آخری قیدی ہے اس کو نکال دو، تو وہ جہنم کے اندر جا کر واپس آئیں گے اور کہیں گے کہ دوزخ نے اب کروٹ بدل دی ہے اور ہر چیز پلٹ دی ہے پتہ نہیں وہ کہاں ہے؟ دوزخ کا ایک پتھر ساتوں بڑے عظیم کے پہاڑوں پر رکھ دیا جائے تو سارے پہاڑ پھسل کر سیاہ پانی میں تہہ پل ہو جائیں گے اور دوزخ کی ایک چٹان ساری دنیا کے پہاڑوں سے وزنی اور بڑی ہے دوزخ میں اگر سوئی کے برابر بھی سودا رخ ہو جائے تو اس کی پگ سارے جہاں کو جلا کر راکھ کر دے گی۔ دوزخ سے ایک آدمی کو بھی نکال کر ایک لاکھ آدمیوں میں بٹھایا جائے اور وہ ایک سالس بھی لے لے تو اس کی ایک سالس کی وجہ سے ایک لاکھ آدمی مر کے ختم ہو جائیں گے۔

یہ قید خانہ ہے کوئی معمولی چیز نہیں ہے کہ دو چار تھپڑ لگیں گے پھر اٹھا کر جنت میں لے آئیں گے، آسان مسئلہ نہیں ہے، اگر دھلائی ہوگی تو بڑی زبردست ہوگی تو جبرائیل علیہ السلام آئیں گے اللہ سے عرض کریں گے کہ پتہ نہیں چل رہا وہ کہاں ہے؟

جنت میں جانے والا آخری انسان

اللہ تعالیٰ بتا دے گا کہ جہنم میں فلاں چٹان کے نیچے پڑا ہے، تو وہ آئیں گے چٹان کو اٹھائیں گے تو نیچے سانپ اوسکھوٹا پھنسا پڑا ہوگا۔ ایک دفعہ دوزخ کا سانپ ڈنگ پڑے تو چالیس سال تک پتہ نہ پڑے گا۔ اس کو جھٹکادے کر نکالیں گے پھر وہاں ہو جائے گا کہ ان کی حیات میں اللہ تعالیٰ نے اس سے وہ باریکی طرح چمکا ہوا

Digest.pk

سیارہ ڈائجسٹ کی سالانہ خریداری کیلئے بیرون ملک بدلی اشتراک

6000/-
روپے

(1) سعودی عرب، کویت، اردن، سری لنکا، ابوظہبی،
بحرین، دوحہ، مسقط، قطر، شارجہ، بھارت۔

6000/-
روپے

(2) سوڈان، یوگنڈا، لیبیا، نائیجیریا اور دیگر افریقی ممالک، مشرقی
اور مغربی جرمنی، ڈنمارک، انگلینڈ، ناروے، سویڈن، ملائیشیا،
سویٹزرلینڈ، سنگاپور، ہانگ کانگ، آسٹریا، برونائی۔

7000/-
روپے

(3) آسٹریلیا، کینیڈا، فجی، نیوزی لینڈ، بہاماز، ونیزویلا،
یونان، امریکہ، نوو، برازیل، چلی، کولمبیا، کیوبا،
ارجنٹائن، میکسیکو، گریناڈا۔

« بیرون ملک وی پی نہیں جاتی۔ رقم پہلے بھجوائیں۔

« کتابوں پر ڈاک خرچ خریدار کو ادا کرنا ہوگا۔

« ڈرافٹ سیارہ ڈائجسٹ لاہور کے نام ارسال کریں۔

240 مین مائیکٹ، ریلوے گارڈن لاہور۔

0423-7245412 فون

E.mail: sayyadlgest@gmail.com

سیارہ ڈائجسٹ

Digest.pk

فلے گا، پل صراط سے اس کو گزارا جائے گا اور پل صراط فقط مسلمانوں کے لیے ہے کافروں کے لیے نہیں ان کو تو سیدھا جہنم کے گیٹ سے داخل کیا جائے گا۔

یہ کافر کے لیے ضابطہ ہے، کہ اعدائے گوشتے بن کر ان کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ پل صراط مسلمانوں کے لئے ہے، اس پر ان کو گزارا جائے گا تاکہ ان کے ایمان کا پتہ چل جائے۔ بعض ایسے گزریں گے کہ جہنم کی آگ نیچے سے پکارے گی اور اے اللہ کے واسطے جلدی چل جلدی "تیرے ایمان نے مجھے شفا کر دیا"۔

اور بعض ایسے گزریں گے وہ خودی کہ ان کے دونوں طرف آریاں لگ جائیں گی اس کے کانٹے اس کے اعدائے پھنسیں گے اس کو کہا جائے گا کہ چل وہ کبھی گرے گا کبھی چلے گا۔

وہ پکارے گا کہ: "یا اللہ! پار لگا دے، یا اللہ! پار لگا دے"۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا ایک وعدہ کر لے تو پار لگا دوں گا۔

وہ کہے گا کیا؟

اللہ فرمائیں گے کہ: ٹو پار جا کر اپنے سارے گناہ مان لے تو پار لگا دوں گا۔

تو وہ کہے گا: پار لگا دیں میں سارے گناہ مان جاؤں گا۔

اب اللہ تعالیٰ پار لگا دیں گے تو سامنے جنت نظر آ رہی ہوگی اور پیچھے دوزخ نظر آ رہی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اب بتا کیا کیا تھا دنیا میں، تو اب وہ ڈرے گا کہ مان کیا تو دوبارہ نہ پھینک دیں تو وہ کہے گا کہ میں نے کچھ کیا ہی نہیں، یعنی آخری وقت تک دغا بازی۔

اللہ تعالیٰ کہے گا: گواہ لاؤں۔

تو وہ تسلی کے لیے ادھر ادھر دیکھے گا تو کوئی نہیں نظر آئے گا۔ جنت والے جنت میں ہیں اور دوزخ والے دوزخ میں ہیں، وہاں کوئی بھی نہیں ہوگا، پھر اللہ پاک اس کی زبان کو بند کر دے گا اور اس کے جسم سے کہے گا تو بول، پھر اس کے ہاتھوں سے اس کی رانوں سے آوازیں آئیں گی۔ تو وہ کہے گا کہ میرا جودہی میرا دشمن ہو گیا۔ وہ کہے گا "یا اللہ بڑے بڑے گناہ کیے تو معاف کر دے، دوبارہ نہ بھیج" تو اس سے کہا جائے گا کہ جنت میں چلا جا، جب جائے گا تو اللہ پاک اس کو ایسے جنت دکھائے گا جیسے کہ وہ ساری کی ساری جنتیوں سے بھری ہوئی ہے۔

تو وہ دیکھ کر واپس آ جائے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ لے کر جاتا کیوں نہیں؟

تو پھر جنت دیکھ کر واپس آ جائے گا۔ پھر کہا جائے گا تو جاتا کیوں نہیں؟

کہے گا آپ نے کوئی جگہ خالی چھوڑی ہی نہیں میں کہاں جاؤں۔

اسب سے کم درجہ کی جنت

اب اللہ تعالیٰ اس کی قیمت دے گا، اچھا تو راضی ہے کہ میں نے جب سے دنیا بھائی تھی اور جس وقت وہ ختم ہوئی اس کا دس گنا کر کے تمہیں دوں گا، کیا تو راضی ہے؟

تو اس کا منہ کھل جائے گا:

"آپ میرے ساتھ مذاق کرتے ہیں ملا کہ آپ تمام جاں کے رب ہیں، تو اس کو یقین آئے گا۔"

اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

Digest.pk

"مجھے اس پر قدرت ہے، جا میں نے تجھے دنیا اور اس کا دس گنا دے دیا۔
کتنی بڑی دولت ہے ایمان کی جو اللہ نے ہمیں عطا فرمائی، فرض نماز کا ایک سجدہ زمین و آسمان سے زیادہ قیمتی

ہے۔
حدیث پاک میں آتا ہے،
"جس نے نفل روزہ رکھا، اور اس نفل روزے کے بدلے میں سات جزا عظیم کو سونے سے بھر کر کہا جائے کہ یہ
تیرے روزے کا بدلہ ہے۔"

تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا یہ سب اس کے روزے کا بدلہ نہیں بن سکتا، یہ تو نفل روزہ ہے تو فرض، پھر نماز
روزہ سے بھی زیادہ طاقتور اور زیادہ قیمتی ہے، یہ لڑائی و جدوجہد کا جنتی جنت میں جائے گا، تو اس کے لیے جنت کا
دروازہ جنت کا خادم کھولے گا تو وہ اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر ہی سر جھکائے گا، اور وہ کہے گا: تم کیا کر رہے
ہو؟ تو یہ کہے گا تم فرشتے ہو تو وہ کہے گا کہ: میں آپ کا خادم ہوں، اور نوکر ہوں اور اس کے لیے جنت میں قالین
ہوں گے اس پر یہ چالیس سال تک چل سکتا ہے اور اس کے دونوں طرف اسی ہزار خادم ہوں گے۔ اور وہ کہیں
گے کہ: اے ہمارے آقا آپ اتنی دیر سے آئے، تو وہ کہے گا کہ: شکر کرو میں آگیا، تمہیں کیا خبر کہ میں کہاں پھنسا
ہوا تھا؟ ایسی دھلائی ہو رہی تھی کہ مت پہچو، اسی ہزار نوکر کوئی محفلہ ان کو نہیں دینی پڑے گی، ان کا سارا خرچہ
اللہ کے ذمہ ہے۔

پھر آگے جائے گا تو بڑا چڑا میدان ہے، جس کے وسط میں ایک تخت بچھا ہوا ہے، اس پر اس کو بٹھایا جائے گا
ہر نوکر ایک کھانے کی قسم پیش کرے گا اور ایک مشروب کی قسم پیش کرے گا۔ اسی ہزار قسم کے کھانے، اسی ہزار قسم
کے مشروبات، نہ پیٹ گھٹے، نہ آنت گھٹے، نہ دانت گھٹیں، نہ جھڑا گھٹے نہ زبان و انتوں کے اعداد گھٹے، یہ سارا
نظام اس کے لیے چل رہا ہے اور ہر قسم کی لذت اس کے لیے بڑھتی جائے گی بڑھتی چلی جائے گی۔ ہر مشروب
کی لذت بھی بڑھتی ہی جائے گی۔ دنیا کا پہلا نوالہ زیادہ حریص رہتا ہے پھر اس سے کم پھر اس سے کم پھر نہ پینے
کوئی چاہتا ہے نہ کھانے کو، لیکن جنت میں اس کے برعکس ہوگا، اللہ تعالیٰ ایسی قوت دے گا کہ کھانا اور پینا
رہے گا۔ پیو شاب کوئی نہیں، پاخانہ کوئی نہیں، پھر خادم کہیں گے اب اس کو اس کے گھروالوں سے ملنے دو، وہ سب
واپس چلے جائیں گے پھر سامنے سے پردہ ہٹے گا۔

ایک اور پورا جہاں نظر آیا۔

پہری جنت جیسے یہ تخت ایسا ہی آئے گا ایک تخت، اس پر ایک لڑکی جنت کی حور بیٹی ہوگی اس کے جسم پر ستر
جوڑے ہوں گے، ہر جوڑے کا رنگ الگ ہوگا، خوشبو الگ ہوگی، ستر جوڑوں میں اس کا جسم نظر آئے گا، جب
چہرے پر دیکھے گا تو اس میں اپنا چہرہ نظر آئے گا اس کے سینے پر نظر پڑے گی تو اس پر بھی اپنا چہرہ نظر آئے گا۔ ایسا
شگاف جسم اس کا ہوگا، چالیس سال اس کو دیکھنے میں کم سم رہے گا۔ ابھی ابھی جہنم کے کالے کالے فرشتے دیکھ کر
آپا تھا ابھی ایک حور کو دیکھ کر اپنے آپ کو بھی بھول جائے گا۔ چالیس سال دیکھنے میں لگا ہوا ہے، پھر وہ حور اس کی
بیہوشی کو توڑے گی۔

"ارے ولی کیا تپ کو میری ضرورت ہے۔"

پھر اس کو جوڑے لگائے گا کہ اس بیٹا، یہ تو کون ہے؟ روزہ کہے گی کہ اللہ۔ تیری آنکھوں کی

Digest.pk

ٹھنڈک کے لیے بتایا ہے۔

تو بھائی یہ تو اس سنٹی میٹر کے کروڑوں ایمان کا حصہ ہے، جو اس کے اندر اٹکا ہوا ہے۔ یہ جنت اس کی قیمت ہے۔

اب امریکہ والوں کے پاس کیا ہے، آسٹریلیا والوں کے پاس کیا ہے تو ہمیں احساس کتری سے لگنا چاہیے ہادی برکت سے ساری کائنات کو رزق مل رہا ہے۔ ہم حضور ﷺ کی امت ہیں ساری امتوں کی سرور امت۔ تم سب سے بہترین امت ہو سب سے افضل ترین امت ہو اللہ کی نظر میں۔

ایک دفعہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اللہ میری امت سے کوئی اچھی امت ہے؟ میری امت پر من و سلویٰ اور بادلوں کا سایہ بھیس لیتیں رہی ہیں۔

اللہ نے فرمایا:-

”آپ کو پتہ نہیں محمد (ﷺ) کی امت کو ساری امتوں پر وہ عزت حاصل ہے جو میری ذات کو میری مخلوق سے عزت حاصل ہے۔ ہمارے تو حُرے ہو گئے کہ ہم حضور اکرم ﷺ کے امتی بن گئے۔ جو ایک ٹکلی کرے گا اس کو دس ڈوں گا۔

مجھے عبدالرزاق نے بتایا اس کو معمر نے بتایا اسے زہری نے بتایا اسے عروہ نے بتایا اسے حضرت عائشہؓ نے بتایا انہیں حضور اکرم ﷺ نے بتایا انہیں جبرائیل علیہ السلام نے بتایا۔ جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ جب کوئی مسلمان اسلام میں بوڑھا ہو کے مرتا ہے تو خدا اب دیتے ہوئے میں اس سے شرماتا ہوں، اے اللہ تجھے پتہ ہے کہ میں اسلام میں بوڑھا ہوں، میں ستر سال کا بوڑھا ہوں۔

تو اللہ نے فرمایا: ان سب راویوں نے سچ کہا۔ حضور ﷺ نے بھی سچ کہا اور جبرائیل علیہ السلام نے سچ کہا اور میں سارے بچوں کا سچ ہوں اس لیے تجھے سوال کیا۔

سارے خزانوں میں قیمتی دولت

اللہ نے بہت بڑا انعام فرمایا کہ ایمان کی دولت ہمیں دے دی، بے مانگے دے دی سارے خزانوں سے قیمتی دولت۔

بھائی یہ قیمت ہے کس لیے۔ بحیثیت مسلمان ہونے کے اللہ نے ہمارے ذمے بہت بڑا کام لگایا ہے جو ہر مسلمان کر سکتا ہے، اپنے دین کی دعوت دینا اور اپنے دین پر جتنا یہ ہمارا کام ہے، بطور مقصد کے یہ ہمیں ملنا ہے سارے فضائل اس لیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں کا سلسلہ چلایا اور اس کا عروج محمد ﷺ پر ختم فرمایا۔ آپ ﷺ پر انعام ہوا، اب تو انسانیت کو ہر وقت ضرورت ہے نبوت کی۔ اس کے بعد برائی بھی ہے اور اچھائی بھی ہے۔

لہذا یہ دونوں مادے نکراتے رہیں گے نبوت تو ختم ہو گئی حضور ﷺ پر اب کون ہے جو انسانیت کی رہبری کا کام کرے؟ اللہ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کو منتخب فرما کے اس پوری امت کو مخاطب فرمایا۔

اب میں نے تیری امت کو لے لیا ہے۔

اس کا نام بھی رکھ دیا۔

Digest.pk

سیارہ ڈائجسٹ کی ایک اور شہرہ کاوش

رسولِ اسلامی واقعات

شائع ہو گیا ہے۔

قیمت: 160 روپے

☆ رسولِ خدا، خلفاء راشدین، صحابہ کرام اور صالحین کی قابلِ تقلید زندگیوں سے لیے گئے سنہری واقعات

☆ دورِ نبوت، خلافت راشدہ اور تاریخ میں موجود عدل و انصاف کی عظیم روایات

☆ مسلم خواتین کی ذہانت، متانت اور شجاعت کے حیرت انگیز قصے

☆ دورِ جدید میں نئی نسل کے جذبہ ایمانی کو از سر نو تازہ کر دینے والے روح پرور واقعات

☆ ہر مسلم گھرانے کی لائبریری کی زینت، نوجوانوں کے لئے مشعلِ راہ۔ دعاؤں کے ساتھ

سیارہ ڈائجسٹ 240 ریواژ گارڈن لاہور۔ فون: 042-7245412

Digest.pk

حضور ﷺ نے فرمایا:

اللہ نے میری امت کا نام بھی اپنے نام پر رکھا ہے۔

اللہ کا نام سلام ہے۔

اللہ نے میری امت کا نام مسلمان رکھا ہے۔

ہم سے پہلے کسی امت کا نام مسلمان نہیں رکھا گیا، یہود، نصاریٰ، مسلم صرف اس امت کو خطاب ملا ہے،

اللہ کا نام مومن ہے میری امت کا نام اللہ نے مومنین رکھا ہے۔

سارے نبیوں پر جب تک میں نہ چلا جاؤں اور ساری امتوں پر بھی جب تک میری امت جنت میں نہ چلی جائے وہ کہیں گے کہ یا اللہ یہ کیا ہو رہا ہے یہ لوگ آئے ہمارے بعد اور جارہے ہیں ہم سے پہلے تو اللہ پاک فرمائیں گے:

یہ میرا فضل ہے جسے چاہوں دوں۔

اے بھائی بحیثیت مسلمان، اللہ اکبر، خدا کی قسم سات زمین و آسمان کی دولت اس کے سامنے بچ ہے کہ میں مسلمان ہوں میرے پاؤں میں جو تھے نہ ہوں جسم پر کپڑے نہ ہوں، کھانے کو روٹی نہ ملے درود کی ٹھوکر کھایا ہوا ہوں پھر بھی میرے پاس آسمان و زمین سے قیمتی دولت ہے۔

اللہ نے ایمان دیا اور ایمان کی محنت دی اب اللہ کا تعارف کرانا اس امت کا کام بن گیا۔ پہلے نبی کا کام ہوتا تھا کہ جاؤ لوگو کو بتاؤ کہ تمہارا رب اللہ ہے اور آگے موت ہے اور حشر ہے، آگے حساب و کتاب ہے لہذا اللہ کی مان کے چلو یہ اللہ کا فیصلی نظام ہے۔ خبردار کرنا نبی کا ذمہ تھا، جنت سے جہنم سے خبردار کرنا ہر نبی کا کام ہے۔

اللہ نے حضرت محمد ﷺ کی ختم نبوت کے طفیل یہ کام اس امت کو دیا ہے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کا تعارف کروائے یہ ہمیں ہلورا کام کے ملا ہے۔ یہ جو کہنوں کے انجٹ ہوتے ہیں یہ کہنی کی دوائیچے ہیں کہنی ان کو پیسہ بھی دیتی ہے اور لافنس بھی دیتی ہے، گھر بھی دیتی ہے اور گاڑی بھی دیتی ہے، اس طرح ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سفیر ہیں، اللہ کا تعارف کرانا ہمارا کام ہے۔

ہمارے بڑے کا بھی چھوٹے کا بھی،

لوجان کا بھی بوڑھے کا بھی،

ان پڑھ کا بھی، پڑھے لکھے کا بھی،

ڈاکٹر کا بھی، انجینئر کا بھی،

مردت کا بھی، مرد کا بھی،

غریب کا بھی، امیر کا بھی،

چاہے ہم افریقہ میں چلے جائیں یا دنیا کے کسی گوشے میں چلے جائیں تو ہمارا کام نہیں بدلے گا۔

حضور اکرم ﷺ کے اتنی ہونے کے ناطے ہمیں بڑا عزت والا کام دیا گیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ہمیں اپنا سفیر بنایا، سفیر کی طاقت اس کی حکومت کی طاقت کے برابر ہوتی ہے، ہم اللہ کے سفیر ہیں ہمارے پیچھے اللہ کی طاقت ہے، آپ جہاں کہیں بھی رہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سفارت کا کام دیا ہے۔

اے بھائی! سفیر ہونا بڑا کام سمجھنا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اللہ کا کام ہے اس وقت

Digest.pk

سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ کنائیں کے تو پیرہ آئے گا، پیرہ آئے گا تو ضرورتیں پوری ہوں گی، ضرورتیں پوری ہونے سے ہمارے حالات درست ہو جائیں گے، ہم ان کو یہ سمجھائیں کہ ساری کائنات پر بادشاہی صرف ایک اللہ کی ہے۔

یہ بات ہر انسان کو سمجھانی ہے، آسمان پر اللہ بادشاہ ہے اور زمین پر بھی اللہ بادشاہ ہے اور تختِ ثریٰ میں بھی اللہ بادشاہ ہے۔

یہ ہمارے ذمہ ہے کہ ہم ہر گھر میں جا کر ان کو بتادیں کہ اللہ کی مان کر اس کی زمین پر چلتا ہی کامیابی ہے، اللہ کا یہ نظام بھی عجیب ہے کہ اپنے دین کا کام اکثر غریبوں سے لیتا ہے اور مالداروں سے زیادہ نہیں لیتا کیونکہ ان کا گمان ہے کہ جب پیرہ آئے گا تو تبلیغ کریں گے، اللہ کہتا ہے دنیا میں تو جتنا تمہوڑا ہوگا اتنا ہی آسانی سے میرا قرب نصیب ہوگا۔

صحابہ کا مقام اللہ کے ہاں

دوسرا آئے اقرب بن حابس اور عید بن حسن غزالی حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں کہ ہم آپ کی بات سن لیتے ہیں لیکن ان غریبوں کو اٹھاؤ بلالؓ ہے، صہیبؓ ہے، عمار بن یاسرؓ ہے، عبداللہ بن مسعودؓ ہے۔ یہ غریب لوگ ہیں چھوٹے ہیں، ان کو اٹھاؤ، ان کے ساتھ بیٹھنا ہماری جنگ ہے (ہماری شان کے خلاف ہے)۔ پھر ہم آپ کی بات سنیں گے، ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم تو آپ کے غلام ہیں، ہم کو اٹھالیں یا ہم کو بٹھالیں تو بھی ہم آپ ہی کے ہیں تو ممکن ہے ہم کو اٹھانے سے وہ بیٹھ جائیں اور بات سن کر ایمان لے آئیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بات تو ٹھیک ہے تم آؤ گے تو یہ نہیں ہوں گے، انہوں نے کہا ہمیں لکھ کر دو کہ آپ نے ان سے کہا کہ لکھو، لکھنے والے کے آنے سے پہلے اللہ نے جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا۔

ان کو آپ نہیں اٹھا سکتے، وہ آئے یا نہ آئے۔

حضور اکرم ﷺ اسے بن حلف سے بات کر رہے ہیں اور عبداللہ ابن کثون آگے جوتا جتا بھی ہیں اور غریب بھی، حضور اکرم ﷺ ان کو سمجھا رہے تھے اور وہ بڑی توجہ سے آپ کی باتیں سن رہے تھے اتنے میں عبداللہ ابن کثون آگے فرمانے لگے۔

”یا رسول اللہ ﷺ طمئن ما ملک اللہ“

اتنا سا خیال آیا تو ادھر سے جبرائیل علیہ السلام آئے۔

”طمئن و تولى، ان جاء الامی۔۔۔۔“ آخر تک یہ کلام پڑھا۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ اچھا، آپ ﷺ کے ماتھے پر تیرہی چڑھ گئی، منہ پھیر لیا، کیونکہ یہ غریب آپ ﷺ کے پاس آگیا اندھا آگیا، جو کہ آپ ﷺ کی ہدایت کا طلب گار ہے، اور آپ ﷺ سے کچھ سیکنا چاہتا ہے اور یہ بد بخت اس کو نہ آپ ﷺ کی قدر نہ دین کی قدر نہ میری پہچان لو اس کی وجہ سے آپ اس غریب کو چھوڑ رہے ہیں۔ یہ مسلمان چاہے غریب ہو یا امیر ہو، اگر یہ فحاشی لیں کہ مجھے دین زندہ کرنا ہے تو اللہ اس سے کام لے گا، اس کی غریبی نہ آئے گی نہ اس کا پیرہ آئے گا۔

Digest.pk

وہ پتے بازی کا شکار ہو گیا

سید ہادی حسین کاظمی

وہ رقم لے کر فرو چکر ہو گئے۔ بیس ہزار روپے ہاتھوں سے نکل گئے۔ کاروبار ختم ہو کر رہ گیا۔ ایک خوش حال خاندان پر مطلقاً کی گناہیں چھا گئیں راتوں رات امیر بننے کا خواب جاہلی کا موجب بن گیا!

ایک شخص کا ماجرا، وہ راتوں رات امیر بننے چلا تھا

خوش پوش لوجوان آیا۔ نعیم صاحب بڑے تپاک سے طے دکان کے باہر ہی وہ کرسیاں منگوائیں اور دونوں بیٹھ گئے۔ لوگر کو جائے منگوانے بھیج دیا۔ نعیم صاحب کا لوہے کا کاروبار تھا۔ کل سرمایہ پچیس لاکھ تیس ہزار کے لگ بھگ تھا۔ وہ اپنے آٹھ بچوں، بیوی، والدہ، ایک بیوہ

صبح سات بجے کا وقت تھا۔ گرمیوں کا موسم تھا اور مٹی کا مہینہ ہوا میں کچھ خشکی تھی۔ گرمی کی حدت سے بچنے کے لیے لوگ اپنے اپنے کاروبار پر جا رہے تھے۔ نعیم صاحب بھی اپنی دکان پر پہنچے۔ لوگر نے دکان کھول کر صفائی کر رکھی تھی اور ابھی چھڑکاؤ کر رہا تھا کہ ایک



طرح اڑا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بے اندازہ دولت دے رکھی ہے مجھ پر کامل بھروسہ کرتا ہے۔ ضرورت کی ہر چیز میں ہی خریدتا ہوں۔ تنخواہ صرف دس ہزار روپے ماہوار ہے۔ بڑی مشکل سے خرچ پورا ہوتا ہے۔ آپ ایسے حالات پیدا کریں جس سے آپ بھی فائدہ اٹھائیں اور میں بھی۔ کالوں کا ان کسی کو خبر نہ ہو۔ میرے اندازے کے مطابق سات یا آٹھ لاکھ روپے کا سریا کپ سکے گا۔ اس میں سے معقول رقم مجھے ملنی چاہئے۔ کل میں اپنے مالک سے آپ کی ملاقات بھی کروا دوں گا اور کم از کم دو لاکھ روپے پیشگی بھی لے دوں گا۔ آپ کل پانچ بجے تیار رہیں۔ میں اسلم صاحب کو بھیج دوں گا۔ آپ دکان سے فارغ ہو کر ان کے ساتھ آجائیں لیکن دیکھنا بڑے محتاط رہیں۔" جی آپ بالکل ٹھیک کریں میں ہر طرح آپ کا تاہمدار ہوں۔" نعیم صاحب بڑے ممنون ہو کر کہنے لگے۔

ان کے منہ میں پانی بھرا آیا۔ دو تین لاکھ روپے نفع کی توقع تھی پھر کل دو لاکھ روپے پیشگی بھی ملنے والے تھے۔ کبھی اسلم کے ممنون ہونے سے تھے کبھی مختار صاحب کے۔

دوسرے دن ٹھیک پانچ بجے اسلم صاحب پانچ گئے۔ نعیم صاحب نے دکان کو منتقل کیا۔ لوکر کو بلا کر دو روپے انعام دیئے کہ جاؤ قلم دیکھو۔ آج دو لاکھ روپے کی رقم ملنے والی ہے۔ بڑی خوشی خوشی اسلم کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ ابھی تھوڑی دُور گئے ہوں گے کہ سامنے سے آتے ہوئے ایک صاحب مل گئے جنہوں نے ملنے ہی شکایتوں کا دفتر کھول دیا۔ کہنے لگے "اسلم صاحب آپ کے دولت خانے پر کئی بار گیا دوائے قسمت کہ ملاقات نہ ہوگا۔"

اسلم صاحب کہنے لگے "ہاں ہاں میں نے بتایا

لیکن اب اس کے مدبجوں کی پردوش اور تعلیم و تربیت بڑی خوش اسلوبی سے کر رہے تھے۔ وقت بڑا اچھا گزر رہا تھا۔ ٹھکرات کی دنیا سے بہت دُور تھی خوشی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ چائے آگئی نعیم صاحب نے پیالہ میں چائے لٹریل کر نو جوان دوست کو پیش کی اور ساتھ ہی باتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ نو جوان جس کا نام اسلم تھا، کہنے لگا "نعیم صاحب میرے ایک دوست کو سرپے اور دیگر عمارتی نوہے کی ضرورت ہے۔ وہ ایک امیر کبیر سیٹھ کا مختار عام ہے۔ سیٹھ صاحب اپنی دو کھیاں بنوا رہے ہیں۔ سارا لین دین میرے دوست کی معرفت ہوتا ہے۔ وہ ہی خرید و فروخت کرتا ہے کل اس نے مجھ سے ذکر کیا تھا۔ اسی وقت مجھے آپ کا خیال آگیا۔ آپ اس سے مل کر معاملہ طے کر لیں۔"

چونکہ نعیم صاحب کے مطلب کی بات تھی کہنے لگے "اسلم صاحب میں آپ کا نہایت مشکور ہوں جو آپ نے میرے مفاد کو مد نظر رکھا۔ آپ کل دو بجے ان کو لے کر میری دکان پر آجائیں۔"

دو بجے اسلم صاحب ایک آدمی کو لیے وارد ہوئے اچھا خوش پوش معزز آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اسلم صاحب نے تعارف کراتے ہوئے کہا "یہ ہیں میرے دوست مختار صاحب جن کا ذکر میں نے کل صبح آپ سے کیا تھا۔"

نعیم صاحب نے بڑے احترام سے ان کو بٹھایا چائے منگوائی اور سلسلہ کلام شروع کیا۔ مختار صاحب کہنے لگے "نعیم صاحب سرسری ذکر تو اسلم صاحب نے کر دیا ہوگا دراصل بات یہ ہے کہ مال تو اور بھی بہت سی دکانوں سے مل سکتا ہے، اسلم صاحب کی معرفت آپ سے ملنے کا مطلب یہ ہے آپ میرے ہمرائز بن جائیں اور ان سکر فائدہ اٹھائیں۔ میرا مالک نہایت عیاش، مخمور اور بے فکر ہے۔ دولت کا بھائی

تھارہ آپ ہی تھے اچھا اچھا فرمائیے۔
 وہ صاحب کہنے لگے "کوئی جیسے یا مرے آپ
 کو کیا بس آپ تو اپنے حال میں مست ہیں۔"
 اسلم صاحب کہنے لگے "میں نہیں ایسی کوئی بات
 نہیں آپ حکم کریں۔" "تمی چھوڑے حکم کیا میں عرض
 کرتا ہوں اور وہ بھی دست بردست میرے بچوں پر دم
 کھائیے۔ زندگی بھر آپ کا احسان مند رہوں گا۔"
 ایسے میں اسلم صاحب ایک دکان سے سگریٹ
 لینے چلے گئے اور وہ صاحب جن کا نام مسٹر اشفاق تھا
 اور جن کے چہرے بھرے سے پریشانی لہا یاں تھی۔
 نعیم صاحب سے گویا ہوئے۔ اسلم صاحب آپ کے
 دوست ہیں نا۔ برائے مہربانی ان کو کیسے کہ میرا کام
 کرا دیں ان کی تھوڑی سی کوشش میری زندگی سنوار
 دے گی۔ میں اس کے لیے پانچ ہزار روپیہ خرچ
 کرنے کے لیے تیار ہوں۔ خواہ یہ رشوت نہیں بلکہ
 ایک ٹی پارٹی دینے کے لیے تیار ہوں لیکن میرا کام
 ضرور ہونا چاہئے۔
 نعیم صاحب کہنے لگے "بھائی یہ تو بڑا کام کیا
 ہے اور کس سے متعلق ہے؟" اسلم صاحب کے ایک
 دوست تھار صاحب ہیں میرا اور ان کا ایک کاروباری
 جھگڑا ہو گیا ہے۔ بس میری ان سے صلح کرا دیں تاکہ
 میرا کاروبار بحال ہو سکے میں زندگی بھر آپ کا بھی
 اور ان کا بھی احسان مند رہوں گا۔" اسلم صاحب
 بھی سگریٹ لے کر آگئے۔ نعیم صاحب اسلم کو لے کر
 ذرا پرے چلے گئے کہنے لگے "دوست پانچ ہزار
 روپے بھی دیتا ہے اور بے چارہ نہیں بھی کر رہا ہے
 اس کا کام ضرور کرو۔" اسلم کہنے لگا "کام تو اس کا
 تھار کرے گا۔ اسے جو کچھ کہہ دوں کرے گا۔ آپ
 نے میرے اور اس کے تعلقات بھی دیکھ لیے ہیں
 میں کام کرا دوں گا لیکن آپ اس سے پانچ ہزار

روپے کا وعدہ لے لیں۔ کام ہونے پر ہمیں دے
 دے۔ میں خود اس سے روپے کی بات چیت نہیں
 کر سکتا۔ یہ کام آپ سرانجام دیں۔ نعیم صاحب نے
 اشفاق سے بات چلی کر لی اور اس کو بھی ساتھ لے
 لیا۔ تینوں ایک ہوٹل میں پہنچ گئے۔ تھار صاحب
 انتظار کر رہے تھے۔ اسلم اور نعیم کہنے لگے "تھار
 صاحب ایک آدمی راستے میں مل گیا تھا جس کی وجہ
 سے دیر ہو گئی۔ اس کے لیے ہم معذرت خواہ ہیں۔
 اس آدمی کو آپ سے کچھ کام ہے۔ پہلے وہ کریں اور
 ہمارا بعد میں۔ بہت ہی مجبور انسان ہے یہ بھی نیکی کا
 کام ہے۔ وہ باہر کھڑا ہے حکم ہو تو بلوا لیجئے۔" نعیم
 صاحب اشفاق کو لے کر اندر آگئے۔ اشفاق نے
 آتے ہی بڑے دم طلب اعزاز سے تھار کو سلام کیا
 اور اس اعزاز سے بیٹھا جیسے نہات شرمندہ ہو۔ نعیم
 اور اسلم نے پرزور سفارش کی کہ اس کا کام کر دیں
 لیکن تھار کہنے لگا "اب اس کا کام نہیں ہو سکتا کیونکہ
 اس نے خود ہی کام ہکاڑ دیا ہے۔" اسلم کہنے لگا
 "آخر کام کیا ہے جو نہیں ہو سکتا ہمیں بھی تو پتہ چلے"
 تھار کہنے لگا کہ "اچھا سنو یہ آدمی ایک دن مجھے ریس
 کورس میں ملا تھا۔ میں اپنے مالک خاں امتیاز کے
 ساتھ گیا تھا۔ ریس کے بعد جب ہم لوٹے گئے تو یہ
 صاحب میرے پاس آئے۔ کہنے لگے مجھے آپ سے
 کچھ کہنا ہے۔ میں نے کہا اس وقت خان صاحب
 ساتھ ہیں لہذا کل بارہ بجے آپ کو ہنگام میں بلوں گا۔
 میں مقررہ وقت پر پہنچ گیا۔ یہ صاحب میرا انتظار
 کر رہے تھے مجھے بڑے تھاک سے ملے خوب دل
 کھول کر تواضع کی۔ میں حیران تھا کہ آخر ایک انجینی
 آدمی میری اس قدر خاطر کیوں کر رہا ہے ابھی اسی
 شش و پنج میں تھا کہ کہنے لگے "میں صاحب آپ
 میری تولد کا ہی ہوں۔ میں نے آپ کے آس پاس گھومتے سے

ان سے حافی بھری پھر انہوں نے مجھے کہا کہ روپیہ پیچھے چھوڑیں پیسے آپ کو بھی ملیں گے۔ میں دوسرے دن ان کو لے کر خان صاحب کی کوٹھی چلا گیا اور بڑے موزوں لشکروں میں تعارف کرایا۔ خان صاحب کو جب پتہ چلا کہ میری تلاش کے ہیں تو بہت خوش ہوئے۔ شراب کے دور چلنے لگے اور اسی دوران میں انہوں نے ناش ٹکال لی اور خان صاحب کو تلاش کیلئے پر آمادہ کر لیا۔ بس یہ کیلئے گئے اور میں کسی کام سے دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ جب واپس آیا تو ان کے سامنے ڈھیر سارے نوٹ پڑے تھے اور تلاش جاری تھی۔ نشے میں دھت شرطیں بندھ رہی تھیں۔ تھوڑی ہی دیر میں انہوں نے خان صاحب سے دو لاکھ روپے جیت لیے اور کھیل ختم کر دیا۔ خان صاحب سے اجازت لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اب میں اپنی جگہ بڑا خوش تھا کہ اچھی خاصی رقم ہاتھ لگی۔ کہاں تھوڑی تھوڑی کیلین لینے والا آدمی اور کہاں اتنی بڑی رقم۔ میں جلدی جلدی ان کو رخصت کرنے کے لیے باہر آیا اور انہوں نے مجھے نوٹوں کا بندوق کھول کر کچھ نوٹ اندازے سے دے دیئے۔ جب میں نے آکر گئے تو چالیس ہزار روپے تھے حالانکہ معاہدے کی رو سے مجھے پچاس ہزار ملنے تھے۔ خیر میں نے کہا کل دے جائے گا۔ اس کا انتظار چار دن تک کرتا رہا لیکن یہ نہ آیا۔ مجھے تو یہ چتا تھی کہ آکے دوبارہ کھیلے لیکن یہ تو عیاشی میں لگا ہوا تھا۔ ایک دن مجھے اچانک مل گیا۔ میں نے سلام کیا تو اس نے مجھے بجائے روپے دینے کے بہت بے عزت کیا۔ میں نے واپس آکر خان صاحب سے کہہ دیا کہ اب اس آدمی کے ساتھ نہ کھیلا کریں چنانچہ یہ ایک دن خود ان کے پاس جا گیا۔ انہوں نے کہا کہ آج اس کو دیا تو پھر اس کی

کافی روپیہ کمایا جاسکتا ہے۔ زعمی سدھر جائے گی۔ بس آپ تھوڑا سا تعاون کریں۔ میں نے کہا بتائیے۔ کہنے لگے پہلے وعدہ کریں۔ میں نے کہا اتنا وعدہ کرتا ہوں کہ میرے بس کا روگ ہوا تو پورا پورا تعاون کروں گا۔ یہ بڑی لمبی تمہید کے بعد کہنے لگے۔ آپ کے خان صاحب کلب میں جا کر جو تلاش کیلئے ہیں۔ میں اس کا ماہر ہوں۔ آپ مجھے ان سے ملا دیں کیونکہ وہ آپ کے بغیر مجھ سے میرے ساتھ نہیں کھیلیں گے۔ آپ کا کیا جائے گا۔ وہ کیسے بھی اس قدر دولت ضائع کر رہے ہیں اگر میرے پیسے آدمی کے کچھ روپیہ ہاتھ لگ جائے تو اس مال کا صحیح مصرف کروں گا اور ابھی جگہ پر لگاؤں گا۔ میں آپ کا نہایت ممنون ہوں گا۔ میں نے کہا کہ اپنی مرضی سے جتنی دولت چاہیں ضائع کریں میں ایسا کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گا جس کی وجہ سے کل کوٹکی ہو۔ ملازمت بھی جاتی رہے۔ اس وقت انہوں نے بڑا فصیح و بلیغ لیکچر دیا جس کا لب لباب یہ تھا کہ اس قسم کے عیاش آدمی جس کی دولت کا زیادہ حصہ نمہے کاموں پر صرف ہوتا ہو اگر جائز طریقے سے لے کر کسی اچھے طریق پر صرف کی جائے تو کوئی گناہ نہیں۔ جب یہ بات کر رہے تھے تو میرے اور خان صاحب کے درمیان گزرے ہوئے لحات میری آنکھوں کے سامنے بالکل ظلم کی طرح گزر رہے تھے۔ خان صاحب کی ذہنیت خالص سرمایہ دارانہ ہے۔ اپنی ذات پر ایک رات میں خولہ لاکھوں روپے خرچ کر دیں مگر دوسرے کی ذات پر دس روپے بھی خرچ کرتے ہوئے گھبراتے ہیں۔ نمہے کاموں میں دولت روٹی کے گالوں کی طرح اڑا رہے ہیں کسی نیک کام میں ایک روپیہ بھی خرچ کرنا ان کے لیے بڑا مشکل ہے۔ انہوں نے پیش نظر میں

اب تو پانچوں کئی میں ہوں گی۔"

فیص صاحب بڑے خوش ہوئے اور خود کو خوش نصیب سمجھنے لگے۔ طرح طرح کے خیالی پلاؤ پکانے لگے۔ ایک ہوٹل میں جا کر کمرہ فیص صاحب کے نام رک کر لیا۔ پتہ ہوٹل میں کسی دوسرے شہر کا کھوا دیا۔ کمرے میں پہنچ کر پہلے تو چاروں نے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کلمہ شریف پڑھا اور معاہدہ کیا کہ داڑ صرف ہم چاروں تک رہے گا۔ اس کے بعد اشفاق نے جو کہ اب اس کا استاد تھا۔ فیص صاحب سے ملکہ و حلف لیا کہ میرا آرٹ کسی اور کو یا ان کو بالکل نہیں بتایا جائے گا۔ اب استاد نے فیص صاحب کو سکھانا شروع کیا۔ فیص صاحب تقریباً بیس منٹ میں ماہر ہو گئے۔ بڑے خوش ہوئے، کہنے لگے اب تو میں خان صاحب کی ساری جائیداد جیت لوں گا۔ چند ہی دنوں میں لکھ جی بن جائیں گے۔

اس وقت کمرے میں صرف دونوں استاد اور شاگرد تھے۔ اب شاگرد اور اسلم بھی آگئے۔ شاگرد صاحب نے انٹرویو لیا تو فیص صاحب کو تیار پایا۔ کہنے لگا "دوست مبارک ہو اب سمجھ لو کہ دولت ہمارے قدم چومے گی۔ اب تم اور مشق کرو اور میں خان کو لے آؤں۔ میں ان سے آپ کا تعارف غائبانہ کرلوں گا اور آپ کو بھی بہت بڑا زمیندار اور کاروباری ظاہر کروں گا۔ ساتھ ہی ان سے کہہ دوں گا کہ ان کا لوہے کا کارخانہ ہے اور بیس ہزار منٹگی بھی دلوادوں گا۔ اب میں جاتا ہوں خان صاحب کے آنے پر استاد کو باہر نکال دیتا۔ یہ تو ان کے سامنے نہیں آسکتا۔"

بچپن منٹ بعد خان کو لیے شاگرد بھی آگیا۔ آتے ہی بڑے اچھے طریقے سے فیص صاحب کا تعارف کرایا اور کہنے لگے "خان صاحب فیص صاحب کی آپ کی طرف تلاش۔ بڑے رسیا

آنکھیں کھلیں۔ اب آیا یہ اپنی اصلیت پر لیکن میں تو خان صاحب کو بتا چکا تھا کہ یہ شار پر ہے۔ اب آپ بتائیں کہ میں کیا کروں۔ اشفاق کہنے لگا "اچھا پھر ایسا کرو کہ میرا ایک بھائی ہے اس کو بتا دیجئے ہیں۔" شاگرد کہنے لگا "میں نے بھی ایسا کیا اور اگر تیرا بھائی سارے روپے لے کر چلا ہے تو کون ذمہ دار ہے مجھے تم پر بھروسہ نہیں۔ ہاں..... اگر فائدہ حاصل کرنا ہے تو میرے آدمی کو لے کر بتاؤ۔ اسے بتا دیں گے۔"

اشفاق کہنے لگا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ خربوزہ آپ کے پاس رہے اور چھری میرے پاس۔ اگر میں چھری بھی آپ کو دے دوں تو میرے پاس کیا رہ جائے گا، آدمی میرا ہی بٹھائیے۔"

اب فیص اور اسلم بھی خاصی دلچسپی لے رہے تھے۔ قصہ مختصر کافی رد و کد کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ کسی غیر جانبدار آدمی کو لے لیں۔ فیص اور اسلم اسے ساتھ لے کر آئے ہیں ان کے اوپر بھروسہ کر سکتا ہے۔ کہنے لگا "ہاں کر سکتا ہوں۔"

اسلم کو تو خان صاحب جانتے ہیں فیص صاحب کو نہیں جانتے یہ ان کے لیے انجی ہیں۔ تو اپنا آرٹ ان کو بتا دے۔ پہلے تو "مکھر پیسے" لے گیا تھا اور میں نے بچپن لیے تھے۔ ہم دو آدمی تھے۔ اب ہم چار آدمی ہیں چار حصے برابر کے کریں گے۔ بچپن بچپن پیسے سب لیں گے۔"

تھوڑی سی بحث کے بعد اشفاق راضی ہو گیا۔ اب شاگرد صاحب کہنے لگے، فیص صاحب، خان صاحب سے ویسے بھی آپ کو ملنا ہے ماشاء اللہ آپ کی شخصیت بھی اچھی ہے آپ ان سے آرٹ سیکھ لیں اگر آپ ماہر ہو جائیں تو میں گیم کراؤں گا اور ساتھ ہی کاروباری پارٹ بھی ہو جائے گی۔ وہ منٹگی بھی لے لیں گے لوہے کی لوہا ادھر سے لیں۔

خان صاحب رخصت ہو کر چلے گئے اب پھر نعیم صاحب، مختار، اسلم اور استاد رہ گئے۔ اب سوال یہ تھا کہ اتنا ہی کیش کل دکھائیں اور لے لیں۔ اب پھر چاروں نے ایک دوسرے کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھا کر حلف اٹھایا اور کل پڑھ کر وعدہ کیا کہ راز ہم میں ہی رہے گا۔ اب سب کل اتنا روپیہ اکٹھا کریں۔ نعیم صاحب کہنے لگے کہ میرے پاس تو صرف دو لاکھ ہے باقی آپ کر لیں۔

دوسرے دن نعیم صاحب ادھر ادھر سے روپیہ اکٹھا کر کے لے آئے اور خان صاحب بھی آگئے۔ اب روپیہ صرف تین لاکھ اسی ہزار جمع ہوا۔ اس لیے معاہدے کی رو سے نعیم صاحب لینے کے حقدار نہ تھے۔ لہذا طے ہوا کہ دوبارہ کھیلا جائے چونکہ نعیم صاحب سمجھتے تھے کہ میں ہار سکتا ہی نہیں لہذا وہ دوبارہ پیشہ گئے۔ اب کے کھیلتے کھیلتے ایک پندرہ تاش سے کم ہو گیا۔

پندرہ چال بازی سے کم کیا گیا اس لیے تمام گیم چھوٹ ہو کر لاکھوں روپے نعیم کے سر چڑھ گئے۔ ان کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ استاد کی خدمات حاصل کی گئیں۔ اس نے غلطی نکالی۔ غلطی بھی نعیم صاحب کی سمجھی گئی۔ اب کل کا چار لاکھ اس رقم میں نکالا گیا۔ تین لاکھ اسی ہزار نقد ادا ہوئی کی گئی۔ خان صاحب نے کھیلتا بند کر دیا۔ کہنے لگے کیش لے آؤ کھیل لو۔

وہ تو رقم لے کر دفن چکر ہو گئے اور نعیم صاحب سر پیٹ کر رہ گئے۔ دو لاکھ روپے ہاتھوں سے نکل گئے۔ کاروبار ختم ہو کر رہ گیا۔ اس طرح ایک خوش حال خاندان پر غلطی کی گنتائیں جھاٹکیں۔ راتوں رات ایسے بخت کا خواب ہاتھوں کا سوچا بن گیا۔

ہیں۔ اگر دو ہاتھ ہو جائیں تو بڑا لطف آئے گا۔

خان صاحب کہنے لگے ”خوب بہت خوب، چلیے شروع کیجئے“ جب نعیم صاحب نے شرط قبول کی تو خان صاحب کہنے لگے ”نہمہ پئے یہ دیکھیں اور ساتھ ہی اپنے بیک سے نوٹوں کے ہزار ہزار روپے کے دو بٹل نکال کر دکھاتے ہوئے کہا، ”میرے پاس تو کیش ہے کیا آپ کے پاس بھی ہے۔ گیم کا مزہ اب ہی آتا ہے کہ لین دین برابر ہوتا ہے۔“

کل اس کے نعیم صاحب کچھ بولیں، مختار صاحب کہنے لگے خان صاحب اس وقت ان کا خزانچی نہیں باہر گیا ہوا ہے۔ ان کی طرف سے ہر طرح کا ذمہ دار میں ہوں۔ آپ میری ذمہ داری پر کھیلیں اگر یہ ہار گئے تو میں آپ کو ادا کروں گا مگر نہ کریں۔“

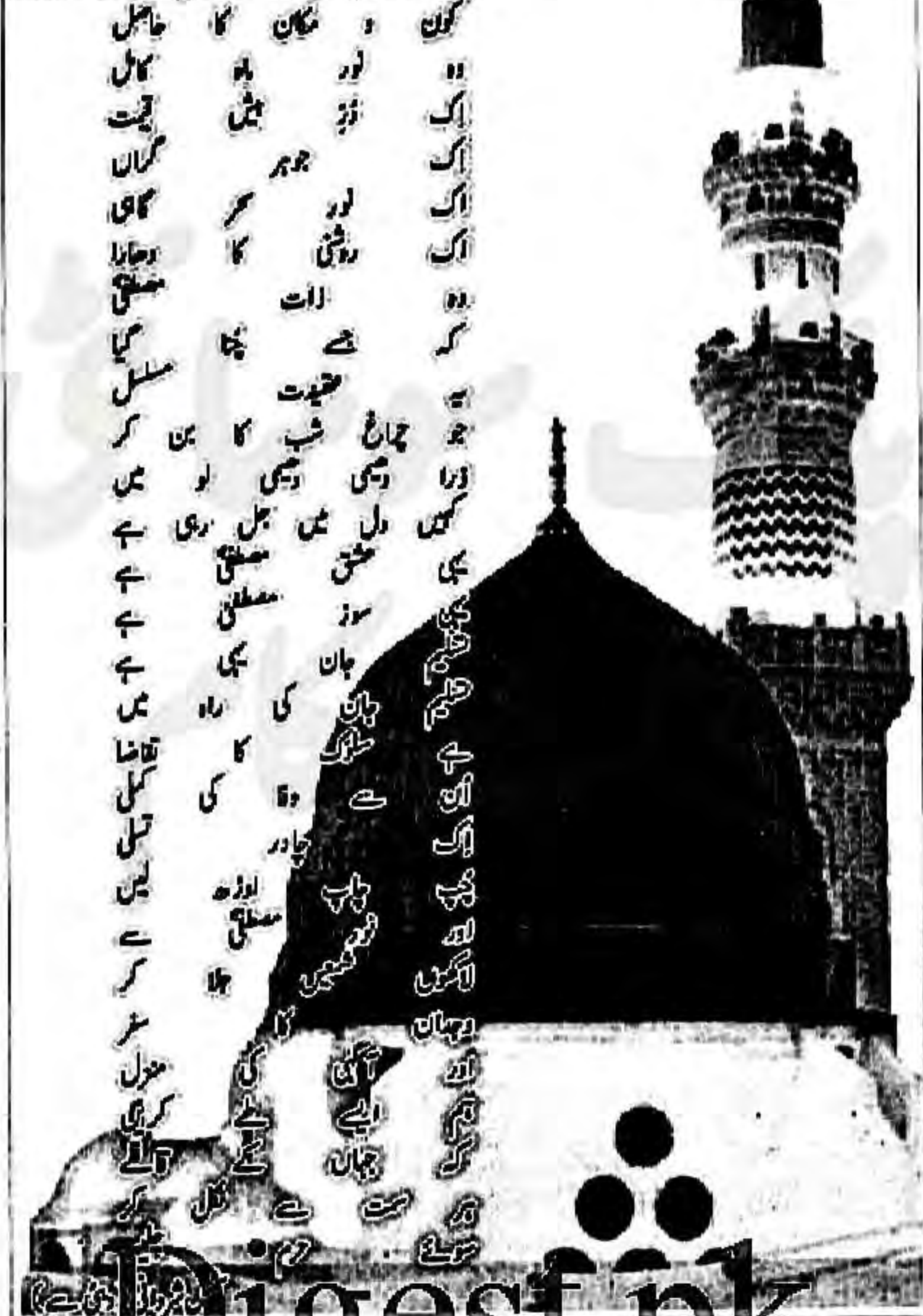
خان صاحب کہنے لگے ”اچھا میں گیم شروع کرتا ہوں لیکن لین دین کیش دیکھ کر ہوگا۔ بتنا یہ جیت لیں مجھ کو اسی قدر دکھا کر لے سکیں گے۔“

یہ شرط طے ہونے کے بعد نعیم صاحب نے چار لاکھ روپے جیت لیے۔ اب سوال تھا اتنا ہی روپیہ دکھاؤ اور لے لو۔ مختار صاحب کہنے لگے آپ کل صبح نعیم صاحب کا کیش دیکھ لیں اور ادا ہو چکی کر دیں۔“

خان صاحب کہنے لگے ”اچھا نعیم صاحب کل مجھے چار لاکھ دکھا کر لے لیں۔ یہ کل شام تک میرے لیے حرام اور آپ کے لیے حلال۔ اس کے بعد میرا اور آپ کا معاہدہ ختم ہاں مجھے بلانے کے لیے ایک رات مختار صاحب اپنی طرف سے کچھ دیں میں حاضر ہو جاؤں گا اور کیش دیکھ کر ادا ہو چکی کر دوں گا اور صرف آپ ہی ادا کر سکیں گے۔ آپ کی طرف سے آئے ہوئے کا ادا کر دیں گے۔“

سفرِ آگہی

(رسالت مابین اللہ کی خدمت اقدس میں)



Digest.pk

ڈاکٹر سید نعیم احمد ادیب جعفری

رحمتوں کا خزانہ

رمضان المبارک

مومنین کیلئے روزہ خداوند عالم کی بارگاہ سے عطا
کردہ ایسا تحفہ ہے کہ جس کی نظیر ممکن نہیں۔

کے گئے جس طرح سے پہلی (امتوں) پر فرض تھے
تاکہ تم پر ہیزار گار (مقتی) بن جاؤ۔
روزے کا مقصد اولین یہ ہے کہ انسانی سیرت
میں تقویٰ کا جوہر پیدا اور نمایاں ہو جائے اور مومن

قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:-
”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَكُمْ لِبَاسٌ
كَمَا كُنْتُمْ عَلَى الدِّينِ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ“
ترجمہ: اے ایمان والوں! تم پر وہی فرض

اے اللہ! مجھے رمضان المبارک کے لیے سلامت رکھ
اور رمضان المبارک کو میرے لیے رحمت بنا۔ آمین



Digest.pk

کوئل کی ڈو ڈو

یہ تھا سا خانہ بدوش پرندہ ہر برس، وہی ہزار میل
پہاڑ کرتا ہے۔ اگر آپ صبح سویرے سیر پر جاتے
ہیں تو آپ نے درختوں کے قریب سے گزرتے
ہوئے ایک پرندے کی خوبصورت اور سریلی آواز
ضرور سنی ہوگی۔ دل کو چھو لینے والی یہ آواز ایک
لمحے کے لیے ڈک پلٹ کر دیکھنے پر مجبور کر دیتی
ہے۔ یہ خوبصورت آواز ایک چھوٹے سے
پرندے کوئل کی ہے۔ کوئل اور ہر گھٹے کے بعد کوئل
نہیں آواز نکالنے والے کلاک اب ماضی کا حصہ
بننے جا رہے ہیں۔ زیادہ ڈور پرے کی بات نہیں
کہ ہانوں اور پارکوں میں کوئل کی سریلی اور
خوبصورت آواز اکثر سنائی دیتی تھی اور بہت سے
گھروں کی دیواروں پر ایسے کلاک نظر آتے تھے،
جن میں ہر گھٹے کے بعد ایک چھوٹی سی گھڑی کھلتی
تھی اور ایک منٹ سی کوئل اپنی چونچ باہر نکال کر
وقت کا اعلان کرتی تھی۔ کوکو کلاک، موہاں فونز
اور ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کے دیگر گھریلو آلات کی
بجائے چڑھ چکا ہے، جبکہ آب و ہوا کی تبدیلیاں
ہمارے ہانوں اور پارکوں کو کوئل کے سریلے نقوش
سے محروم کر رہی ہیں۔ سائنس دانوں کا کہنا ہے
کہ نہ اور مادہ کوئل کی عادات کافی مختلف ہیں۔
برطانیہ میں نہ پرندوں کی آمد پہلے شروع ہوئی ہے
اور وہ گرمیاں گزارنے کے لیے ایسی جگہوں کا
انتخاب کرتے ہیں جہاں انہیں اپنے لیے اچھے
جیون ساتھی ملنے کی توقع ہوتی ہے۔ جبکہ مادہ
پرندے کی ہمتوں کے بعد وہاں چلتے ہیں اور ان کی
پہاڑ کے ماسے بھی مختلف ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر آکسن
سن کی ٹیم مادہ کوئل کی پہاڑ کے راستوں کا نقشہ
بنانے کے لیے اس سال اپنی تحقیق کر رہی ہے۔

(مترجم: سید احمد قصور)

کے قلب و باطن کو روحانی اور ایمیت سے جلا حاصل
ہو جائے۔ صبر اور پھر شکر کرنا یہ بھی تقویٰ ہی کا نکتہ
ونجہ ہوتا ہے۔۔۔ مومنین کیلئے روزہ خداوند عالم کی
بارگاہ سے عطا کردہ ایسا تحفہ ہے کہ جس کی نظیر ممکن
نہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی
اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، بے شک تمہارا رب فرماتا
ہے کہ ہر نیکی کا اجر دس گنا سے سات سو گنا تک ہے
لیکن روزہ صرف میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا
اجر ڈونگا۔ روزہ آتش (جہنم) کے مقابلے میں
ذوالحال ہے۔ روزہ دہر کے منہ کی نو اللہ تعالیٰ کے ہاں
منگ (کستوری) کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے۔
حدیث مبارک سے یہ تو ثابت اور واضح ہو گیا کہ ہر
نیکی کا اجر دس سے سات سو گنا ہے مگر روزے کے
اجر کی کوئی تصریح و وضاحت نہیں کی گئی کیونکہ روزہ وہ
منفرد عمل ہے جو بندے اور خدا کے مابین ایک حقیقی
حقیقت ہے اور اس کا اجر بھی خدا نے خود دینے کا
وعدہ فرمایا ہے۔ وہ نیکی ہے جو چاہے عطا فرمادے۔
بندہ روزہ کے اجر کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔ گویا روزہ خدا
کو راضی کرنے کا ذریعہ ہے اور رضائے الہی کی
پہچان خدا نے خود بخلا دی۔

”اذا وجدت لللیک راضی عنی فاعلم

ان الله راضی عنک“

ترجمہ: ”جب تو اپنے دل کو اپنے رب کے ساتھ
راضی پائے تو سمجھ جا کہ اللہ تجھ سے راضی ہے۔“

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ جب رمضان کی
پہلی رات ہوئی تو خاتم الانبیاء ﷺ کھڑے ہوئے
اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کر کے ارشاد فرمایا کہ
”اے لوگو! تمہاری طرف سے تمہارے دشمن بھات
کے لیے اللہ تعالیٰ کافی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے تم سے
وعا قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔“ ارشاد ہے

”ادعونی یردکم“

Digest.pk

پر قضا لازم جبکہ مرد پر قضا کفارہ دونوں لازم ہیں۔
یہ تمام حذکرہ بالا امور مفسدات روزہ ہیں جن میں
سے کچھ کا کفارہ اور کچھ کی قضا مقرر ہے۔

رمضان المبارک آخرت کی کمالی کا بہترین
ذریعہ اور نیکیوں رحمتوں مقصودوں بخششوں کے
حصول کا موسم بہار ہے۔ دنیاوی کاروباری اور
مادنی مصروفیات کم سے کم کر کے اور غیر ضروری
تعلیمات ختم کر کے زیادہ سے زیادہ ماہ مبارک میں
اسلامی زندگی اختیار کی جائے۔

☆ صدق دل سے تمام گناہوں سے توبہ کریں
اور کثرت سے توبہ و استغفار کا اہتمام کریں۔
☆ روزہ رکھنے اور تراویح پڑھنے کا پورا اہتمام
کریں۔ بلا طرد شری ترک نہ کریں۔

☆ روزے میں آنکھ کان ناک زبان دل دماغ
اور تمام اعضاء کو ہر ہر گناہ سے کھل طہ پر بچائیں۔
☆ نماز باجماعت کا مکمل اہتمام کریں۔
اشتراک چاشت اور اہلین صلوٰۃ ایچ تحسین المسجد
تحسینہ الوضو اور قہر کے لواقل معمول بنائیں۔

☆ رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات کا مطالعہ کریں۔
☆ تلاوت قرآن مجید کو جس قدر زیادہ ہو سکے
معمول بنائیں۔ صدقہ و خیرات ڈھکی انسانیت کی
خدمت حسن اخلاق بہترین طرز معاشرت اعتدال
کے ساتھ نیز دعاؤں میں جنت الفردوس کی آرزو
کیجئے اور عذاب و دوزخ سے بچاؤ مانگیں۔

یہ ایک سچے مومن مسلمان کی روحانی و جسمانی
تربیت کا مہینہ ہے۔ سو تربیت جتنی اچھی ہوگی عملی
میدان میں اتنی ہی کامیابی ملے گی۔ اللہ تعالیٰ ہم سبھی
کو اس ماہ مبارک کی سعادتوں سے سرفراز فرماتے
ہوئے ہم پر اپنی رحمتوں اور برکتوں کے دروازے
کھول دے۔ (آمین)

ترجمہ: مجھ سے مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔
خوب سن لو! اللہ تعالیٰ نے ہر سرکش شیطان پر
سات فرشتے (نگرانی کے لیے) مقرر فرما دیئے
ہیں۔ لہذا اب وہ ماہ رمضان گزرنے تک چھوٹنے
والے نہیں اور یہ بھی سن لو رمضان شریف کی پہلی
رات سے آخر رات تک آسمان کے دروازے کھلے
ہوئے ہیں اور اس مہینہ میں دعا قبول ہوتی ہے۔
چنانچہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "جو شخص روزہ رکھ
کر بھی جھوٹے کردار و گفتار سے باز نہ آیا تو اللہ
تعالیٰ کو اس کے بھوکا پیاسا رہنے سے کوئی غرض
نہیں" (بخاری)۔ "بہت سے روزہ دار ایسے ہیں
جن کا روزہ صرف بھوکا رہنے کے سوا اور کچھ نہیں
اور بہت سے شب بیدار ایسے ہیں جن کے لیے
شب بیداری کا بدلہ سوائے چاہنے کے اور کچھ
نہیں"۔ (ابن ماجہ)۔ ملائے کرام اور مشائخ عظام
کے نزدیک روزے کے چھ آداب یعنی لہو کی
حفاظت، زبان کی حفاظت، کان کی حفاظت، جسم
کے تمام اعضاء کی حفاظت، زیادہ ظلم میری سے
حفاظت اور مکمل روزے کی حفاظت کا ہر وقت
خیال رکھنا ہیں۔ صبح صادق سے غروب آفتاب
تک عبادت کی نیت سے کھانے پینے اور جماع
سے بچ کر رہنا روزہ کہلاتا ہے۔ اس ماہ کے
روزے رکھنا ہر عاقل و بالغ مسلمان مرد و
عورت، غیر معذور شخص پر فرض ہے۔

روزہ میں درود کی دعا مثلاً کہ رسول وغیرہ خلق میں
ڈالنا جان بوجھ کرتے کرنا نکسیر کا خون خلق میں
چلا جانا منہ میں پانی دبا کر سو جانا کھلی کرتے وقت
خلق میں پانی جانا بھول کر یاد محکم کی وجہ سے روزہ
نوٹ جانا، پتھر کی ٹنگری یا مٹی کھانا کان یا ناک
میں دوا ڈالنا رمضان کے مہینہ کے روزہ میں اگر
بیوی کے ساتھ شریعتی محاکمات کرے۔

Digest.pk

”خود جلیں دیدہ اغیار کو پینا کر دیں“



husain_syed2001@yahoo.com

قاسم حسین سید سیارہ ڈائجسٹ کے دیرینہ قاری اور مستقل قلمکار ہیں۔ گزشتہ کئی ماہ سے وہ ایسی بہترین تحریروں کا مجموعہ قارئین کی نذر کر رہے ہیں جو قارئین میں بے حد پسند کی جا رہی ہیں اور جن کے حصول کے لیے بے شمار کتب، جرائد اور انٹرنیٹ سے استفادہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جناب سید نے قارئین سیارہ ڈائجسٹ کیلئے اپنے گہرے مطالعہ اور تحقیق کے نچوڑ کیساتھ ساتھ دنیائے ادب کی چنیدہ کتب و جرائد سے اخذ اقتباسات پر مشتمل انتخاب کو زیر نظر سلسلے میں یکجا کر دیا ہے۔ ان تحریروں میں شہد جیسی مشاس، لیہوں کی کھاس، کوڑتھا کی کڑواہٹ اور زہر ہلاہل کی آمیزش ہے۔ ۱۱

حاصل مطالعہ

☆ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
تم میری تعریف میں تہاؤ نہ کرو۔ جیسے نصاریٰ نے ابن مریم علیہ السلام کے سلسلہ میں مبالغہ سے کام لیا۔ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس لیے مجھے اللہ کا بندہ اور رسول کہو (صحیح بخاری)۔
☆ ایک فلسفی کی نشاندہی
اس خیال میں ہمیشہ گن رہنا کہ جوانی اور محنت ہی ہمیشہ رہے گی۔
☆ امریکہ کی موجودہ حکمران پارٹی کانٹن گدھا ہے۔ اس لحاظ سے اب سے بڑا گدھا دیا جاتا ہے۔
اب صورت حال یہ ہے کہ کانٹن گدھا کی

حکمران پارٹی کانٹن ”شیر“ ہے مگر یہ ایک ایسا عجیب شیر ہے جو گدھے کی مرضی کے بغیر ایک قدم بھی نہیں چل سکتا (مستنصر حسین تارڑ) فین بک ڈاٹ کام۔
☆ لوگ مسجد کو ذلہن بناتے رہے اور مغلس کی بیٹی کنواری رہی۔
☆ الیکشن سے پہلے صدور زرداری کو سڑکوں پر گھسیٹنے کی باتیں کی جا رہی تھیں اور الیکشن کے بعد اب عوام کو سڑکوں پر گھسیٹنا جا رہا ہے۔
☆ دنیا ستاروں پر چلی چکی ہے اور ہم اللہ کی کائنات میں غوطہ زن ہونے کی بجائے ایک دوسرے کے خون میں غوطہ زن ہو رہے ہیں۔
☆ میرے خیال میں لڑکے کی باقاعدگی سے

Digest.pk

ہوتی ہے۔ اب یہ عمارت کسی کی ملکیت نہیں ہے، تاہم عین کا چرچ اس کے انتظام و انصرام کا ذمہ دار ہے اور ملک کے قانون کے تحت یہ تاریخی عمارت آئندہ دو برسوں میں چرچ کی ملکیت بن جائے گی۔ تقریباً سوا تین لاکھ افراد نے آن لائن عرضی میں درخواست کی ہے کہ اس فیصلے کو روک دیا جائے۔ عین کے ایک شہری مارٹن نے کہا کہ "اس کے بعد یہ عمارت صرف کیتھڈرل رہ جائے گی اور اس کے ساتھ منسلک مسجد کا نام ہٹا دیا جائے گا۔ ہمارے خیال میں یہ تاریخ اور نہرت کی یادگار کے ساتھ زیادتی ہوگی۔" عین کا کیتھولک چرچ اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ یہاں مسجد ہوا کرتی تھی، لیکن یہ عمارت اب صدیوں سے کیتھڈرل ہے۔ چرچ کا کہنا ہے کہ اس عمارت کے اس کی ملکیت بننے پر جو تنقید ہو رہی ہے، وہ انصاف پر مبنی نہیں ہے۔ ایک پادری نے کہا کہ "اس عمارت کی اسلامی تاریخ کو مٹانا ناممکن ہے، یہ قریبہ اور عین کی تاریخ کی علامت ہے۔"

دنیا بھر سے اس میں لاکھوں کی تعداد میں سیاح آتے ہیں اور بی بی سی کے نام بریج کا کہنا ہے کہ سیاحوں کے لیے اس عمارت میں دلچسپی اس بات میں پنہاں ہے کہ یہ مسجد اور گرجا گھر دونوں ہیں۔

یہاں ہر سال 14 لاکھ سیاح آتے ہیں۔ عین: "مسجد قریبہ کو چرچ کے حوالے نہ کیا جائے۔" (بی بی سی ڈاٹ کام سے)

"داد دسی اور انصاف"

جس معاشرے میں داد دسی اور انصاف کی فراہمی کی رفتار اتنی سست ہو۔ اس میں جرائم کی شرح کا بڑھنا ایک فطری عمل ہے۔ ہماری معزز عدالتوں کے محترم جج صاحبان کے لیے یہ ایک لمحہ فکریہ ہے۔ اس معاملے میں ہونے والی تاخیر

کالج نہیں جاتے جتنی ہاتھ دگی سے وہ لڑکیوں کے پیچھے جاتے ہیں۔

ہم تقدیر ایک تاریخی مسئلہ ہے ہم اس پر نہ چلو یہ ایک گہرا دریا ہے اس میں نہ گھسو اور یہ اللہ کا بھیج ہے ہم اس کے کھنسنے کے پیچھے نہ پڑو۔

ہم نجات جب تک انسان کے اندر غلی ہے یعنی پیٹ میں ہے۔ نجات کے باوجود نجات نہیں ہے۔ یعنی جب تک پیشاپ مٹانے کے اندر ہے انسان کے نماز پڑھنے میں رکاوٹ نہیں ہے۔ اس کا اخراج طہارت کی ضرورت پیدا کرتا ہے یعنی جب تک بات غلی رکھو کوئی مسئلہ نہیں۔

ہم موت نہ ہو تو شاید زندگی ایک طویل الیہ بن جائے۔

"مسجد قریبہ کو چرچ کے حوالے نہ کیا جائے"

عین کی معروف عمارت مسجد قریبہ جسے مشترکہ طور پر مسجد اور گرجا گھر کہا جاتا ہے، ان دونوں تازے کا باعث بنی ہوئی ہے۔ اس کے متعلق لاکھوں افراد نے آن لائن پٹیشن داخل کی ہے کہ قریبہ کا یہ گرجا گھر کیتھولک چرچ کی ملکیت نہ بنایا جائے۔ عین کے شہر قریبہ میں واقع مسجد قریبہ کو اسلامی فن تعمیر کا شاہکار تسلیم کیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ یہ عمارت پندرہویں صدی عیسوی سے قبل دراصل مسجد ہوا کرتی تھی۔ اس کی تعمیر آٹھویں صدی میں مسلم سلاطین نے کی تھی جو اس زمانے میں عین کے اس حصے میں حکمران تھے جسے آج آئلس کہا جاتا ہے۔

اس عمارت کی خاص بات یہ ہے کہ اس کے مرکز میں ایک گرجا گھر واقع ہے جس کی تعمیر پندرہویں اور سولہویں صدی میں کیتھولک کتھی برادری نے کی تھی۔ اگرچہ اس میں دو مسجدیں بھی عبادت

ہے۔ وہ آسائشیں جس کا انسان کبھی محض تصور ہی کر سکتا تھا آج اس کی محض انگلیوں کے اشارے کے تابع ہیں۔ ٹیٹن دہایا اور سہولت حاضر۔ بلکہ اب تو انسان اس سے ایک اور قدم آگے بڑھ گیا ہے۔ اب اسے اٹھ کر جانے اور ٹیٹن دہانے کی بھی ضرورت نہیں رہ گئی ہے۔ وہیں بستر پر لیٹے لیٹے پا کر ہی پریشانییں اٹھایا کر سکتا ہے اور کمرائشیں ظاہر ہونا شروع ہو گئیں۔ یہ ریموٹ (Remote) کنٹرول کا دور ہے۔ انگلیوں کے ہلکے سے اشارے سے چمکے چل پڑے۔ ٹیلی ویژن آن ہو گیا۔ چینلوں (Channels) تبدیل ہو گئے اور دروازے کا تالا کھل گیا۔ یہ انسانی زندگی کا پُر آسائش دور ہے۔ اس کی کرشماتی سہولتوں کی معراج کا دور ہے۔

ہاں اس سے عملی محنت کی عادت خواتین میں کم ہوتی جا رہی ہے۔ آنا گوندھنے، مسالہ پیسنے، جھاڑو لگانے، کپڑے دھونے اور برتن ماہیچنے کی جو مشقت کبھی خواتین کا طرہ امتیاز ہوتی تھی اب وہ غائب ہوتی جا رہی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ خواتین میں بیماریاں کثرت سے پیدا ہو رہی ہیں۔ ان کا وزن بڑھ رہا ہے۔ شوگر کی شکایتیں جنم لے رہی ہیں۔ دل کے امراض حملہ آور ہو رہے ہیں اور صحت کم ہونے کی وجہ سے ان کی راتوں کی نیندیں غائب ہو رہی ہیں۔ جدید خوش نما زندگی کا یہ دوسرا تار یک روپ ہے۔

بڑے گھرانے کی خواتین میں کام نہ کرنے اور انہیں خادماؤں کے سپرد کرنے کی ایک وجہ اور بھی ہے۔ یہ خواتین ان گھریلو کاموں کو اپنے لیے کسرشان سمجھتی ہیں۔ یہ کام تو لو کرانیوں اور ماسیوں کی ذمہ داریاں ہیں۔ ان کا کام تو شاید مسمریوں (چلتیوں) پر لیٹے رہنا اور ٹی وی دیکھتے رہنا ہے۔ چنانچہ وہ یہ تمام کام جن کا ذکر آچکا ہے اپنی ملازمتوں کے ذریعے لے کر لے کر لاتی ہیں اور حاصل شدہ

معاشرے کو گھن کی طرح چاٹ رہی ہے اور اس کی بنیادوں کو کھوکھلا کر رہی ہے۔ جیلوں میں ایسے ایسے افراد بھی ملتے ہیں، جو دس دس برس سے سلاخوں کے پیچھے ہیں اور عدالتوں میں ان کے مقدموں کا آغاز بھی نہیں ہوا۔ لیکن اسبلی کو فرست ہوا نہیں اس معاملے میں قانون سازی کی طرف توجہ دینی چاہئے۔ بلکہ سماجی جماعتوں کو اسے اپنے مشورہ میں شامل کرنا چاہئے۔ کم از کم یہ تو ہو کہ سزا ہونے پر مدت مجرم کی سزائے قید سے منہا کر دی جائے جو اس نے بطور حوالاتی جیل میں گزاری ہو اور جو برسوں جیل میں رہنے کے بعد ”ہاعزت“ بری ہو۔ اسے حکومت کی طرف سے عطا کی گئی قید پر ایک معقول رقم لدا کی جائے کہ وہ ہاعزت طور پر دوبارہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکے۔

”کلام پروین شاکر“

دینے والے کی مشیت پہ ہے سب کچھ موقوف
مانگنے والے کی حاجت نہیں دیکھی جاتی
خدا کرے کہ ہوا کو ابھی پتہ نہ چلے
کہ چراغ مرے ہام و در پہ زندہ ہیں

”کلام میر تقی میر“

دیکھ تو دل جان سے اُلٹا ہے
یہ دھواں سا کہاں سے اُلٹا ہے
گور کس دل چلے گی ہے یہ لٹک
شعلہ اک صبا یاں سے اُلٹا ہے
(میں بک ڈاٹ کام)

”ریموٹ کنٹرول“

زمانے کی گردش نے انسان کے لیے ان گنت
سہولتیں اس کے قدموں میں ڈھیر کر دی ہیں۔ نت
نئی ایجادات سہولتوں کی دھوکا بخواب تاک کہ وہ

Digest.pk

جائیداد کی فراہمی اور پر فریب معاشرتی نظام اور نونے ٹھکرتے خاندانی نظام میں زندگی کی اعلیٰ قدروں اور اخلاقی حدود و قیود کو فراموش کر چکے ہیں۔ جن کے نزدیک مادیت ہی سب کچھ ہے، جو اپنے ایشیٹس ذاتی مفادات اور پر فریب دنیوی مال و متاع کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں۔ وہ اخلاقی اور تہذیبی قدروں سے اس قدر دور ہو چکے ہیں کہ انہیں مقدس رشتوں کا بھی پاس نہیں۔ وہ ماں کی عظمت، اس کے تقدس اور حرمت کو فراموش کر چکے ہیں، وہاں تڑپتے سسکتے بیڑھے والدین کے زندگی کے ایام پورے کرنے کے لیے آخری ٹھکانہ اولڈ ہاؤسز ہیں، جہاں سال میں، جی ہاں صرف سال میں ہی ایک دن وہ بھی رکی طور پر دور سے ہی یا صرف ہاتھ کے اشاروں سے ویڈیو ہائے کہنے پر ہی اکٹھا کیا جاتا ہے۔ وہ صرف اس رکی رشتے پر قائم نظر آتے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک "ماں" کے تقدس، اس کی عظمت اور مقام و مرتبے کا کوئی تصور نہیں، وہ آج دنیا کو بھی اس رنگ میں رنگتے اور اسی روایت کو بردان چڑھانے کے خواہش مند ہیں، وہ اپنے مخصوص ٹھکرتی تصورات اور اپنی ٹوٹی ٹھکرتی تہذیبی روایات کو مسلط کر دینا چاہتے ہیں لیکن ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہم ایک عظیم مثالی مذہب اور قابل فخر تہذیبی اور اخلاقی قدروں کے علمبردار ہیں۔ ہم اس خاندانی نظام کے دشمن ہیں۔ جس میں یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ "ماں" ٹھکر ہے لازوال محبت کا۔ مجسمہ ہے، رحم و کرم کا۔ سرچشمہ ہے عنایت و شفقت اور محبت و مروت کا، حقیقت یہ ہے کہ "ماں" بے مثال ہے، اس کا خلوص بے مثال ہے، اس کی محبت بے مثال ہے۔

انسانی رشتوں کی کہکشاں میں سب سے روشن ستارہ ماں ہے۔ اس دنیا میں آتے ہی بچہ جو لفظ بولتا ہے وہ ماں ہے۔ ایک عورت کی کہیں ہو اسی دراصل اس کا ماں کی محبت کا تقاضا ہوتا ہے۔ ماں کی گود

فرصت کو وہ شاپنگ کرنے اور موبائل پر اپنی سسلیوں سے چیٹنگ کرنے میں صرف کرتی ہیں۔ دوسری طرف انہیں اپنی صحت کی بھی فکر دامن گیر رہتی ہے۔ اس لیے شام کے اوقات میں وہ جاگنگ کرتی ہیں۔ جاگنگ کرتا ہی زمانہ ایشیٹس سبیل بن گیا ہے جبکہ گھریلو کام کرنا پس ماندگی کی نشانی قرار پایا ہے۔

کرکٹ کے کھلاڑی بیٹسمین (Batsman) اگر یہ سوچ کر لیلڈنگ اور پیٹنگ کرنے سے انکار کر دیں کہ یہ کام ان کی حیثیت کے منافی ہیں تو یہ احساس محض ان کی حماقت قرار پائے گا۔ لیلڈر اور بیٹسمین کہلائے ہی اس لیے جاتے ہیں کہ وہ عملی طور پر میدان میں گیندوں کے پیچھے بھاگ رہے ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس مثال پر قیاس کر کے خواتین کو بھی اپنے امور خانہ داری سے اجتناب نہیں بردتا چاہئے۔ اس ضمن میں ایک اور سادہ سی مشق ان کے لیے یہ بھی ہے کہ وہ دن بھر میں کم از کم دو تین دلچسپ ریسیاں لازماً اتر اچھا کریں۔ اس پابندی سے انہیں اچھے نتائج دیکھنے کو ملیں گے۔

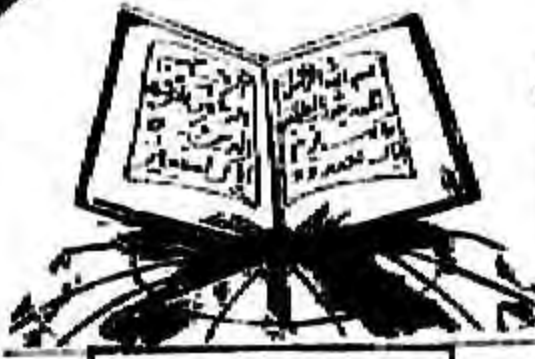
گھریلو کام کاج کی عادت کم ہوتے رہنے کی وجہ سے بیماریاں ہمارے گھروں میں داخل ہو گئی ہیں۔ محالوں نے ہمارے گھر دیکھ لیے ہیں۔ یاد رکھئے ازائد چربی اور شکر ہماری صحت کے بڑے دشمن ہیں۔ ان کی تحلیل کا بہترین حل روزہ مرہ کی فحی معصوفیات ہیں۔ ہم فطرت سے جتنا دور ہوں گے اتنی ہی پریشانیاں اپنے دامن میں بکھیں گے۔

(ماخوذ)

"مدرز ڈیے"

مٹی کے مینے میں دنیا بھر میں "مدرز ڈیے" ماں کا عالمی دن منایا جاتا ہے۔ اس دن کے منانے کا بیغام مغربی دنیا کے اس معاشرے سے ملا ہے، جو گھریلو آسائشوں اور دنیوی مصلحتوں پر زندگی گزارتا ہے۔

Digest.pk



”دُعائے قیامِ یلدی دیتی ہے“ حدیثِ رسولؐ

سیارہ ڈائجسٹ کی ایک نیاں اور دلچسپ



دُعائے

شائع ہو گیا ہے

- مستہ آئی دعائیں۔
- عظیم پیغمبر ان خدا کی وہ دعائیں جو نسلِ انسانی کے لیے نجات اور
- ہدایت کا باعث بنیں۔
- خالق کائنات کے آخری نبی محمد رسول اللہ کی تمام مسنونہ دعائیں جو
- رحمت اللعالمین کی ذاتِ برکات کا مقدس پرتو ہیں۔
- صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کی دعائیں۔
- ائمہ اکرام اور اسلام کے عظیم اور باکمال صوفیائے عظیم کی بابرکات دعائیں۔

جدید دنیا کے گھمبیر اور اعصاب شکن مسائل میں گھرے
پریشان حال انسان کے تمام مسائل کا تشفی آمیز
روحانی اور ایسانی علاج

قیمت: 160 روپے

سیارہ ڈائجسٹ: 240 مین مارکیٹ دیوا گارڈن لاہور فون: 37245412

Digest.pk

نہیں پوری زندگی ہونی چاہئے۔ اسی لیے ماں کے قدموں تلے جنت کو قرار دیا گیا ہے۔
(جنگ ڈاٹ کام سے اقتباس)

”تحقیق کیا ہے؟“

تحقیق سے مراد کسی شے کی حقیقت کے ثبات، حقائق کی بازیافت، حقائق کا تعین اور ان سے نتائج کا استخراج، حق کی تلاش، حق کی جستجو، تجزیہ و تفسیر کرنا، دُور کرنا، یقین کو حاصل کرنا، بار بار تلاش و جستجو کرنا تاکہ حقیقت یا حق واضح ہو جائے۔ موجودہ دور کی سائنسی ایجادات تحقیق ہی کی مرہون منت ہیں لیکن مواد جمع کرنا ہی تحقیق نہیں بلکہ متعلقہ جمع شدہ مواد سے کوئی نتیجہ اخذ کرنا تحقیق کہلاتا ہے۔

ادبی حوالے سے تحقیق (Research) کو ہمیشہ ایک فن (ART) تسلیم کیا گیا ہے اور تحقیق کار (Researcher) کے لیے فنّی اصطلاح، ”تحقیق“ دلوں سے رائج ہے۔ تحقیق عربی زبان کا لفظ ہے اس لفظ کا اصل ”حق“ ہے جس کے حروف ح ق ق ہیں۔ حق سے تحقیق بنا ہے۔ جس کا مطلب ہے حق کو تلاش کرنا یا حق کی طرف پھیرنا۔ حق کے معنی سچ ہیں۔ بارہ حق سے دوسرا لفظ حقیقت بنا ہے۔ اس کے معنی ہیں کہ تحقیق سچ یا حقیقت کی دریافت کا عمل ہے۔ تحقیق کے لیے انگریزی زبان میں جو لفظ مستعمل ہے وہ (Research) ہے۔ جس کے معنی ہیں تحقیق، حقائق یا اصول کی تلاش میں رہنمائی، کھوج، ایک تجرباتی تحقیق، چھان بین، تحقیقی عمل۔ جبکہ تحقیق کرنے والا (Researcher) کہلاتا ہے۔ اُردو میں محقق کے لیے کھوجی یا تحقیق کنندہ بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

رہے جو دو الفاظ (Re) اور (Search) کا
مجموعہ ہے۔ (Re) کا مطلب ہے دوبارہ اور

بچے کی پہلی تربیت گاہ ہے یا اسے سکول کہہ لیجئے۔ بچے کے لیے باپ کی درگھکی کو ماں اپنی شفقت اور شفقت سے قسم کرتی ہے۔ جب قدرت باپ کا سایہ چھین لیتی ہے تو میری ماں کی طرح سب ماںیں باپ کا کردار بھی ادا کرتی ہیں۔ زندگی میں قدم قدم پر وہ ماں ہی نہیں ایک مہربان دوست کی مانند زندگی کے ہر موڑ پر اپنے بچوں کے ساتھ ہوتی ہیں۔ وہ اپنی کسی تکلیف یا دکھ کا تذکرہ زبان تک نہیں لاتی کہ اس کے بچے کہیں آرزو خاطر نہ ہوں اس لیے وہ گھر میں بچوں کی آسائش کے لیے مشقت کو اپنا وظیفہ بناتی ہے۔ اس ماں کا قرض وہ اولاد کیسے اُتار سکتی ہے جس نے زندگی کی تہی ہوئی دھوپ میں ایک سائبان کی طرح ان کی حفاظت کی ہے۔

ماں نے جیسے اپنے بچوں کے ناز اٹھائے ان کی ضرورتیں پوری کیں۔ اسی طرح بچے بھی اپنی ماں کے لیے اسی جیسے کردار کو اختیار کریں اور اپنی ماں سے قربت ہی نہ رکھیں بلکہ اس کے دل کو بھیس بھی نہ پہنچائیں اور اس کے آرام کا خاص خیال رکھیں۔ ماں کا اولاد کے ساتھ ہونا خدا کا خاص انعام ہے۔ کوئی اس کی قدر کرتا ہے اکثر خود کفیل ہوتے ہی ماں کے ایثار و وفا کو بھول جاتے ہیں۔ لفظ ماں کو عربی میں ام کہتے ہیں لفظ ”ام“ قرآن مجید میں 84 بار جبکہ اس کی جمع ”امہات“ گیارہ مرتبہ آئی ہے۔ ویسے ام کے معنی ہوتے ہیں کسی چیز کی اصل، ہر وہ چیز جس کے اندر اس کے جملہ تعلقات سما جائیں وہ ان کی ام کہلاتی ہے۔ جیسے لوح محفوظ کو ام الکتاب کہا گیا کیونکہ وہ تمام علوم کا منبع ہے۔ مکہ مکرمہ کو ام القریٰ کہتے ہیں کیونکہ وہ خطہ عرب کا مرکز ہے۔ کہکشاں کو ام الجہم کہتے ہیں کیونکہ اس میں بہت سے ستارے سمائے ہوئے ہیں۔ ناہم ماں کے تعلقہ متا کی وضاحت نہ کی گئی۔ دیکھیں کہ لفظ ”ام“ کے لیے جس ایک ماں

”ناقص طبی نسخے

موت کے پروانے

انسانی صحت کے حوالے سے طب، ایک اہم اور حساس شعبہ ہے، دیگر شعبوں کی بہ نسبت، اس سے وابستہ افراد سے خواہ ڈاکٹر ہوں یا فارماسٹ، نرسنگ اسٹاف ہو یا لیبارٹری ٹیکنیشنز، زیادہ ذمہ داری اور فرض شناسی کی توقع رکھی جاتی ہے۔ خصوصاً ڈاکٹرز کے بارے میں غیر ذمہ داری یا لاپرواہی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ خدا کے بعد مریض کا سب سے بڑا آسرا اس کا معالج ہوتا ہے۔ جتنی اُمیدیں اور توقعات مریض کی اپنے معالج کی ذات اور کارکردگی سے وابستہ ہوتی ہیں دنیا میں کسی اور فرد سے نہیں ہوتیں لیکن بد قسمتی سے پاکستان میں صحت عامہ کا شعبہ دیگر شعبوں کی مانند بہتری، تیزی اور ہوا، ہر سے دوچار ہے۔ ایک طرف عوام کو مناسب طبی سہولتیں میسر نہیں تو دوسری طرف سرکاری اور نجی ہسپتالوں میں لاپرواہی، غفلت اور بد انتظامی عروج پر ہے۔ اخبارات میں آئے دن یہ خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں کہ لٹل انجکشن لگنے سے مریض دم توڑ گیا۔ ڈاکٹر یا نیم طبی عملے کی غفلت سے مریض ہلاک ہو گیا یا لفظ دوا کے ری ایکشن سے مریض کی حالت بگڑ گئی اور وہ چل بسا۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپریشن کے دوران کوئی لوزر یا تولیے کا کتڑ مریض کے جسم کے اندر دھکا جاتا ہے۔ تو اتر کے ساتھ پیش آنے والے لن واقعات کے اصل حقائق بالعموم کبھی سامنے نہیں آتے۔ اکثر دیکھتا نہیں دہائی دیا جاتا ہے۔ یہ پتہ بھی نہیں چلتا کہ لٹل انجکشن یا دوا دینے کا ذمہ دار کون تھا؟ ڈاکٹر نے لٹل دوا تجویز کی یا اس سے تشخص میں غلطی ہوئی تھی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ڈاکٹر نے نسخہ صحیح لکھا تھا مگر فارمیسی سے نام کی مماثلت کے باعث کوئی دوسری دوا یا انجکشن لگا دیا۔ نرسنگ غفلت کا بے انتہا عمل اور غیر ذمہ

(Search) کا مطلب ہے تلاش، جستجو، کھوج، لفظی معنی پر غور کریں تو ریسرچ کا مطلب ہے ”دہارہ تلاش“ کرنا لیکن اصطلاح میں (Research) انجمنی سچائی اور حقائق کی تلاش کا نام ہے۔ انسان چونکہ فطرتاً اور طبعاً حقیقت کی جستجو میں سرگرم عمل رہتا ہے۔ وہ ہمیشہ حاصل شدہ علم اور معلومات کی تصدیق کا خواہش مند رہتا ہے لہذا اس فطری کوشش کو دور کرنے کے لیے (Research) کی جاتی ہے۔

آکسفورڈ ڈکشنری نے تحقیق کے یہ معنی بتائے ہیں۔
1۔ کسی مخصوص چیز یا شخص سے متعلق گہری یا عمیق تلاش کا عمل۔

2۔ کسی حقیقت کے انکشاف کی غرض سے عمیق غور و فکر یا کسی مضمون کے مطالعہ کے ذریعے تلاش یا چھان بین، ناقدانہ یا سائنسی سلسلہ تلاش 3۔ کسی مضمون کی چھان بین یا مسلسل مطالعہ۔

4۔ دوسری بار یا بار بار کی تلاش (تجزیہ) بالکل دام تحقیق کے حوالے سے لکھتے ہیں:-

تحقیق عربی زبان کا لفظ ہے اس کا مادہ ح ق ہے۔ جس کے معنی ہیں کھرے کھولنے کی چھان بین یا کسی بات کی تصدیق کرنا۔ دوسرے لفظوں میں تحقیق کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ ہم اپنے علم و ادب میں کھرے کو کھولنے سے، مفلز کو چھلکے سے، حق کو باطل سے الگ کریں۔ انگریزی لفظ ریسرچ کے بھی یہی معنی اور مقاصد ہیں۔

مقصود الیس۔ اے جیسی لکھتے ہیں:-

تحقیق کا مادہ حق ہے انگریزی میں اس کا متبادل (Right) ہے ایسا فعل، چیز یا نظریہ جو حق (Right) پر مبنی ہو پیش کرنا تحقیق کہلائے گا۔
(”ابجد تحقیق“ ڈاکٹر محمد ہارون قادری کی کتاب سے اقتباس)

Digest.pk

بھورین سوات اور مری میں دھوئیں ہونے لگیں۔ اب یہ دھوئیں استنبول، بنگاک اور دہلی وغیرہ میں ہوتی ہیں۔
(طاہر حبیب کا کالم جنگ میگزین 04/5/14 سے اقتباس)

”صاحب ایمان“ صاحب بصیرت قیادت کی ضرورت

یہ ایک تاریخی سانحہ ہے کہ مملکت خداداد جس کا وجود میں آنا ایک مصلحت خداوندی تھی، اپنے وجود میں آنے کے بعد اس کو قائم رکھنے اور مضبوط و مستحکم کرنے کے اسباب و ذرائع سے بہت محروم ہے۔ اس میں سرفہرست یہ کہ اس مملکت کو اس کی اصل حیثیت کے مطابق یعنی اس کی نظریاتی اساس، خصوصی جغرافیائی محل وقوع اس کی سر زمین مع اپنے ذرائع و وسائل کے اس کے عوام کی وافر صلاحیتیں اور اس کے حقوق بین الاقوامی کردار کی مناسبت سے جس قسم کی صاحب ایمان و صاحب بصیرت قیادت کی ضرورت تھی، ابھی تک تو اس کے کوئی خدو خال دکھائی نہیں دیتے۔ میں نے بھٹو صاحب کے ساتھ پہلی ملاقات میں ان سے کہا تھا اگرچہ ایک اچھی حکومت بھی کسی ملک کی بڑی اہم اور بنیادی ضرورت ہے مگر اس ملک میں ابھی حکومت سے زیادہ اچھی قیادت کی ضرورت ہے۔

جب ہم اپنے عوام، ملک اور نظریے وغیرہ کی نسبت سے حکمرانوں کے طرز عمل کا جائزہ لیتے ہیں تو سابق غیر ملکی حکمرانوں سے کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ البتہ تالیف ”بے یقینی، بد وقتی، عدم استحکام اور کم کوشی کی مثالیں اس پر مستزاد ہیں۔ چالیس سال ہونے کو ہیں (یہ کتاب جنگ پبلشر نے 1987ء میں شائع کی تھی) مگر ابھی تک ہمارا کوئی دستور عملاً موجود نہیں ہے۔ قوانین کا احترام سرے سے نہیں کیا جاتا ہے۔ ہو بھی سکتا ہے کہ اس ملک کا قانون ابھی نہیں ہے۔ اور قانون

داری کی وجہ سے چپک نہیں کیا جاسکا پھر ایک مسئلہ ذائد البصیاد کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ جملی اور غیر معیاری ادویہ کی بات بھی نکلتی ہے۔ وجہ خلوہ کچھ ری ہوں لول تو اس قسم کے واقعات کی چھان بین کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی جاتی اور اگر کسی کے دباؤ کے زیر اثر تحقیقات کی نوبت آجائے تو حقیقت کی تہ تک پہنچنا اور اصل ذمہ دار کا تعین ناممکن ہی نہیں ناممکن ہوتا ہے۔ ایسے واقعات رکی خانہ پری کے مرحلے سے گزرتے ہیں اور بھلا دیئے جاتے ہیں۔ ذمہ داروں کو تو کوئی سزا ملتی ہے اور نہ ہی اس جان لیوا غلطی کی نشاندہی ہوتی ہے۔ جو ایک انسان کا ایک قیمتی جان کی ہلاکت کا سبب بن گئی۔

لندن سکول آف ہائی جین اینڈ ٹرائیکل میڈیسن کے ہیلتھ پالیسی ڈیپارٹمنٹ کی پروفیسر این ملز نے ایک عشرہ قبل عالمی ادارہ صحت کے لیے ایک رپورٹ مرتب کی تھی۔ جو کئی ہسپتالوں کی کارکردگی اور طریقہ کار سے متعلق تھی۔ اس رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ کئی طبی ادارے بہت بڑی تباہی کھینے کے انداز میں کام کرتے ہیں جب کہ کچھ کاسٹائل وکان وادوں اور سڑکوں پر سامان بیچنے والوں جیسا ہے۔ تاہم ان سب میں ایک قدر مشترک ہے کہ یہ سب تباہی انداز میں کم وقت میں زیادہ سے زیادہ منافع کمانا چاہتے ہیں۔ جس میں درست ادویہ کی سطح مقدار اور مریض کی قوت خرچ کے مطابق درست علاج شامل ہے۔

ڈاکٹروں کو خراب کرنے میں ایک بڑا کردار فارما میڈیکل انڈسٹری کا ہے۔ وہی ڈاکٹروں کو زیادہ سے زیادہ ادویہ لکھنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ خواہ ضرورت ہو یا نہ ہو یہ کمپنیاں ڈاکٹرز کو ان کی خدمات کے عوض نئے ماڈل کی گاڑیوں کی چابیاں تک پیش کرتے ہیں۔ موبائل فون ہڈیوں کے ٹکڑے اور تو معمولی باتیں ہیں۔ پہلے ڈاکٹر کو فانیہ سٹائپلنڈ (پتھر) دیا جاتا تھا۔ پھر

کبھی جانتی ہے مگر ادارہ ہستی ہو تو زندگی کی اُمید ہستی رہتی ہے۔ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک پر ایک ادارہ موجود تھا جس نے بلا تاخیر حکومت کے خلاء کو پُر کر دیا۔ اس لیے کسی قوم یا ملک کی اصل موت قیادت کے ادارے کا نکل ہے۔ چنانچہ میں نے ضیاء الحق سے بھی کہا تھا کہ غلطی کسی مگر فوج کو ہی قیادت کا ادارہ مقرر کر دیں تاکہ یہ خلاء پورا ہو جائے۔ اس کے لیے لیڈروں کو بھی آزمیری جرنیل بنادیں۔

جو دوسرے ادارے ہیں ان کا بھی کوئی تقدس نہیں رہنے دیا گیا۔ اپنے ماضی کی تاریخ، تہذیب و ثقافت غرضیکہ ہر شے کے ساتھ رشتے اگر لوٹ نہ رہے ہوں تو ڈھیلے ضرور ہو رہے ہیں اور وہی گہری وابستگی ہے جو کسی بھی قوم کو ایک امتیاز اور تشخص عطا کرتی ہے۔ غرضیکہ ادارے اس خدا داد ملک کا ڈھانچہ صرف اس لیے کھڑا ہے کہ دست قدرت کسی کو گرانے کی اجازت نہیں دے رہا۔ معلوم نہیں علامہ مرحوم کی اس زر خیز مٹی میں غم کب پڑے گی۔

اس وقت تو حالت کچھ ایسی ہے کہ کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا کہ کون کیا ہے؟ مرد ہے یا عورت؟ ملازم ہے یا بدمعاش، تاجر ہے یا چور؟ سیاست دان ہے یا چور؟ مسلمان ہے یا منافق، وقادار ہے یا غدار، عجیب حالت ہے۔ اس کو کوئی لادیب اور شاعر ہی سمجھ بیان کرے تو کرے قلندر صاحب کے اس مجذوب کی بات یاد آ رہی ہے کہ جس نے خود فراموشی کی وجہ سے اپنی پہچان کے لیے اپنے گلے میں سرخ رومال باندھا ہوا تھا۔ اس کو سویا ہوا دیکھ کر کسی نے لڑکھا شہادت وہ رومال کھولا اور اپنے گلے میں ڈال لیا۔ جب وہ بے وار ہوا تو اس کو دیکھ کر پوچھتا ہے ”تو میں ہے یا میں تو ہوں؟“ اگر ہمارے حالات کا شب و روز بھی رہا تو ہماری حالت بھی اس سے مختلف نہیں ہوگی۔

(۱۲) اس کے مارشل لا تک "مراد

سازی کا مقصد بھی ذاتی مفادات رہ گیا ہے۔

قانون ساز خود کسی قانون کے پابند نہیں ہیں۔ اس وقت تو بیک وقت چند مختلف اور باہم متضاد تناقض قوانین نافذ ہیں۔ مارشل لا، سول لا، شریعت اور ڈیٹا بد اخلاقی اور بے راہ روی کی رفتار تو جیٹ طیارے سے بھی تیز ہے۔ قومی یکجہتی اور ہم آہنگی تو محض کتابی محاورے رہ گئے ہیں۔ انتظامی صلاحیتوں میں ترقی کی بجائے انحطاط ہو رہا ہے۔ میں نے جرنل رحیم خان کو لکھا تھا "اگر آپ پی آئی اے کو ترقی دینے کی بجائے اس کو بیس سال پیچھے لے جائیں تو یہ بڑی قومی خدمت ہوگی"۔ باہمی تعاون کی نفاذ سے مفقود ہے۔ کوئی دوسرے کو برداشت کرنے کو تیار نہیں ہے۔ لوٹی سے اختلافات بھی دشمنی سمجھے جاتے ہیں۔ اصولی اختلاف ملے ہو کہ غیر اصولی، صحت مند ہو کہ غیر صحت مند سب ایک ہی کھاتے میں ہیں۔ حکومت اتحاد یکجہتی کے نام سے ڈرتی ہے حکومت یہ ہو یا کوئی اور عوام اسی طرح محکوم ہیں۔ مظلوم مظلوم تر ہے۔ غریب غریب تر۔ حکمران خود کو ہی عقل کل سمجھتے ہیں اور اپنی یہ حیثیت دوسروں سے بھی منوانا چاہتے ہیں۔ جس میں لوٹی کی بھی صلاحیت ہے اور اپنی پارٹی علیحدہ بنائے بیٹھا ہے۔ ملک پر قرضوں اور لٹاؤں کا بوجھ روز بروز بڑھ رہا ہے اور ترقیاتی منصوبہ بندی ایسی ہے جو خود ہی اپنے آپ کو کھا جاتی ہے۔ جس کو انگریزی میں (Counter Productive) کہتے ہیں۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ قیادت کا کوئی ادارہ موجود نہیں ہے۔ یہ ادارہ خولہ کیسا بھی ہو جبکہ اس کے بغیر کسی ملک کا قائم رہنا یا مستحکم ہونا ناممکن ہے۔ اورنگ زیب عالمگیر نے اپنے تمام خاندان کو قتل کرنے کا جو جرم کیا، وہ اپنی جگہ مگر تاریخی جرم یہ تھا کہ اس نے قیادت کا ادارہ ہی ختم کر دیا اور اس سے حکومت بھی ختم ہو کر رہ گئی۔

کسی لیڈر کی موت کسی اکثر اوقات پہری قوم کی موت

عبدالقیوم خاں کی کتاب سے اقتباس

"میں کبھی لا جواب نہیں ہوا"

پہلے کہتے تھے بھاگ چوہے ملی آئی۔ اب کہتے ہیں ملی تیری شامت آئی کہ شیر آیا۔ غلیل جبران نے کہا تھا کہ میں کبھی لا جواب نہیں ہوا لیکن اب مجھ سے پوچھا گیا کہ تم کون ہو؟ لی پالی کا دور حکومت اب قصہ پارینہ بن چکا ہے۔ نئی حکومت مسلم لیگ (ن) اپنے بھاری میجنیٹ کے ساتھ تشکیل پا چکی ہے۔ الیکشن کے بعد عالمی میڈیا پر ان خبروں کی ہازگشت بھی سنی کہ بعض حلقوں میں دونوں کی تعداد وہاں درج و دروہ سے بھی زیادہ تھی۔ اسے کہتے ہیں فیما لداد، نئی حکومت ساہجہ، تنوٹ کے Statuesquo کو قائم رکھنے کا عزم کیے ہوئے ہے۔

گزشتہ دنوں بلوچستان میں کیا کچھ نہ ہوا۔ کون سا ڈکے بڑا ہے۔ ایک سو گیارہ برس پرانی زیارت ربذیلیسی کا جسے شدت پسندوں نے مسمار کر دیا جہاں بانی پاکستان نے اپنا آخری ماہ گزارا یا ان بچیوں مورتوں مردوں اور بچیوں کا ڈکے جو اس زمین پر چند برس گزار گئے پھر یہ سوچتا ہوں کہ مجھے اور تمہیں کیا حق ہے کسی ایسی عمارت یا انسانوں کی موت کا سوگ منانے کا جن سے ہمارا تعلق سوائے لٹاٹی کے کچھ بھی نہیں۔ وہی بابائے قوم تھے۔ جن کے تصور ریاست و حکومت کو ان کی زندگی میں ہی ردی کی نوکری میں پھینک دیا گیا اور خود انہیں بھی ایک آنکھیں ڈھانچہ سمجھ کر پر فضا قید تھائی میں ڈال دیا گیا۔ جہاں ہمیشہ، ایک ذلتی معالج اور چٹاندوں سے ٹکرائی ہوا کہ سوا کوئی اور نہ تھا اور جناح کی تصویر پہلے کرنسی نوٹوں پر چھائی گئی اور پھر ان نوٹوں سے ضمیر فریڈنگ کبھی کھول لی گئی۔ آپاں روپیہ کے سکہ پر بھی ان کی تصویر نمایاں دیکھی جاتی ہے۔ جو تمام تصویروں کا غلام

کرتے ہیں۔ وہ بھی حکمت سے یہ ایک روپیہ کا سکہ لینا بعض اوقات قبول نہیں کرتے۔ ان کی شیردانی بھانت بھانت کے آمروں میں بٹ گئی۔ ان کے فرمودات 23 مارچ 14 اگست 11 ستمبر اور 25 دسمبر کے بوسیدہ سرکاری پیغامات اور فرسودہ اخباری ضمیموں میں تاحیات قید ہو کر رہ گئے۔ تب سے اب تک کوئی کھاڑی جناح کے خوابوں کو نیا پاکستان کوئی چھا بڑی والا انقلابی پاکستان، کوئی کنگلا اسلامی پاکستان اور کوئی روشن پاکستان کہہ کر اپنا آلو سیدھا کر رہا ہے اور پیٹ پال رہا ہے۔

لاہنے لاغر مگر جدو اصولی، خوش پوش، قوم پرست، روشن خیال جمہوریت پسند، حاضر جواب وکیل محمد علی جناح کے ساتھ گزشتہ چھیانوہ برسوں میں جو کچھ ہوا اس کے دہرانے کی چنداں ضرورت نہ ہے۔ کیوں نہ موجودہ پاکستان کی لویا ہتا نوجوان بیٹی کی مقدمہ فائل بھی بورڈنگل پاکستان کے خالق کے تھوڑے پردہ کدی جائے۔ جس کا پانچ برس پہلے ان ہی کے مزار کے احاطے میں اس کے محافظوں کے ہاتھوں ریپ ہو۔ کاش یہ لڑکی چار معتبر گواہ پیش کر سکتی۔ کیونکہ DNA رپورٹ کوئی معتبر عدالتی گواہ نہیں ہے لہذا فاضل جج نے پانچ برس شنوائی کے بعد تین طرموں کو مجبوراً بری کر دیا۔ مقدمہ اتنا شفاف ہے کہ ہر سٹر صاحب آپ بھی اگر مزار سے نکل آئیں تب بھی طرموں کو سزا نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ باقی تین گواہ کہاں سے لائیں گے؟ کچھ اور خواتین کو بھی ایسی معاملہ درپیش ہے کچھ اس لیے بھی وہ آپ کی طرح خاموش ہیں۔

1948ء میں کراچی میں چند ہندوؤں کی کچھ لٹلا ک کو آگ لگائی گئی تو آپ نے چند گھنٹوں کے اندر انتظامیہ کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا اور بے غتاب کر دیا۔ آپ چاہتے تو محض ڈکے اور صدمے کا ایک پرانا اور پلیز جاری کروا دیتے۔ اس وقت تک آپ کی طرف سے کچھ نہ تھا۔

Digest.pk

تقریب تھی ایک خوشی کی لہر اور ایک جشن کا سماں۔ طلباء اور طالبات ہوا میں اپنی اپنی دستار ہائے فضیلت اچھال رہے تھے کہ ایک چلايا "شکر ہے کہ تعلیم مکمل ہوئی" سینئر فیکلٹی ممبرز دایرے کے نیچے سنا تو کہا "آپ کو مخالف ہوا ہے" ڈگری مکمل ہوئی ہے تعلیم نہیں۔ تعلیم تو مہد سے لہر تک مکمل نہیں ہوتی۔

شیخ کی طرح جنس برہم گر عالم میں
خود جلیں دیدہ اغیار کو بیٹا کر دیں
(اقبال)

"بیٹی"

والدین شاید بیٹیوں سے اسی لیے زیادہ پیار کرتے ہیں کہ نہ جانے ان کی آئندہ زندگی میں انہیں اتنا پیار لاؤ اور مان میسر آ بھی سکے گا کہ نہیں؟ جس شخص کے ہاتھوں میں وہ اپنی اہیرے کی بیٹی دے رہے ہیں وہ اس کی قدر کر سکے گا کہ نہیں؟ کیونکہ اس اس بات میں کوئی شک نہیں کہ بیاضی بیٹیوں کے دکھ بائیں کی دایرے کے اعداد بیٹیوں سے کہیں زیادہ دل شکن اور مصائب توڑ ہوتے ہیں جو اچھے خاصے والدین کدیت کی بھر پوری دیوار کی طرح آہستہ آہستہ زمین بوس کرتے چلے جاتے ہیں یہی وجہ ہے دعاؤں میں نصیب کے اچھے ہونے کی دعا سر فہرست رہی ہے۔

"پروین شاکر"

یہ تو ہم کا کارخانہ ہے
یاں دی ہے جو اعتبار کیا
سو اسلامی کلیئر ہو کر گورین یا کوئی اور.....
وقت کے حوالے سے ہر تقسیم اسی "اعتبار" سے رشتہ آراء ہے۔ ورنہ اقبال تو کہہ چکے ہیں کہ:-
وقت کا تقسیم ہوا ہے ہر رواں کے سوا

(سٹینس کو جاری رکھنے کا عزم قلند حسین سید کا کالم نوائے وقت ملکان 23 جن 2013ء سے اقتباس)

"شادی میں"

ایک بچے نے شادی میں رخصتی کے وقت اپنی ماں سے پوچھا: "امی! دلہن بہت رو رہی ہے دولہا کیوں نہیں رو رہا؟"
ماں! "بیٹا! دلہن گیٹ تک روئے گی اس کے بعد دولہا قبر تک روئے گا!"

"حقائق"

چین کی آبادی ایک ارب 35 کروڑ۔ اس کے 14 خسر۔
اٹلیا کی آبادی ایک ارب 27 کروڑ اس کے 32 خسر۔
امریکہ کی آبادی 32 کروڑ اس کے 14 خسر۔
پاکستان کی آبادی 18 کروڑ اس کے 96 خسر۔
ایک خسر کا سالانہ خرچ 16 کروڑ روپے غریب عوام کے امیر حکمران۔ پاکستان زندہ باد!

"ہاں"

وطن عزیز کے نامور سفارت کار آقا شای جن کے نام پر اسلام آباد کی ایک معروف ایونج بھی ہے۔ گمراہی کے جھنجھٹ میں نہیں پڑے تھے۔ ساری زندگی تن تھا زندگی گزاردی۔

کسی نے وجہ پوچھی تو بولے کہ یہ کام ماں کے کرنے کے ہوتے ہیں۔ ماں نے حاکم بد پوچھا تو ہم نے غزوہ کھلا۔ بس ماں نہ دی تو پھر کسی نے پوچھا ہی نہیں۔

"تعلیم"

امریکی یونیورسٹی آف ایٹل میں گریجویٹ کی

Digest.pk

سیارہ ڈائجسٹ کی ایک اور عظیم پیش کش

عباداتِ رمضان المبارک

شائع ہو گیا ہے

قیمت: 160 روپے



رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس نے رمضان المبارک کے آنے کی خوشی منائی اللہ تعالیٰ اسے ایک سال تک خوشیاں عطا فرماتا ہے اور جس نے رمضان المبارک کے جانے کا غم منایا اس سے ایک سال غم دور ہٹا دیتا ہے۔

- رمضان کیا ہے۔
- رمضان اور روزہ
- رمضان اور قرآن
- رمضان اور شبِ قدر
- رمضان اور اعتکاف
- رمضان اور تراویح
- رمضان کی عبادات
- وظائف اور دعائیں
- رمضان اور نوافل
- رمضان کی عبادات کا اثر تمام سال کیسے رہتا ہے۔

• رمضان میں عورتوں کے مسائل اور ذمہ داریاں

• ایک مکمل اور جامع گائیڈ۔ گھر کے ہر فرد کیلئے۔ آپ کے دوست احباب کیلئے رمضان کا بہترین تحفہ!

• اپنے آرڈر سے جلد مطلع فرمائیں۔ خود پڑھیں اور دوسروں کو پڑھائیں۔

سیارہ ڈائجسٹ 240 اور 37245412

("چھاؤں" امجد اسلام امجد کی کتاب سے اقتباس)

"ایک حکایت"

میں اور ہنسی کا ایک جزا ایک گاؤں میں اپنے جہاں کے بیشتر گھر خالی اور لوگ پریشان حال تھے۔ اس صورت حال کی وجہ پوچھی گئی تو گاؤں والوں نے بتایا کہ یہ سب کچھ اس آلو کی محنت کی وجہ سے ہے جو گاؤں کے کونے پر ایک بڑھ کے درخت پر رہتا ہے اور یہ کہ وہ سب اس کی وجہ سے بہت پریشان ہیں۔ میں اور ہنسی اندر دس بجس کچھ دن بعد اڑتے اڑتے اس بڑے کی شاخوں پر جا بیٹھے۔ آلو نے انہیں خوش آمدید کہا، اپنے مسائے میں رہنے کی پیش کش کی اور ان کی خوب خاطر تواضع کی۔ انہوں نے جزا اس حسن سلوک سے بہت خوش ہوا اور وہیں رہ پڑا۔ اگلے دن میں اپنی مادہ کو وہیں چھوڑ کر تلاش رزق میں نکلا وہاں آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ آلو نے اس کی مادہ پر قبضہ کر رکھا ہے اور اسے اپنے گھونسلے میں لے جا کر بیٹھایا ہے۔ جب میں نے اپنی مادہ کی واپسی کا تقاضہ کیا تو آلو نے جواب دیا کہ وہ تو اس کی بیوی ہے اور ہنسی نہیں بلکہ ایک مادہ آلو ہے۔ یہ بحث بڑھ گئی تو آلو نے کہا کہ میں یہاں تم گاؤں والوں کی ہنجائیت ہالو جو فیصلہ وہ کریں گے اسے منظور ہوگا۔ میں اس بات پر راضی ہو گیا۔ مگر اس کی حیرت کی انتہا نہ تھی جب گاؤں والوں نے پوچھا کہ میں اور آلو اور ہنسی کا بیان سن کر آلو کے حق میں فیصلہ دے دیا اور ہنسی کو کہا کہ وہ شام سے پہلے یہ علاقہ چھوڑ دے۔ پریشان حال ہنسی الوداعی ملاقات کے لیے آلو کے بڑے پر گیا اور اس سے درخواست کی کہ وہ جانے سے پہلے ایک بار اپنی مادہ (ہنسی) کو اس سے ملوے۔

آلو نے مسکرا کر کہا کہ وہ تمہاری ہی بیوی ہے تم چاہو تو اسے اپنے ساتھ لے جا سکتے ہو۔ میں نے حیرت سے پوچھا کہ سب کچھ پہلے تمہارے ہاتھ

بیوی بتا رہے تھے اور ہنجائیت نے بھی تمہارے حق میں فیصلہ دے دیا اور اب تم ایک دم بدل گئے ہو۔ اس پر آلو نے ایک آہ بھری اور کہا "اس ہستی کی برہادی کا سبب میں یا میری محنت نہیں، خود اس ہستی کے لوگ ہیں کہ جن میں سے انصاف اٹھ گیا ہے اور جب کسی ہستی سے انصاف اٹھ جائے تو وہاں جھوٹ بچ کی پہچان اور کھرے کھونے کی تیز ختم ہو جاتی ہے۔"

"کلام قتیل شفافی"

حالات کے قدموں پہ قلعہ نہیں کرتا
لوٹے بھی جو تارا تو زمین پر نہیں کرتا
گرتے ہیں سمندر میں بڑے شوق سے صیبا
لیکن کسی دریا میں سمندر نہیں کرتا
کبھو وہاں پھل دار شجر کوئی نہیں ہے
وہ صحن کہ جس میں کوئی پتھر نہیں کرتا
اتنا تو ہوا فائدہ ہارش کی کی سے
اس شہر میں اب کوئی پھل کر نہیں کرتا
ملکوک نظر سے مجھے نکلتی ہے یہ دھرتی
کیوں عرش مہلی مرے سر پر نہیں کرتا
انعام کے لالچ میں کیسے مارج کسی کی
اتنا تو کبھی کوئی سنخوہ نہیں کرتا
اس بندہ خوددار پہ نیوں کا ہے سایہ
جو بھوک میں بھی لقمہ تر پر نہیں کرتا
کرتا ہے جو سر معرکہ زیست تو سن لے
بے بازو حیدر و ذخیر نہیں کرتا
("رنگ، خوشبو، روشنی" نکلیات غزلیں سے)

ڈرامہ نگار اور دانشور۔ طنز و مزاح نگار اور مقصود
سے کسی نے پوچھا کہ پاکستانی سیاستدان کو انکیشن
میں کیسے چنا جائے؟

انور مقصود نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "جیسے اکبر

Digest.pk

بادشاہ نے اندر کی کو "چٹا" تھا دیوار میں۔

"ذیل نہیں کسی تھی"

جب نواز شریف نے گفتگو شروع کی تو لگ رہا تھا کہ وہ مزاحمت کے موڈ میں تھے۔ وہ اب پیچھے آنے کو تیار نہیں تھے۔ وہ سعودی حکمرانوں کو بھی ناراض کرنے پر تل گئے تھے۔ اب ان کا راستہ نہیں روکا جاسکتا تھا۔ یہاں تک تو بات ٹھیک تھی لیکن جب میاں صاحب نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ایک کاغذ سے یہ پڑھنا شروع کیا کہ ان کا جنرل شرف کے ساتھ باہر رہنے کا معاہدہ پانچ سال کا تھا نہ کہ دس سال کا تو ہم سب چونک پڑے۔ ہمارے خیال میں میاں صاحب ایک ایسی بات کہہ گئے تھے جس کا ثبوت زیادہ انہیں سیاسی طور پر جھگڑنا ہوگا کیونکہ اب تک ان کے پچھلے آٹھ سالوں میں وہ مکہ اور مدینہ میں بیٹھ کر یہ قسمیں کھاتے رہے تھے کہ انہوں نے جنرل پرویز شرف سے کوئی ذیل نہیں کی تھی اور آج وہ سب کو یہ بتا رہے تھے کہ ان کی ذیل پانچ سال کے لیے تھی۔

پاکستان میں تمام ٹی وی چینل اس وقت موہاگل ٹیلی فون کے ذریعے نواز شریف کی یہ لائیو گفتگو نشر کر رہے تھے۔

میں نے میاں صاحب سے پوچھا کہ کیا وہ یہ نہیں سمجھتے کہ سعودی شہزادے کا اسلام آباد میں بیٹھ کر انہیں واپس لے جانے کا انتظار کرنا پاکستان کی خود مختاری پر ایک ضرب ہے۔

میاں نواز شریف نے میری طرف دیکھا اور انہوں نے اس سوال کا جواب نہیں دیا۔ شاید وہ دینا بھی چاہتے تو نہ دے پاتے۔

نواز شریف صاحب اور ان کے حامیوں کا خیال تھا کہ پانچ سال کی ذیل کی بات کر کے وہ اپنی واپسی کا جواب تلاش کر لیں گے۔ یہ ہمارے بھول گئے تھے۔

سپریم کورٹ آف پاکستان کو بھی ان دلوں بھائیوں نے یہ لگہ دیا تھا کہ انہوں نے جنرل شرف کے ساتھ کوئی ذیل نہیں کی تھی اور آج اس سپریم کورٹ اور پاکستان کے عوام کو یہ بتایا جا رہا تھا کہ ذیل تو ہوئی تھی لیکن دس سال کے لیے نہیں بلکہ پانچ سال کے لیے تھی۔

وہی کچھ ہوا جس کی توقع تھی جنرل شرف اور ان کی کاہنہ کے وزیروں نے اسلام آباد میں آسمان سر پر اٹھایا۔ وفاقی وزیر شیخ رشید سب سے آگے تھے ہائی وزیروں نے بھی میاں صاحب پر لعن طعن کرنی شروع کی کہ دیکھیں آٹھ سال تک وہ جھوٹ بولتے رہے کہ انہوں نے ذیل نہیں کی تھی اور آج واپسی سے ایک دن پہلے انہوں نے خود اپنی زبان سے یہ اعتراف کر لیا تھا۔

یوں پاکستان میں بارہ گھنٹے کے اندر اندر نواز شریف کے اس اعتراف کو اس طریقے سے جنرل شرف کے وزیروں نے استعمال کیا کہ اپنا ایم ایل کے لیڈروں اور وکروں کا سارا جوش بڑی حد تک ٹھنڈا ہو گیا اور رائے عامہ بڑی حد تک جنرل شرف کے حق میں ہموار ہو گئی۔

میں نے کانفرنس سے نکلنے کے بعد نواز شریف کے قریبی لیڈر سے یہ کہا کہ حضور! یہ سمجھنا مشہد میاں صاحب کو کس نے دیا تھا؟ تو انہوں نے نہایت سیاسی جواب دیا۔ بولے کہ یہ سب کا مشترکہ فیصلہ تھا اگرچہ ہر ایک لوگ اس کے خلاف تھے لیکن میاں صاحب کا خیال تھا کہ وہ کوئی جھوٹ نہیں بول رہے تھے۔ وہ کہنا یہ چاہ رہے تھے کہ یہ ذیل جنرل شرف اور سعودی حکمرانوں کے درمیان ہوئی تھی جو کہ پانچ سال کے لیے تھی۔ یہ ذیل نواز شریف اور جنرل شرف کے درمیان نہیں تھی۔

میں نے ان سے بڑے ادب سے کہا کہ حضور! اب آپ یہ بات پاکستان میں کس کس کو ہمارے گھنٹوں میں سمجھاتے رہیں گے کہ یہ ذیل جنرل شرف اور سعودی حکمرانوں کے درمیان تھی اور نواز شریف کو اس کی خبر

Digest.pk

وہ ذوالفقار علی بھٹو کو لندن آ کر نہیں بچا سکے تھے لیکن اپنے گناہوں کا کفار ادا کرنے کے لیے وہ نواز شریف کو ضرور لندن سے پاکستان لے جائیں گے۔ وہ ذوالفقار علی بھٹو کو تو جنرل ضیاء جیسے ڈکٹیٹر کے ہاتھوں پھانسی لگنے سے اس لیے نہیں بچا سکے تھے کہ انہیں اپنی جان عزیز تھی لیکن لگا تھا کہ اب کی دفعہ وہ ضرور نواز شریف کو جنرل مشرف کے ہاتھوں بچا کر ضرور پاکستان لے جائیں گے۔

مجھے مصطفیٰ کمر کی ہیترو ایئر پورٹ پر حرکتیں دیکھ کر بڑی ہنسی آرہی تھی کہ پچھتر سال کی عمر میں بھی موصوف ایک بوڑھی ٹائیگہ کی طرح اپنے جوان عاشقوں سے تھوڑی سی توجہ لینے میں مصروف تھے۔ مصطفیٰ کمر سے زیادہ مجھے نواز شریف اور شہباز شریف کی عقل پر ہنسی آرہی تھی جنہوں نے بغیر واسطوں اور ذم کے اس کاغذی شیر کو اپنے ساتھ جہاز میں لے جانے پر آمادگی ظاہر کی تھی۔

مجھے شہباز شریف اور مصطفیٰ کمر کو ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے ہیترو ایئر پورٹ پر چلتے دیکھ کر یہ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ تہینہ درانی نے مصطفیٰ کمر کو چھوڑ کر شہباز شریف سے کیوں شادی کر لی تھی یا یہ بھی ممکن تھا کہ تہینہ درانی بھی سیاستدانوں کے ساتھ رہے ہوئے یہ سیکھ گئی تھی کہ ہر کچھ دار فاضل کو چھتے سورج کو سلام کرنا چاہئے۔ مصطفیٰ کمر کا سیاسی لیو چر کب کا ختم ہو چکا تھا اور شہباز شریف کا ابھی باقی تھا۔ یوں تہینہ درانی کا فیصلہ زیادہ لگلا بھی نہیں تھا۔ خصوصاً جب شہباز شریف اور مصطفیٰ کمر لندن کی سڑکوں پر ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر اپنے وطن واپسی کے پروگرام اسکس کر رہے تھے۔

(”ایک سیاست کی کہانیاں“ رؤف کھاسرا کی

کتاب۔۔۔ سے اقتباس)

آج آٹھ سال بعد لندن میں بیٹھ کر پہلی دفعہ ہونے لگی۔ میں نے ان سے کہا کہ ظفر اقبال کا شعر اسی موقع کے لیے کہا گیا تھا کہ

جھوٹ بولا ہے تو قائم بھی اس پر رہو ظفر
آدنی کو صاحب کردار ہونا چاہئے
میں نے کہا کہ صاحب اگر آٹھ سال تک یہ جھوٹ بولا تھا تو اگلے بارہ گھنٹے بھی اس جھوٹ پر قائم رہے۔ کیا ضرورت آن پڑی تھی کہ آپ خود بیٹھ کر اس کا اعتراف کریں کہ ذیل پانچ سال کے لیے تھی۔

تیر کمان سے نکل چکا تھا نواز شریف کے حامیوں کا بھی خیال تھا کہ اسلام آباد ایئر پورٹ پر پھاپا پاکستان نواز شریف کا استقبال کرنے کے لیے لڈ آئے گا۔ لسی لسی جذباتی باتیں سننے کو ل رہی تھیں کہ حیران ہوا تھا۔

غلام مصطفیٰ کمر بھی پاکستان سے خصوصی طور پر لندن پہنچ چکے تھے۔ ان کا وہاں آنے کا ایک ہی مقصد تھا کہ دنیا بھر کے کیمرے وہاں اکٹھے ہوں گے اور ٹی وی سکرین کے کسی کونے کھدے میں میاں صاحب کے پیچھے ان کی شکل بھی نظر آجائے گی۔ مجھے بڑی حیرانی ہو رہی تھی کہ کچھ ماہ قبل غلام مصطفیٰ کمر کی بیوی تہینہ درانی سے شہباز شریف نے شادی کی تھی اور آج کمر صاحب اپنی سابقہ بیوی کے نئے شوہر کو لندن سے اسلام آباد لانے کے لیے پہنچے ہوئے تھے۔ جس غیرت اور عزت کا مظاہرہ کمر صاحب کر رہے تھے اس سے ہم بہت سوں کے سر شرم سے جھک گئے تھے کیا انسان اتنا بھی گر سکتا ہے کہ محض ٹی وی کیمروں میں اپنی شکل دکھانے کے لیے وہ اس حد تک جانے کو تیار ہو جاتا ہے جو اپنی بیوی کے نئے شوہر کی گاڑی میں کچیل سیٹ پر ایک ٹھنڈی سی کمر سکرے۔

مصطفیٰ کمر سال ایک ایک گھنٹہ کر رہے تھے

Digest.pk

رمضان، کیا کھائیں کیا نہ کھائیں

مفیدہ ماہنامہ



اظہاری پر اور سحری پر لٹ کر کھایا جاتا ہے۔ صبح ہوتے ہی ڈکاروں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ پیٹ بھاری اور گیس کی وجہ سے پھول جاتا ہے۔ بھائیاں آتی ہیں۔ غذائی احتیاط برتی جائے۔ حفظانِ صحت کا خیال رکھا جائے تو روزے گراں نہیں محسوس ہوتے بلکہ عبادتِ ریاضت میں بھی زیادہ لطف آتا ہے!

ہے۔ اس سے ہماری جسمانی صحت کی تربیت ہوتی ہے۔ صحت کے حوالے سے روزے کا جائزہ لیا جائے تو ہمارے جسمانی اعضاء تک آکسیجن کی ترسیل بہتر ہو جاتی ہے۔ معطر صحت کو لیسٹرول (ایل ڈی ایل) کم ہو جاتا ہے اور مفید کو لیسٹرول (ایچ ڈی ایل) کا تناسب بڑھ جاتا ہے۔ ہوک اور پیاس کی شدت

رمضان المبارک نیکیوں، رحمتوں کا موسم بہار ہے۔ نیکیوں پر ستر گنا زیادہ ثواب ملتا ہے۔ دیکھا جائے تو وہ شخص بہت ہی بد قسمت اور بد نصیب ہے۔ جو اس کی برکتوں سے محروم رہے۔ روزہ جو لوگ رکھتے ہیں اس کا اجر اللہ تعالیٰ ہی عنایت فرماتے ہیں۔ ضبط نفس اور استقامت اللہ کی رضا حاصل روزے کا راز ہے۔

Digest.pk

اگر ہم اعتدال سے کھائیں۔ صبح کی نماز پڑھ کر تھوڑی چٹل قدمی کریں۔ قرآن پاک کی تلاوت کریں تو چہرہ بھی ہشاش بشاش نظر آتا ہے۔ کام کاج میں بھی کوئی قحاح نہیں ہوتی۔ چلچلاتی دھوپ میں کام کرتے ہوئے مزدوروں کو دیکھئے۔ نگاہ جسم پینہ بہتا ہوا مگر دو روزے کے ساتھ صحت کرتے ہیں۔

چکنائی کا استعمال کم کریں

ہمارے ہاں بکوالوں میں چکنائی کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے۔ بکڑے بناستی گھی میں بناتے ہیں۔ پراٹھے پر ڈھیر سارا گھی لگاتے ہیں۔ سالن پکاتے وقت بھی اچھا خاصا کوئنگ آئل ڈالا جاتا ہے تاکہ سالن کی رنگت اور ذائقہ اچھا رہے۔ سوچ سمجھی کا تیل صحت کے لیے اچھا ہے۔ اسی طرح زیتون کا کھانا پکانے والا تیل بھی بازار میں دستیاب ہے۔ کچھ خواتین قرانی بین میں تیل بھر کر رکھتی ہیں۔ روزانہ اس کو گرم کر کے بکڑے لیتی ہیں۔ آٹھ دس دن بعد تیل گاڑھا ہو جاتا ہے۔ رنگ بھی بدلتا ہے۔ آپ تھوڑا سا تیل ڈال کر استعمال میں لائیں۔ دو تین دن بعد تازہ تیل ڈالیں۔ اسی طرح گوشت بھی چکنائی کے بغیر خریدیں۔ عموماً متوسط طبقہ گائے کا گوشت خریدتا ہے۔ خیال ہے کہ گوشت کھانے سے توانائی ملتی ہے حالانکہ عالمی ادارہ صحت کے ماہرین اچھی صحت کے لیے تازہ موسم کی سبزیاں اور پھل کھانے کو ترجیح دیتے ہیں۔ گوشت بغیر چکنائی کا لیں۔ اس میں سبزی ضرور ڈالیں۔ گھی یا تیل تھوڑا ڈالیں۔

شوگر کے مریض روزہ رکھتے ہیں۔ ان کی غذا کا خاص خیال رکھیں۔ ان کے کھانے میں کم سے کم چکنائی ہونی چاہئے۔ تلی ہوئی میٹھی چیزوں سے انظار میں گریز کریں۔ ایک سے دو کجوری لیں اور ایک سیب ایک امرود کی چاٹ بنائیں۔ سادہ ذائقہ کھائیں۔ اگر کسی بچہ روزہ رکھتا ہے تو اس کا ذائقہ سادہ رکھیں۔ رمضان

برداشت کی جاتی ہے۔ کھانے پینے میں اعتدال رکھا جائے تو ماہ صیام بہت اچھا گزرتا ہے۔ سحری اور انظار میں غذائی احتیاط برتی جائے۔ حفظان صحت کا خیال رکھا جائے تو روزے گراں نہیں محسوس ہوتے بلکہ عبادت ریاضت میں بھی زیادہ لطف آتا ہے۔ تروتوج اور تھجد کی پابندی ہو جاتی ہے۔ ایک خاتون خاندان اپنے کھڑاپے سے رمضان میں سحری اور انظار کے وقت کھانے پینے کی خاص احتیاط سے پورے گھرانے کی کو صحت مند رکھنے میں نمایاں کردار ادا کر سکتی ہے۔ سحری اور انظار میں کیا کھائیں اور کیا نہ کھائیں۔ کن چیزوں سے پرہیز کریں تو روزے بہت اچھے گزرتے ہیں۔ ان باتوں کا خیال رکھ کر ہم رمضان المبارک کی برکتوں سے بہتر طور پر فیضیاب ہو سکتے ہیں۔

ہمارے ہاں انظار پر اور سحری پر ڈٹ کر کھایا جاتا ہے۔ حالانکہ روزے میں اس طرح کھانا صحت کے لیے مفید نہیں۔ صبح ہوتے ہی ڈکادوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ پیٹ بھاری اور گیس کی وجہ سے پھول جاتا ہے۔ جمائیاں آتی ہیں۔ غلہ کے بعد پیٹ کا تناؤ قدرے کم ہوتا ہے۔ اسی طرح انظار کے وقت بکڑے کچھ دیاں دہی بھلے چاٹ کے بغیر روزہ روزہ ہی نہیں لگتا۔ اس کے بعد کھانے کی گنجائش بھی نکلی جاتی ہے۔ سحری کے وقت پراٹھے سالن آلیٹ کے ساتھ ہی تھی 'پانی خوب پی کر وقت کم ہونے کی بناء پر گرم گرم چائے ضرور پی جاتی ہے۔ بعض دفعہ چائے پیتے پیتے روزے کا ٹائم بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اس طرح پہلے ٹھنڈا پانی پھر گرم چائے اور پھر ٹھنڈے پانی سے ٹوٹھ پیٹ کرنے سے دانوں اور مسوزھوں پر بھی اثر پڑتا ہے۔ ادارہ معدہ بے چارہ پہلے ہی بھرا ہوا لگتا ہے۔ جمائیاں ڈکادیں پھر کھانے ڈکادیں، پیٹ میں یہ سب کچھ کھانا جاتی ہے۔

پراٹھے کھائے جاتے ہیں۔ دہی کی پتی نمکین لسی بنتی ہے جس سے تمام دن روزے میں طاقت محسوس نہیں ہوتی اور روزے آسان لگتے ہیں۔

لیمون پانی

لیموں کی کچھن ایک اچھا مشروب ہے۔ اسے پینے سے سکون ملتا ہے۔ رمضان میں روزہ کھولنے کے لیے بھی اسے استعمال کرتے ہیں۔ نمکین اور میٹھی کچھن تقریباً ہر گھر میں بنتی ہے۔ اب تو لوگ چینی کے بجائے روح افزا جام شیریں میں بھی لیموں کا رس بچھڑ کر پیتے ہیں۔ اس سے اچھا ذائقہ آ جاتا ہے۔ چھولے لیموں میں وٹامن سی کی مقدار زیادہ ہوتی ہے۔ کیشیم کلسیم اور قدرتی شکر بھی اس میں موجود ہے۔ آپ چھولے درمیانی لیموں خرید کر رکھ سکتے ہیں۔ لیموں کا رس ٹالنے سے پہلے اگر اسے کچن میں ثابت ہی رکھ کر ہاتھ سے دو چار بار ہلکا سا ہاڈوے کر رکھ لیں تو کاسٹن کے بعد رس زیادہ نکلتا ہے۔ لیموں کھانے میں سلاطین میں چاٹ میں عام طور پر استعمال ہوتا ہے۔ قدیم حکیموں نے اس کے فوائد پیش نظر رکھتے ہوئے کچھن کا تعارف صحت و توانائی کو مد نظر رکھتے ہوئے ذائقہ دار لذیذ مشروب کے طور پر پیش کیا۔ شلائی اثرات اس کے رس، چھ، چھلکے میں شامل ہیں۔ روزوں میں عموماً لوگ اس کو ترجیح دیتے ہیں۔ لیموں گٹے کی خواہش کو ٹھیک کرتا ہے، ہارے دانوں سوزھوں کو مضبوط بناتا ہے۔ گیس ختم کرتا ہے۔ بد ہضمی، قبض، پیٹ کی بیماریوں کے لیے مفید ہے، بھوک لگاتا ہے۔ سینے کی جلن کو دور کرتا ہے۔ ہائی بلڈ پریشر، خون کی نالیوں کے سکر جانے اور شریانوں کے نظام کو متوازن رکھتا ہے۔ ہیمنہ جھکی بیماری میں لیموں پانی مفید ہے۔ لیموں پانی روزوں میں کولہا شروبات سے بدد جا بہتر ہے۔

اچھا گزر سکے۔ میٹن کی سادہ چھوٹی پکڑیاں تل کر پانی میں دو منٹ کے لیے ڈالے۔ پھر انہیں بچھڑ کر رکھیے۔ دہی میں ملا کر پیا ہوا سفید زیرہ، لسی مرچ، تھوڑا سا نمک ملائیے۔ صرف چاٹ مصالحہ بھی ڈال سکتے ہیں۔ ایک پیاز کاٹ کر دو ہری مرچیں اور ہرا دھنیا کاٹ کر ملائیے۔ پکڑیاں پانی میں بھگونے سے چکنائی نکل جائے گی۔ اسی طرح آپ میٹھو پیپر پر یا اخبار کے کاغذ پر پکڑے تل کر رکھیے۔ چکنائی کاغذ پر آ جائے گی۔ تھوڑی سی احتیاط کرنے سے آپ چکنائی کے معر اثرات سے بچ سکتے ہیں۔

دھن

دہی کا استعمال ہمارے ہاں ہی نہیں بلکہ دوسرے ممالک میں بھی کیا جاتا ہے۔ اب تو مغربی ممالک یورپ اور امریکہ میں بھی دہی شوق سے کھلیا جاتا ہے۔ جدید طریقوں سے اسے مختلف پھلوں کے ذائقہ کے ساتھ کھاتے ہیں۔ سلاطین شامل کرتے ہیں۔ دہی میں پروٹین، صحت کے لیے ضروری وٹامن، معدنی اجزاء کے ساتھ ساتھ کیشیم ریبو فلاوین بھی موجود ہے۔ بچوں اور بڑی عمر کے لوگوں کے لیے مفید غذا ہے۔ دہی کی لسی بھی نذاعت فراہم کرتی ہے۔ جو لوگ دہی کا استعمال کرتے ہیں ان کی صحت بھی ٹھیک رہتی ہے اور وہ طویل عمر جاتے ہیں۔ دہی سے کڑھی بنتی ہے، دہی بھلے بناتے ہیں، دہی کا رائیہ بنتا ہے، آلو کا رائیہ، بینگن کا رائیہ، گھبے کا رائیہ شوق سے کھایا جاتا ہے۔ تازے کچے کھیرے کدو کش کر کے دہی میں ڈال کر رائیہ بنائیے۔ پودینہ، سفید زیرہ، نمک، کالی مرچ، تھوڑی سی سرخ مرچ ڈال کر کھائیے۔ انظار کی کے بعد کھانے میں دہی ضرور شامل کریں۔ یہ ایک الکلائن غذا ہے۔ غذا کو ہضم کرنے میں مدد دیتا ہے بلکہ معدے کی تیز اور خشکی دور کرتا ہے۔ سرخاب کا سرخاب کے وقت کھانا لیں۔

Digest.pk

جے اور کالے چنے بھگو کر اہال کر فریز کر سکتی ہیں۔ چھوٹے چھوٹے پلاسٹک کے بیگ میں رکھیے۔ بھنا ہوا سفید ذریعہ نہیں کر رکھیے۔ اہلی بھگو کر رکھیے، آپ اہلی کی چٹنی بھی بنا کر رکھ سکتے ہیں۔ اہلی بھگو کر چھان کر اس میں تھوڑی سی چٹنی یا گولہ کر پکائیے۔ تھوڑی سی سونٹھ میں کر ملا سکتے ہیں۔ نمک ڈال سکتے ہیں ورنہ صرف اہلی اور چٹنی ہی کافی ہے۔ فریج میں رکھیے۔ چٹنوں میں ملائیے۔ ابلے ہوئے آلو کاٹ کر ڈالے۔ لٹائر، پیاز، ہری مرچ، ہرا دھنیا چاٹ مصالحہ اہلی کی چٹنی ملائیے، چٹنی نہ ہو تو لیموں نچوڑ لیں۔ اس میں آپ گھر میں موجود کوئی پھل بھی ملا سکتی ہیں۔ ایک سیب کاٹ کر ڈالے۔ افطاری کے لیے چاٹ تیار ہے۔ اسی طرح سفید لوسے اور سرخ لوسے کی سلاد بھی بنتی ہے۔ اہال کر اسی میں ہرا مصالحہ چاٹ مصالحہ لیموں ملا دیجئے ہیں۔ کوشش کریں افطاری میں ہارار کی تلی ہوئی چیزیں نہ کھائیں۔ پیسہ اور صحت دونوں کا ضیاع ہوتا ہے۔ سو سے، پکڑے، کچھو پان پیٹ کو بوجھل کر دیتی ہیں۔ کھانا کھانے کو دل نہیں چاہتا۔ گھر کی بنی ہوئی افطاری کریں۔ سادہ کھانا کھائیں تاکہ سحری بخوبی کر سکیں۔ ڈاکٹر نے اگر آپ کو کچھ دوائیاں دی ہیں تو وہ ضرور کھائیں۔ دوا ترک نہ کریں۔ بلکہ ڈاکٹر کے مشورے کے مطابق وقت پر کھائیے تاکہ صحت برقرار رہے اور آپ روزے رکھ سکیں آپ کی تھوڑی سی احتیاط اور پریز آپ کو صحت کے ساتھ ساتھ رمضان بھی اچھا گزارنے اور عبادت کرنے میں مدد دے گا۔

سحری میں کیا کھائیں؟

عام لوگ شکایت کرتے ہیں کہ سحری میں کچھ کھایا نہیں جاتا۔ آٹھ دہرے سے کھلے تو چائے بھی پینے کا مزے نہیں آتا ہے۔ ہمارے ہاں سحری پر پراخا

کے وقت ضرور کھائی جاتی ہے۔ اس سے روزہ افطار کرنا سنت رسول ﷺ ہے۔ طبی غذائی افادیت کا جائزہ لیا جائے تو اس میں شکاری شفا ہے۔ تمام دن کی تھابت اور کمزوری کھجور دودھ کر دیتی ہے۔ فوری توانائی کا احساس ہوتا ہے۔ نو عمر بچے پیچیاں بڑے شوق سے روزہ رکھتے ہیں۔ آپ عمدہ قسم کی بڑی کھجور خریدیں۔ کھٹکلی نکال دیجئے۔ اس میں ہانکل ریخ ٹھنڈی کریم یا بالائی بھر کر فریج میں رکھیے۔ بچوں کو یہ کھجور بھر پور غذا سمیت دے گی۔ آپ کھجور میں ہادام کی گری رکھ سکتے ہیں۔ ایک پاؤ کھجور کی کھٹکلیاں نکال کر انہیں اچھی طرح مسلیے دودھ سے چھپے شہد ملائیے۔ کسی چیز پر رکھ کر رول بنائیے۔ ہادام، پستہ، ناریل ٹکٹ کر ایک پلیٹ میں رکھیے، رول میں تھوڑا سا پیسٹ لے کر کھجور کی شکل دے کر میوے کی پلیٹ میں رکھ کر اچھی طرح لگانا کر دکتے چائیے۔ صرف دو کھجوریں بچے کھالیں تو ان کو توانائی ملے گی۔ اسی طرح ایک ایک کپ کھجوروں کو مسل کر اس میں دودھ سے کیلے مسل کر ملائیے۔ دو نیکل سپدن تازہ پودینہ ہار ایک کاٹ کر ڈالے۔ دو لیموں نچوڑ کر معمولی سا نمک چھڑکیے۔ کھجور کی یہ چاٹ صحت بخش ہے۔ روزے کی وجہ سے پیشاب میں جلن ہو، تھوڑا آئے، کمزوری محسوس ہو تو یہ چاٹ بہت زود ہضم اور معدے کو طاقت دینے والی ہے۔ معدے کی تیزابیت اور گرمی دور کرتی ہے۔

پھلوں کی سادہ چاٹ

پھلوں کی چاٹ افطاری میں ضرور رکھی جاتی ہے۔ پھل روزانہ نہیں خریدے جاسکتے۔ آپ کسی روز صرف امرود کی چاٹ بنائیے۔ چاٹ مصالحہ لیموں کا رس اور چٹنی ملائیے۔ اس میں ذائقہ کے لیے صرف دو کیلے شامل کریں اور ایک کینو کا رس ملائیے۔ رمضان میں ضرور اسی میں سفید گلاب

Digest.pk

ایمانِ انفرادی شکل پرور عملِ آفرین

سیارہ ڈائجسٹ
کا عظیم الشان

قارئین کے اصرار
اور مانگ کے تحت دس
سال کے بعد نیا ایڈیشن
شائع ہو گیا ہے۔

قرآن مجید

- ☆ دانگی اہمیت اور افادیت کا حامل ☆ ایک متاع بے بہا
 - ☆ ایک دستاویز ☆ اعلیٰ رنگین طباعت
 - ☆ ضخامت 1500 صفحات ☆ تین جلدوں میں
- اپنی خدمات، مصنوعات کا اشتہار جلد جاری فرمائیں

قیمت - 525/- عمل

قارئین کرام براہ راست بذریعہ منی آرڈر یا وی پی قرآن نمبرنگوا سکتے ہیں

سیارہ ڈائجسٹ 240 مین مارکیٹ ریلوے گارڈن، لاہور۔

فون: 042-37245412

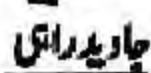
Digest.pk

میں 185 کلو گرام ہوتی ہیں اور آئس کریم کا صرف ایک چمچ لیا جائے تو اس میں 148 کلو گرام ہیں۔
 اٹل روٹی کے ایک سلائس پر مایونیز ایک کھانے کا چمچ لگائی جائے تو آپ مایونیز سے 100 کلو گرام اور سلائس سے 60 کلو گرام حاصل کریں گے۔ ان چیزوں سے پرہیز کریں۔ سادہ غذا اپنائیے۔ شاید یہی ایک بڑی وجہ ہے کہ رمضان میں روزے رکھنے کے باوجود وزن کم نہیں ہوتا بلکہ قدرے بڑھ جاتا ہے۔
 لڑکیاں سوچتی ہیں تھوڑی سی پیپسی پی لی۔ پیزا کھا لیا اس سے کچھ نہیں ہوگا مگر تھوڑا تھوڑا کھانے سے بھی وزن کافی حد تک بڑھ جاتا ہے۔

اظہاری اور سحری میں ہلکی غذا استعمال کریں۔ اس سے آپ کی صحت بھی بہتر رہے گی۔ آپ رمضان کے ماہ میں ضبط نفس، احساس بندگی کے ساتھ ساتھ روزے کی اصل مداح کو بھی جان سکیں گے۔ بھوک اور پیاس کی شدت کو محسوس کرتے ہوئے غریبوں اور مسکینوں کی مدد کریں گے۔ خدا کی خوشنودی کو پیش نظر رکھتے ہوئے۔ جھوٹ، غیبت اور برائیوں سے محفوظ رہتے ہوئے۔ اپنے نفس کی اصلاح کریں گے۔ روزے کا مقصد حصول تقویٰ ہے اور یہی تقویٰ تمارے اندر کردار کی بلندی اور اعلیٰ اوصاف پیدا کرتا ہے۔ رحمتوں اور نیکیوں کے اس مہینہ میں اپنی کرتاویوں، غلطیوں کو مد نظر رکھتے ہوئے توبہ کریں، عبادت کریں، خشوع، خضوع سے اپنے لیے سب کے لیے دعا کریں۔ یہ مغفرت کا مہینہ ہے نیکیوں کے پھولوں سے اپنا دامن بھر لیں۔ اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے۔ اظہاری میں محلے پڑوس والوں کا دھیان رکھیے۔ روزہ کھلانے کا بہت ثواب ہے۔ کوئی غریب گھر نہ ہو تو اس کو ضرور اظہاری بھجوائیں۔ ان کے ہاں راشن ڈلوایئے تاکہ وہ آرام سے روزے رکھ سکیں۔ ان کی دعائیں آپ تک بہت کام آئیں گی۔

جاتا ہے۔ سالن، قیہ، کباب، اٹھے کا آلیٹ ہوتا ہے۔ چار پانچ اٹھوں میں ایک پیاز، نمک، مرچ ڈال کر آلیٹ بنالیتے ہیں۔ گرمی کے روزوں میں آلیٹ بنائیے مگر ذرا سا منفرد طریقے سے۔ صرف دو یا تین اٹھے پورے گھرانے کے لیے توڑیں۔ ایک بڑی ہری پیاز لیں اور ایک دوسری پیاز لے کر باریک کاٹ لیں۔ ایک لہان، ایک شملہ مرچ چھوٹی۔ کالی مرچ لہی ہوئی، ایک چائے کا چمچ، ہر ادویہ تھوڑا سا کٹا ہوا ملائیے۔ اٹھے ابھی طرح پھینٹ کر اس میں تھوڑا سا دودھ ملا کر پھینٹ کر سب چیزیں ملائیے۔ اس کا آلیٹ بنائیے۔ تقریباً تین نکلیاں آلیٹ کی بن جائیں گی۔ سب کو پسند بھی آئے گا۔ تارے ہاں شٹھا دہی بھی روٹی کے ساتھ کھایا جاتا ہے۔ دودھ سویاں ہلتی ہیں۔ دودھ میں مسمیہ نیاں ڈالتے ہیں، دودھ میں جلیبیاں بھگوتے ہیں۔ سحری کا بھرپور اہتمام ہو جاتا ہے۔ شٹھا بھی زیادہ نہ کھائیے۔ سحری میں بچوں کو ایک ایک چپاتی ضرور دیجئے تاکہ روزے میں وہ سارے اپنے کام کر سکیں۔ صرف جوس وغیرہ نہ پلائیے۔ بچوں کو نوڈلز پسند ہیں۔ آپ نوڈلز میں سبزیاں شامل کریں اور دو چار چھوٹی بوٹیاں چکن کی ملا دیں۔ بچوں کو غذائیت بھی ملے گی اور وہ شوق سے کھالیں گے۔
 تارے ہاں افراتفری میں سحری کھائی جاتی ہے۔ کھانا ختم نہیں ہوتا تو اذان ہو جاتی ہے۔ شٹھا، پانی بھی پیا جاتا ہے۔ پھر گرم چائے بھی ضرور پی جاتی ہے۔ محدہ میں شٹھا اور گرم دلوں چیزیں جالی ہیں جس سے پیٹ میں گڑبڑ ہونے لگتی ہے۔ گلا بھی خراب ہو جاتا ہے۔ اس کی احتیاط کریں۔ لڑکیاں چاہتی ہیں روزوں میں وہ اپنا وزن کم کر کے سہل بن جائیں۔ وہ اظہاری کے بعد تھوڑا تھوڑا کچھ لیتی ہیں۔ ایک پیزا رکھا ہے تو اس کا ایک سلائس کھا لیا۔ ایک سلائس میں جس میں تھوڑا سا گوشت بھی ہو اس

Digest.pk



ختم ووران

حب الہی اللہ تعالیٰ اور انسان کو دیکھنے والے لوگ اور ان کی طرف سے محبت انہوں
نے دیکھے آتے جاتے تھے یہ ان کا بھی راز ہے مگر ان کی شہادت پر ان کو اللہ تعالیٰ
ہرگز نہیں اتارے گا کہ وہ راست پر نہ آئے اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے راستے
پر بہت سی چیزیں تھیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ کے راستے پر نہ لے جائے۔



ایک شخص کا ماجرا، اس کی کامیاب زندگی ایک عورت نے پرہیز گردی

ناصر میرا بہت گہرا دوست تھا بڑا الحسام، وقت پر کام آنیوالا میں اس کے بارے حالات جانتا تھا۔

”امجد میں نے جس شکل حالات میں بی
اے کیا ہے وہ تمہارا۔ اسامی ہے، نوکری کر کے کاٹنے

Digest.pk

میں دفتر سے تمہارے ساتھ چلوں گا۔ اگر کام سیدھا ہوا تو ضرور ہو جائیگا۔"

دوسرے روز ناصر اور حاجی ارشد صاحب دفتر آئے، اس کے پاس تمام کاغذات مکمل تھے میری تھوڑی سی کوشش سے انتقال اس کے نام ہو گیا۔ مین شہر کی حدود میں تھی اس لئے بلدیہ سے نقشہ پاس کروانے تک ناصر میرے دفتر آتا رہا۔ پھر اس کا آنا جانا اچانک کم ہو گیا، میں نے بھی کوئی خاص توجہ نہ دی۔

کچھ عرصہ بعد کا ذکر ہے، میں دفتر سے چھٹی کر کے بس کے انتظار میں کھڑا تھا کہ اچانک اپنے قریب ایک گاڑی کے زکے پر چوٹا اسٹیرنگ پر ناصر بیٹھا مسکرا رہا تھا۔ اسے کئی روز کے بعد سامنے پا کر مجھے خوشی ہوئی۔

"امجد آؤ اس کے دروازہ کھولنے پر میں اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا اور اس نے گاڑی آگے بڑھا دی۔" ناصر کہاں رہے اسے روز؟"

"بتاتا ہوں ذرا دم تو لو" ناصر نے اشارہ کھلتے ہی گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے جواب دیا۔

پھر ہم ایک اعلیٰ درجے کے ریسٹورنٹ کے کونے میں بیٹھے ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔ وہ ٹاؤن تو خاصا کامیاب رہا، حاجی ارشد نے پلاٹ بھی دیا اور جو پلاٹ میں اپنی محنت سے فروخت کروانا اس کا دس فیصد کے حساب سے کمیشن بھی دیتا، کچھ میں رجسٹری کروانے کے کام سے بھی کمالیتا۔ آج کل میں خود ایک پراجیکٹ پر کام کرنے کی کوشش کر رہا ہوں، میرے ساتھ مرزا منور نامی ایک دوست سرمایہ کاری کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، ریلوے میں آڈٹ کے شعبہ میں ہیں، دعا کرو کامیاب ہو جاؤں۔" اس نے کپ میرے آگے رکھتے بتایا۔ "اور یہ گاڑی وغیرہ" میں نے چائے گا کھونچا۔ "پرچھا۔" اپنی

جگہ پر ناصر نے سر یہ اشارہ کیا بتایا۔ اچھے واقعی اس

باپ ایک پرائیویٹ فرم میں ایجنٹ تھا، تین جوان بھائی دو چھوٹے بھائی جو ابھی تک زیر تعلیم تھے۔ اوپر سے ناصر کا اپنا بھی بوجھ ابھی تک باپ کے بڑے کندھوں پر تھا۔ چائے کا بل حسب روایت میں نے ہی ادا کیا۔ پھر میں اپنے آفس اور ناصر نوکری کی تلاش میں روانہ ہو گیا۔ ناصر ہفتہ میں ایک دو بار مجھے ضرور ملتا۔ جب بھی ملتا نوکری کا ہی رونا دوتا۔ میں نے اسے پروف ریڈ کی آسانی پر کام کرنے کی پیشکش کی تھی مگر اس نے بھی کہہ کر مٹھو دی ظاہر کی کہ مسلسل ایک جگہ نظر نہیں لگا سکتا آنکھوں میں سے پانی بہنے لگتا ہے۔

مگر کچھ ہی سب سے پہلا پیغام جڑ گزبانے دیا وہ ناصر کا تھا کہ شام کو وہ گھر آئے گا اور اس نے انتظار کرنے کا پابند کیا تھا۔ میں نے ایک دو کام کرنے تھے مگر ناصر کا پیغام سن کر وہ کام دوسرے روز پر رکھ لیے۔ شام کو ناصر آیا اور آتے ہی پہلے کھانے کا کہا اور پھر شروع ہو گیا۔ "یار امجد دفتر اس لئے نہیں آیا وہاں تم توجہ سے بات نہیں سنتے۔ ایک کام ہاتھ آیا ہے مگر تمہاری مدد کے بغیر پورا نہیں ہو سکتا۔" اسی دوران بیگم نے کھانا گزیا کے ہاتھ بھجوا دیا ناصر کھانے کے ساتھ ساتھ مجھ سے باتیں بھی کرتا رہا۔

"امجد اگر دس ایکڑ کا انتقال حاجی ارشد کے نام ہو جائے تو وہ اسے ٹاؤن بنادے گا مجھے نوکری کے ساتھ ساتھ دس مرلے کا پلاٹ بھی مل جائیگا۔"

"مجھے کرنا کیا ہوگا؟" میں نے گزیا کے ہاتھ سے چائے کے برتن پکڑتے ہوئے ناصر سے دریافت کیا۔ "بس حاجی ارشد کے نام زمین کا انتقال، اس نے باقی سارا کام کروا رکھا ہے۔ تحصیلدار سے مل کر پٹواری سے انتقال کروانا ہے۔ پٹواری میری تو بات ہی نہیں سنتا۔"

"اچھا تم صبح حاجی ارشد صاحب کو ساتھ لے کر آنا"

”امید شادی میں خالی ہاتھ تو نہیں جایا جائیگا، ابھی تو تم نے پچھلے روز ایڈوائس لیا تھا، بیچ صاحب اب تو کسی قیمت پر بھی قبل از وقت نکووا نہیں دیں گے۔ وہ مقرر وقت پر ہی نکووا دے دیں تو بڑی بات ہے“ بیگم نے کوٹ پکڑتے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

”ہات تو ٹھیک ہے مگر شادی میں شرکت بھی تو ضروری ہے“ میں نے گڑیا کے ہاتھ سے چائے کا کپ پکڑتے ہوئے کہا۔

اپنی عجلت کے پیش نظر میں واقعی ناصر کی شادی میں شرکت نہ کر سکا۔ یوں شادی کی تاریخ گزر گئی۔ میرے نہ جانے پر ناصر کا مد عمل جانے کیا رہا ہوگا مگر میں اس روز بہت کمین رہا۔ پھر یہ بات بھی پرانی ہو گئی۔ شادی کارڈ پر جو پتہ درج تھا وہ میں نے اپنی دائری میں لکھ لیا تھا۔ آخر ایک روز میں، بیگم اور گڑیا بیٹی کے ساتھ اس پتہ پر پہنچ گیا جو ناصر کے شادی کارڈ پر درج تھا۔ ”گھر تو بہت خوبصورت ہے“ بیگم نے ناصر کے گھر پر نظریں گھماتے ہوئے کہا۔

”ہاں واقعی بہت پیانا گھر ہے“ میں نے بھی تائید کی۔ دروازہ کھولنے والا ناصر کا چھوٹا بھائی تھا ہمیں دیکھ کر وہ مسکرا دیا۔

”ناصر گھر پر ہے؟“ میں نے اس کے ساتھ قدم بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

”جی ہاں اپنے کمرے میں ہیں“ اختر نے بتایا اور ہمیں ڈرائیجنگ روم میں بٹھا کر اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد گھر کے دیگر لوگ بھی آ گئے۔ ناصر کے والد صاحب شادی میں شریک نہ ہونے کا گلہ کر رہے تھے میں نے معقول بہانہ بنا کر ٹال دیا۔ بیگم اور گڑیا ناصر کی والدہ اور بہنوں کے ساتھ ہاتھیں کرنے میں مصروف تھیں۔ چائے وغیرہ آگلی مگر ناصر آیا اور نہ ہی اس کی ڈیمن، میں نے دہلی آواز میں ناصر کا گھر پوچھا تو منی نے بتایا کہ بھائی جان تو سوئے ہوئے ہیں۔ ابھی سو رہے ہیں۔ میں نے بتایا تھا

پر رشک آنے لگا۔ ہم دونوں کافی دیر تک ہاتھیں کرتے رہے، پھر وہ مجھے بڑی سڑک پر اتار کر دہارہ ملنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔

گھر آ کر میں نے ناصر کے بارے میں بتایا تو بیگم لگی کو سننے مجھے اور میرے اخبار کو۔ میں خاموشی سے لباس تبدیل کرتا رہا۔ ناصر نے واقعی وہ کر دکھایا تھا جس کا اس نے ارادہ کر رکھا تھا۔ اس نے منور ٹاؤن کی بنیاد رکھ لی تھی گو وہ جگہ شہر سے خاصی دور تھی مگر اس کی دور اندیشی نہ جانے کیا تھی۔ جس جگہ اس نے منور ٹاؤن قائم کیا تھا اس کے بارے میں اشتہار دینے آیا تو بتایا کہ وہ تین ایکڑ جگہ کسی ریٹائرڈ کرنل کی تھی جس نے وہ ٹھیکہ پر دے رکھی تھی اور خود ملک سے باہر رہ رہا تھا۔ بڑی بھاگ دوڑ کے بعد اس نے وہ تین ایکڑ زمین آسان ادائیگی کی شرط پر خریدی۔ پہلی قسط تین لاکھ کی تھی جو منور نے فوراً ناصر نے مل کر ادا کر دی اور باقی رقم ٹاؤن کی فروخت کے پلانوں کی رجسٹریاں مختار عام سے کروا کر ساتھ ساتھ دیتے رہنے کا معاہدہ کیا۔ اس نے مجھے بھی دعوت دی کہ میں بھی منور ٹاؤن میں دس مرلہ کا ایک پلاٹ قسطوں پر اس سے لے لوں مگر میں نے انکار کر دیا۔ ناصر کام میں اتنا الجھ گیا تھا کہ اس سے ملاقاتوں کا سلسلہ بالکل ختم ہو گیا، میں نے بھی اسے فراموش کر دیا۔ اس نے وہ مکان بھی فروخت کر ڈالا تھا جس میں اس کا خاندان رہ رہا تھا۔ اس نے مکان فروخت کرنے کی وجہ یہ بیان کی کہ گاڑی پارک کرنے میں بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ یوں اس سے محلے والی کا نام بھی ختم ہو گیا۔

دختر آتے ہی سب سے پہلے جس چیز پر میری نظر پڑی وہ ایک خوبصورت شادی کارڈ تھا کارڈ کھول کر دیکھا تو خوشی ہوئی۔ اس پر ناصر کی شادی کا پیرامرام درج تھا، ایک جاب تمام گھر والوں کو ساتھ لانے کی تاکید لکھی تھی۔ گھر آ کر میں نے بیگم کو بتایا اسے بھی ناصر کی شادی کا سن کر خوشی ہوئی اس کے ساتھ ساتھ منور بھی۔

آپ لوگوں کا، انہوں نے اٹھانے سے منع کر دیا اور کہا کہ انہیں کہنا کہ پھر کسی روز آجائیں۔

میرے دل پر ایک چوٹ سی لگی۔ بہر حال تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد ہم لیکن کا اور ناصر کا سوٹ پیس اور حسبِ توفیق کچھ روپے دے کر واپس آ گئے۔ تمام راستے ٹیکس گم سم رہی۔ اس بات کا میرے دل پر بہت بڑا اثر ہوا۔ ناصر نے دوسرے روز کیا کئی روز تک فون نہ کیا جس کا مطلب صاف ظاہر تھا کہ وہ ہم سے ملنا پسند نہیں کرتا۔ پھر میں روزمرہ کے کاموں میں ایسا الجھا کہ مجھے کچھ یاد نہ رہا، نہ کبھی ٹیکس لے ناصر کا ذکر کیا۔

ایک روز میں ڈاک دیکھ رہا تھا کہ راولپنڈی کے نامہ نگار کی بھیجی ہوئی خبر پڑھ کر بُری طرح چونکا۔ شاید میں اس خبر کو روٹین کی خبروں میں شامل کرنا مگر خبر کی تفصیل سے پتہ چلتا تھا کہ خبر ناصر کی ہی ہے۔ اس نے اپنی بیوی کو تیز دھار آلے کی مدد سے گل کر ڈالا تھا اور خود روپوش ہو گیا تھا۔ پولیس اس کی تلاش میں تھی۔ وہ راولپنڈی کب گیا اس کا مجھے کوئی علم نہ تھا۔ میرے دل کے کسی کونے میں اس کیلئے ہمدردی کی کرن پھر جاگ اٹھی۔ سارا دن میں اس کیلئے پریشان رہا۔ دفتر سے فارغ ہو کر میں گھر جانے کی بجائے اس کے گھر کی طرف چل پڑا۔ وہاں سے معلوم ہوا کہ وہ تو کب کے گھر فروخت کر کے راولپنڈی شفٹ ہو گئے۔ میرے دل میں جو غم نہ تھا وہ یقین میں بدل گیا کہ ناصر نے واقعی قتل کر دیا ہے۔ گھر آ کر میں نے ٹیکس سے بات کی اس نے بھی اس بات کا کافی اثر لیا۔

کئی روز تک میں پریشان رہا، مجھے ناصر کے قاتل ہونے کا یقین نہ آتا مگر یہ ہو چکا تھا۔ مجھے ناصر کے لئے لٹکالے کا علم نہ تھا ورنہ ضرور رابطہ کرتا۔ ایک ترکیب میرے ذہن میں آئی اور میں نے راولپنڈی نامہ نگار کی وساطت سے ناصر کے کوائف منگوائے۔

اس نے تھانے سے ناصر کے بارے میں ایف آئی آر کے مطابق معلومات حاصل کر کے مجھے بھجوا دیں۔ اس سے یہ وضاحت ہو گئی کہ واقعی یہ کوئی اور ناصر نہیں بلکہ میرا دوست ہی ہے۔ جو معلومات نامہ نگار سے مجھے حاصل ہوئی تھیں ان کی روشنی میں یہ ثابت ہو گیا کہ ناصر ہی قاتل تھا جس نے مفرور ہونے کے بعد نہ صرف گرفتاری پیش کر دی بلکہ اپنی بیوی کے قتل کا اعتراف بھی کر لیا۔ ان باتوں کو جان کر میری پریشانی میں اور اضافہ ہو گیا۔ گھر آ کر میں نے ٹیکس سے مشورہ کیا کہ اگر وہ اجازت دے تو میں راولپنڈی جا کر ناصر سے ملاقات کر لوں؟ ٹیکس نے ٹیم رضامندی کا اظہار کیا۔

مکھولہ ملتے ہی میں دو روز کی چھٹی لے کر راولپنڈی روانہ ہو گیا۔ جیل میں ناصر تک رسائی حاصل کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوئی۔ جیلر نے جیل کی پہلی رہداری میں ملاقات کی اجازت دے دی۔

تھوڑی دیر انتظار کرنا پڑا پھر بڑے آہلی گیٹ کا چھوٹا سا دروازہ کھلا اور نمبردار کے ہمراہ ناصر میرے سامنے کھڑا تھا۔ مجھ پر نگاہ پڑتے ہی وہ جھکی سی کسی انس کر مجھ سے لپٹ گیا۔ جب مجھ سے جدا ہوا تو اس کی آنکھوں کے گوشے پھٹکے ہوئے تھے۔

"آپ اب حریف پریشہ جائیں۔" نمبردار نے دیوار کیساتھ رکھے شیٹ کی طرف اشارہ کیا۔ ہم دونوں وہاں جا بیٹھے، نمبردار شاید ہماری نگرانی پر مامور تھا ڈور ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔

"ناصر یہ سب کیسے ہو گیا؟" میں نے اس کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"اچھا حالات ہی ایسے پیدا ہو چکے تھے اگر میں ایسا نہ کرتا تو شاید پھر میں اپنا ذیلی توازن کھو بیٹھتا" ناصر نے سگریٹ سلاک کر جواب دیا۔

"شاید تمہیں پتہ ہو ہم سب مبارک باد دینے آ رہے تھے لاہور والے گھر" میں نے اے۔ اے۔ اے۔

Digest.pk

سیارہ ڈائجسٹ کی عظیم الشان پیشکش

حکفۃ النساء

شائع ہو گیا ہے!

• خواتین اسلام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری پیاری باتیں!
• قرآن و حدیث کی روشنی میں عورتوں کے لئے اسلامی عقائد، ایمان، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، ذکر، تلاوت، وظائف اور دعا کے مفصل احکام!
• اس کے علاوہ ازدواجی زندگی، نکاح، طلاق، خلع، عدت، غیبت، وراثت، توبہ، اخلاق، اولاد کی تعلیم و تربیت کے مسائل اور ان کا حل
• نرضیکہ خواتین کی دینی زندگی سنوارنے کے لئے جامع اور نایاب نسخہ جو ہر مسلمان گھرانے کی ضرورت ہے۔
قیمت: 160 روپے

سیارہ ڈائجسٹ 240 - بین البرکٹ پیام گارڈن ایجوکیشن - 37245412

"دانشمند"

ایک دفعہ کا ذکر ہے، کوئی دانشمند مضمون نگاری کے لئے سمندر کا رخ کیا کرتا تھا۔ اس کی عادت تھی کہ کام شروع کرنے سے پہلے وہ ساحل سمندر پر چھل قدمی کیا کرتا تھا۔ ایک روز وہ ساحل پر چھل رہا تھا تو اسے کچھ دور کنارے پر ایک انسانی بیولا کسی رقص کی مانند حرکت کرتا دکھائی دیا۔ وہ تجسس ہوا کہ یہ کون شخص ہے جو دن کا آغاز رقص سے کرتا ہے۔ یہ جاننے کے لئے وہ تیز قدموں سے اس کی جانب چل پڑا۔ وہ نزدیک پہنچا تو دیکھا کہ وہ ایک نوجوان ہے۔ نوجوان رقص نہیں کر رہا تھا۔ وہ ساحل پر جھکا، کوئی شے اٹھاتا اور پھر پھرتی سے اسے دور سمندر میں پھینک دیتا۔ دانش مند اس نوجوان کے پاس پہنچا اور بلند آواز میں پوچھا، "صبح بخیر! یہ تم کیا کر رہے ہو؟" نوجوان نے قدرے توقف کیا نظر میں اٹھا کر دانش مند کی جانب دیکھا اور بولا "ستارہ چھل کو سمندر میں پھینک رہا ہوں"

میں سمجھا نہیں۔ تم ستارہ چھل کو سمندر میں کیوں پھینک رہے ہو؟ سورج چڑھ رہا ہے اور لہریں پیچھے ہٹ رہی ہیں۔ میں نے انہیں پانی میں نہیں پھینکا تو یہ مر جائیں گی۔

لیکن نوجوان ایسے ساحل تو میلوں تک پھیلا ہوا ہے اور سارے ساحل پر ستارہ چھلیاں بکھری ہوئی ہیں ممکن نہیں کہ تمہاری اس کوشش سے کوئی فرق پڑے "نوجوان نے شائستگی سے دانش مند کی بات سنی، نیچے جھک کر ایک اور ستارہ چھل اٹھائی اور اسے پیچھے ہٹتی ہوئی لہروں کے اندر پوری قوت سے اچھال دیا۔ لیکن اس کے

"ہاں امجد میں بہت شرمندہ ہوں اس واقعہ کیلئے دراصل میں اتنی بڑی غلطی کر بیٹھا تھا جس کا احساس مجھے شادی کے بعد ہوا۔ آپ لوگوں کے آنے کے بارے میں امی جان نے بتایا تھا۔ امجد ایک طرف مجھے اپنے گھر میں رہتے ہوئے گھر والوں سے کھل کر بات کرنے کی اجازت نہ تھی۔ کاش میں نے اس کم ظرف اور بدکردار عورت سے شادی ہی نہ کی ہوتی" ناصر نے ڈھواں اپنے اندر جذب کرتے ہوئے ڈکھ بھرے انداز میں کہا۔

"یہ رشتہ تمہیں کیسے ملا اور کیا تمہارے گھر والوں کی پسند تھی؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں امجد، یہ میری بدقسمتی کا نتیجہ تھا۔ میرے پائر حاتی ارشد کے ایک ملنے والے دوست اعلمر بٹ جو بہت اچھے اور معزز شخصیت کے حامل تھے، ان کے حوالے سے ملا کر ان دونوں کا کیا قصور ہر اچھا دوست تو دوست کیلئے بہتر ہی سوچتا ہے۔ نسیم پر بھی لکھی اور خوبصورت تھی پہلے میں اسے ملا پھر سارے گھر والے، سب نے نسیم کو پسند کر لیا۔ نسیم راولپنڈی میں ہی ایک پرائیویٹ فرم میں ملازمت کرتی تھی شادی سے قبل اس نے ملازمت ترک کرنے کا وعدہ بھی کر لیا، میں مطمئن ہو گیا۔ کاروبار سیٹ ہو چکا تھا بیوی کا ملازمت کرنا مجھے اچھا نہ لگا اس لئے میں نے شادی قبل ہی بات کر لی۔ شادی سے کچھ روز قبل اعلمر بٹ اور حاتی ارشد نے مجھے دہلی زبان میں کہا کہ ناصر اچھی طرح دیکھ بھل کر کے شادی کرنا کیونکہ ہم نسیم کے والدین کو صرف سلام دعا کی حد تک جانتے ہیں لیکن تمہارا زندگی بھر کا معاملہ ہے۔ نسیم کا جادو میرے سر پر کسی بھوت کے سایہ کی طرح سوار تھا میں نے وہ تمام خواب پورے کئے جو ایک مجھ جیسے آدمی کے ہوتے ہیں۔ شادی کے چند روز بعد ہی مجھے احساس ہو گیا کہ شادی مجھے برباد کر کے دوڑے گی۔ نسیم کی بے بسی، غم، خرابی میرے گھر والوں کی بات کی تھی۔"

Digest.pk

گیا۔ اس نے نسیم کو دیکھا اور نئی طرح چلا۔ میں اس کی حالت دیکھ کر سمجھ گیا کہ ضرور کوئی بات ہے۔ دو تین روز تک تو اس نے کوئی بات نہ کی۔ ہم دونوں اس کی گاڑی میں اسلام آباد سے واپس آرہے تھے کہ اس نے بات چھیڑ دی۔ اس نے مجھے مخاطب کر کے کہا۔

"ناصر تمہاری بیوی کا نام نسیم ہے نا اور یہ سکندر ایڈ کپنی میں کام کرتی ہے۔"

"ہاں مگر آپ یہ سب کیسے جانتے ہیں؟" میں نے احمق دہنی پریشانی کو دہاتے ہوئے جواب دیا۔

"ناصر زیادہ باتیں کرنا پسند نہیں کرتا بس اتنا ہی کہوں گا کہ تم اس کو نوکری سے الگ کرنے کی کوشش کرو ہو سکتا ہے تمہاری بیوی کو یہ بات پسند نہ آئے مگر بہتری اسی میں ہے" یہ کہہ کر حسین نے بات ختم کر دی اور مجھے احمق دہنی لذت میں جلا کر دیا۔

شام کو گھر آکر میں نے نسیم کو نوکری چھوڑنے کی وارننگ دی جو اس نے حسب توقع ہوا میں اٹھادی۔ میں آپے سے باہر ہو گیا اور اس کے منہ پر تھپڑ دے مارا۔ احمد اسی روز سے ہمارے درمیان عداوت کی دیوار کھڑی ہو گئی۔ نسیم نے مجھ سے ایک گھر میں رہتے ہوئے علیحدگی اختیار کر لی۔ سارے گھر والے انتہائی پریشان تھے۔ اسی سارا دن بستر پر پڑی آنسو بہاتی رہیں۔ تمام چھوٹے بہن بھائی گھر میں سبے ہوئے پھرتے۔ اس مشکل صورت نے میرے گھر کو جہنم بنا کر رکھ دیا تھا۔ میں بے بسی سے رات بھر اوندھے منہ پڑا اپنی قسمت کو کوستا، ڈراما سی بات ہوتی تو وہ مجھ سے طلاق طلب کرتی۔ اس کے گھر والے اس کا پوری طرح ساتھ دیتے تھے۔ اس لئے ان سے بات کرنا بے سود تھا۔

سکندر یہاں بھی آزادی کے ساتھ آتا، دو وقت تو جیسے اس کے مقرر تھے۔ لینے بھی آتا اور چھوڑنے بھی۔ جب وہ گاڑی میں بیٹھتی اور اترتی تو دیکھنے والے لوگ ہماری طرف سبب تلووں سے دیکھتے تھے۔ میں نے مجھے ان کا جیسے سارے محلہ کی

میرے یا میرے گھر والوں کے ملنے چلنے والوں سے ایسا رویہ کہ وہ کبھی دوبارہ ہمارے گھر کا رخ نہ کریں، یہ سب باتیں ناقابل برداشت تھیں۔ جب اس کا کوئی اپنا آتا تو وہ سر سے پاؤں تک اس پر فحش ہونے کی کوشش کرتی۔ میں اس حال میں بہت پریشان رہنے لگا۔ جس بات نے مجھے یہ انتہائی اقدام اٹھانے پر مجبور کیا وہ نسیم کے پاس سکندر سے بھوی ہے، جو کسی نہ کسی بہانے راولپنڈی سے لاہور آنے جانے کے چکر میں رہتا۔ جب بھی لاہور آتا نسیم سے ضرور ملتا۔ جس روز سکندر آتا نسیم کسی کو اپنے کمرے کے آگے سے گزرنے تک نہ دیتی اگر میں کوئی اعتراض کرتا تو بدتمیزی پر اتر آتی۔ میں نے اکثر اسے نوکری چھوڑنے کا کہا مگر وہ مجھے نئی طرح جھڑک دیتی۔ اس کے رویہ سے میں اتنا دل برداشتہ رہنے لگا کہ میرا کام کی طرف سے دھیمان بکسر طور پر ہٹ گیا۔ میرے ساتھ کام کرنے والے سارے دوست ایک ایک کر کے مجھے چھوڑ گئے۔ کچھ پیسہ میں نے مکان پر لگا دیا تھا اور کچھ شادی پر خرچ ہو گیا کام ٹھپ ہو گیا تو مجھ پر ایک دوست کی اسٹیٹ ایجنسی میں نوکری کرنا پڑی۔ ادھر نسیم نے میرا مارغ خراب کر رکھا تھا۔ اس کا اصرار تھا کہ میں لاہور سے راولپنڈی شفٹ ہو جاؤں۔ پہلے پہل تو میں اسے ہٹا رہا تھا آخر میں نے بھی فیصلہ کر لیا۔ والد صاحب سے بات کی تو انہوں نے بھی یہی کہا کہ بیٹا تمہیں سکس دیکھنے کی تمنا ہے اگر بیوی اسی میں رضا مندی ہے تو اس مکان کو فروخت کر کے راولپنڈی چلے چلتے ہیں یہاں اور وہاں میں کیا فرق ہے۔ احمد اس نے لاہور والا مکان بھی فروخت کر دیا اور راولپنڈی آکر ایک چھوٹا سا مکان خریدا اور یہاں اپنی ایک اسٹیٹ ایجنسی قائم کر لی یہاں میرے ساتھ جو پارٹنر بنا وہ بہت مدبر اور پٹری کا معروف شخص تھا، حسین نام ہے اس کا۔ اب وہی میرے کیس کی بیوی کر رہا ہے۔ ہمارا کام چل گیا اس کا میرے گھر آنا چاہیے

میں نے گوشت کاٹنے والا مٹرا خریدا اور اسے اپنے لباس میں چھپا لیا۔ وقت گزرنے کے بہانے سینما میں آگیا، کوئی انگریزی فلم تھی پتہ نہیں سنوری کیا تھی بس سکرین پر مجھے نسیم اور سکندر ہی نظر آرہے تھے۔ شو ختم ہوا تو میں ٹیکسی میں بیٹھ کر نسیم کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ میرا قیاس درست ثابت ہوا سکندر کی گاڑی مکان کے آگے کھڑی تھی، میں نے ٹیکسی کچھ قاصطے پر چھوڑ دی اور پیدل ہی مکان تک آیا۔ باہر والے کمرے کے سامنے رک کر میں اندر کی آوازوں کا جائزہ لینے لگا اندر سکندر اور نسیم کی دہلی دہلی ہنسی کی آواز آرہی تھی۔ میرے اندر نفرت کی آگ بجھ کر دھڑلے لے کر بیدار ہو گئی میں نے جوش میں دروازے کو دھکا دیا تو وہ اندر کی طرف جا پڑا۔ مسہری پر سکندر لیٹا ہوا تھا اور نسیم اس کے پہلو میں بیٹھی خشک میوے کے دانے پھینچ رہی تھی۔ سکندر تو اٹھ کر بوکھا ہٹ میں اندر کی طرف بھاگا اور نسیم پر جیسے سکتے طاری ہو گیا۔ چہرا میرے ہاتھ میں تھا اور میں قصہ سے بے قابو ہو کر اس پر ہل پڑا۔ پہلے ہی وار سے اس کی گردن تن سے جدا ہو گئی۔ جب تک میرا قصہ ٹھٹھا نہ ہوا میں اس پر وار کرتا رہا۔ اس کے گھر میں کہرام مچ گیا، میں چہرا فضا میں لہراتا ہوا وہاں سے فرار ہو گیا۔ کئی روز تک بری امام کے آس پاس چھپا رہا پھر میں نے اپنی گرفتاری رضا کارانہ طور پر پیش کر دی۔

وہ خاموش ہو گیا، میں اس کی سنائی ہوئی ہاتوں میں ایسا گم ہوا کہ وقت کے گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا، میں اس سے دوبارہ ملنے کا وعدہ کر کے واپس آگیا۔ اس کی برہادی کا مجھے انتہائی صدمہ تھا کئی سال تک ناصر کا کیس چلا اس کو پانچ سال کی سزا ہو گئی میرے اور ناصر کے درمیان ایک بار پھر سالوں کا خلا حائل ہو گیا۔

نظر میں میرا تعاقب کر رہی ہوں۔ میں اپنی بیوی کو راہ راست پر نہ لاسکا مجھے محل طود پر اپنی بیوی کے کردار کے بارے میں یقین ہو چکا تھا کہ وہ سکندر کے ساتھ مل کر گناہ کی زندگی گزار رہی ہے۔ مجھ سے شادی صرف ایک دھکاوا تھی۔ کئی بار اس نے مجھے دعوت دی تھی کہ سکندر چاہتا ہے کہ تم اس سے مل کر اسٹیٹ انجنیسی قائم کر لو مگر میں اس کی چال کو خوب سمجھتا تھا کہ وہ ایسا کیوں کرنا چاہتی ہے۔ وہ ایسا اس لیے چاہتی تھی کہ سکندر کو ملنے جلنے میں اسے کوئی وقت نہ رہے۔ میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو رہا تھا مگر نسیم اپنی ڈگر سے ایک انچ نہ ہٹی۔ اب اس نے زیادہ تر اپنے ماں باپ کے گھر رہنا شروع کر دیا تھا جہاں سکندر کے آنے جانے پر کوئی پابندی نہ تھی۔ رات گئے تک وہ نسیم کے ساتھ رہتا، میں گھر میں اکیلا پڑا اس کے دیئے گاؤ پر آنسوؤں کی مرہم لگا رہتا۔

سکندر میری بیوی کے ساتھ رہ رہا تھا اور میں بے بس تھا۔ میرے والد اور والدہ نسیم کے گھر گئے تاکہ اسے سمجھائیں تو اس نے لن بزرگ ہستیوں کا بھی کوئی خیال نہ کیا اور بے عزت کر کے گھر سے نکال دیا۔ امی جان تو روتی ہوئی اندر چلی گئیں مگر والد صاحب اپنے اوپر ضبط نہ کر سکے اور بے اختیار میرے سامنے رو پڑے۔ کہنے لگے "بیٹا اس کو بھولنے کی کوشش کرو وہ تارے لائق نہیں رہی۔ اب تو اس سے کنارہ کرنا ہی بہتر ہے ہمیں تو اس سے اپنی امید نہیں تھی مگر بہو نے ہماری بزرگی کا لحاظ بھی نہیں کیا اس نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ وہ تم سے طلاق حاصل کر کے رہے گی اور وہ جو دو لاکھ روپے کی شرط ہے وہ بھی تم سے عدالت میں مقدمہ کر کے وصول کرے گی۔" یہ بتا کر والد صاحب خاموش ہو گئے۔

امجد میرے اندر طوفان اٹھ رہا تھا میں نے ایک فیصلہ کیا اور جیسے میرے اقد ایک ٹھہراؤ پیدا ہو گیا۔ شام کو میں اٹھا اور تیار ہو کر صدمہ کی ایک سنوری ٹوکری

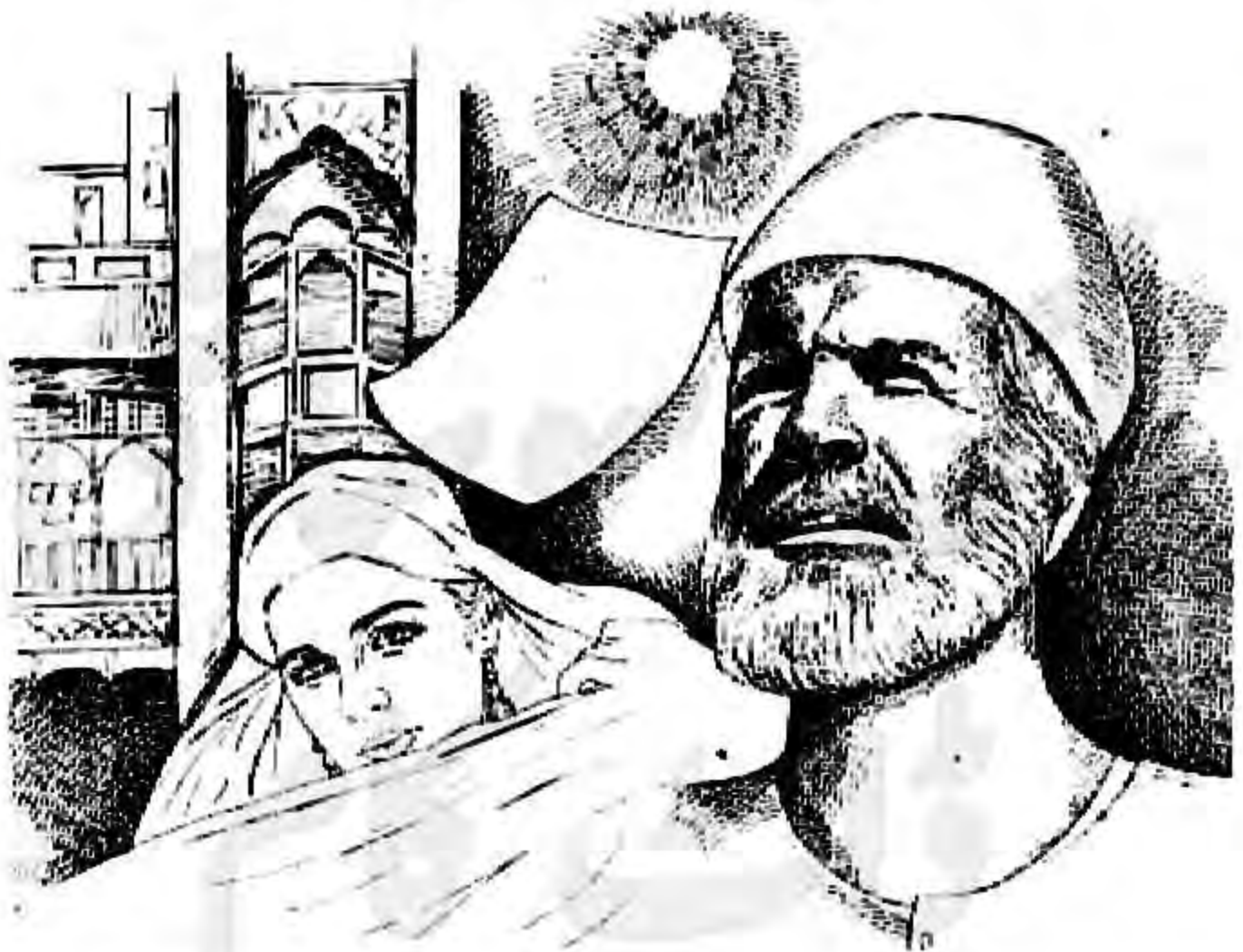
Digest.pk

سیارہ ڈائجسٹ / جولائی ۲۰۱۳ء

79

ڈاکٹر درخشاں ہاشمی

عشق بامروا



"بابائیں ہوں ایک بھڑکا ہوا مسافر، ایک بھکاری" اس نے بڑی عاجزی سے کہا۔ "چلا جا۔۔۔۔۔ یہاں کچھ بھی نہیں ہے ہم سب بھکاری اور اس کے محتاج ہیں، کس نے بھیجا ہے تجھے یہاں، چلا جا یہاں کچھ بھی نہیں ملے گا۔" اس کی آواز پر کچھ اور مریدین نکل آئے۔ اسے ہاتھ سے پکڑ کر باہر لے جانے لگے۔

ہیار کے متلاشی دودلیہ انوس کا فسانہ، جنہیں عشق کی اصل "راہ" مل گئی تھی

سرہن پہاڑی ڈھالوں پر اب شام کے سائے گہرے ہونے لگے تھے، سناٹا ہر چیز پر غالب آ رہا تھا۔ نیچے آبشاروں سے بہاؤ آ رہا تھا، پانی نالے کی موہن میں لہراتا ہوا آواز دے رہا تھا۔ شام کے چاند نے اس کی چاندی کی طرح چمکتا ہوا نظر آ رہا تھا، موسم گرما کا آغاز ہو چکا تھا مگر یہاں تو آگنی خدا کا سردا محسوس ہو رہی تھی۔ یہاں پہلے شرمیلے ہوئے تھے، اب جگہ جگہ پلے پلے لگتی اور سرخ ہو رہی تھیں۔ یہاں کی بہات تھی۔ پرندوں کی

قصائی بھی کانپ گیا۔ حالانکہ وہ خود کوئی جہی پشتی
جاگیردارنی نہیں تھیں۔ شموں اگر قصائی کی بیٹی تھی تو وہ
بھی کبھی مزار سے کی بیٹی بلکہ بیوی بھی تھیں۔

اس کے باپ کی موت کے بعد اس کی ماں
منراں بی بی نے اپنی حیثیت بنانے کے لیے ملک
دین محمد جاگیردار سے شادی کی تھی جو پہلے ہی وہ
بیویاں "بھگتا" چکا تھا۔ اب یہ اس کی تیسری بیوی تھی۔
چھ بچے پہلے ہی موجود تھے، تیسری شادی کرنے سے
پہلے دونوں بیویوں کے بچوں نے سوائے ایک حویلی
کے باپ سے سارا کچھ اپنے نام کر دیا تھا۔ صرف یہ
ایک حویلی منراں بی بی کے قبضے میں آئی تھی۔ چلو کم
ہزیم ملکانی ہی تو کہلائی۔ اب وہی مزار سے کی بیٹی کہتے
دعہ سے شموں پر حکم نامے جاری کر دی تھی۔
دو کوکروں نے اسے بھی ایسے پکڑ رکھا تھا کہ وہ مل بھی
نہیں سکتا تھا۔ پھر بھی اس نے شموں کی نکالت
کرنا چاہی تو ماں کی ایک ہی دمکی نے اسے خاموش
کر ڈالا "مل میں ملک کے سامنے تیرا کچا چھٹا کھولتی
ہوں"۔ جب بھی ان بھائی بہنوں کی کسی بات پر لن کا
غصہ بڑھ جاتا تو وہ یہی دمکی دیتیں۔ اس کا سوتا
باپ دین محمد انہیں ایسی سزائیں دیتا کہ وہ تینوں بھائی
بہن لڑاٹھتے جیسی ان کے دل میں اپنی ماں کے لئے
کوئی نرم گوشہ نہیں تھا، سوائے شرعی احرام کے۔ مگر آج
اُسے اپنی سزا سے زیادہ شموں کے اس گاؤں سے دور
چلے جانے کا تصور لڑاٹھنے لگا۔ پھر اس دن کے بعد
سے دونوں نے ایک دوسرے سے دور ہو جانے کے
خوف سے ملنے کی کوشش نہیں کی۔ مگر یہ نہیں کہ ایک
دوسرے کو بھول گئے تھے بلکہ عشق کا بھانبر تو اب پہلے
سے زیادہ بھڑکنے لگا تھا۔ دن بونہی بے مقصد سے
گزرتے گئے۔ وہ بونہی آلودہ ہادلوں کی طرح ادھر
ادھر لوٹتا رہا۔ دوسرے پہلے ہی گاؤں کے سکول سے
اس کا چکا تھا اب ملک۔ خدا سے شہر آدیا تاکہ مزید
تعلیم حاصل کر لے۔ آخر منراں بی بی کو ملک سے

آخری ڈار بھی اب بڑی تیزی سے اپنے اپنے رہن
بیسروں کی طرف اڑی جا رہی تھی، مگر ابھی تک اس کے
سفر کا انتظام نہیں ہوا تھا۔ میڑ سے میڑ سے کوچے کوچے
راستوں میں اُسے خود درختوں کی پھوٹوں سے ہوتے ہوئے
وہ تھک کر چور چور ہو چکا تھا، عام حالت میں تو ایسے
دیوان پڑیچ لور پر اسرار راستوں کا تصور ہی لڑا دینے
والا ہوتا ہے اور وہ بھی تنہا..... لیکن..... یہ..... یہ تو
عشق کا سفر تھا۔ جذبہ عشق نے ہی تو اسے یہاں تک
آنے پر اکسایا تھا۔ عشق جس کی سرشت میں ناں نہیں
ہوتی۔ جو کبھی مجنوں بن کر صحراؤں کی خاک
چھانتا ہے۔ کبھی فرہاد کی صورت میں پہاڑوں سے
دودھ کی نہریں نکالتا ہے۔ اسی کی وجہ سے ہیر کو دریا
پار کرتے ہوئے خوف آتا ہے اور نہ ہی انارکلی کو
دیواروں میں چنن دیئے جانے کا خیال پریشان کرتا
ہے۔ بقول شاعر عشق کے کوچے میں فرعون گدا یہ وہ
دنیا ہے جہاں عقل کی نہیں دل کی بات مانی جاتی ہے اور
دل ہی کی بات مانتے ہوئے تو وہ یہاں تک پہنچا تھا۔

اسے بھی اپنے ہنڈ کے قصائی کی بیٹی شموں سے
عشق ہو گیا تھا۔ جب تک وہ اسے دیکھ نہ لیتا اس کی صبح
نہیں ہوتی تھی۔ رات گئے تک وہ اس کے گھر کے آس
پاس پنکٹ کے قریب صرف ایک نظر اسے دیکھنے کے
لئے کرایا پھرتا۔ شموں کے دل تک بھی یہ آگ پہنچ چکی
تھی جیسی تو چھپ چھپ کر ملنے کے راستے نکالے
جاتے مگر بھلا بھی عشق اور محک چھپائے چھپتے ہیں۔
اسے تو ایک دو بار ماں نے برگد کے چھنا درد دشت کے
نیچے سرگوشیاں کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا تھا۔
پہلے تو شموں کو رنگ پرنگے پرانے والی پٹیا سے کھینچتے
ہوئے کرموں قصائی کے سامنے لا چھا تھا۔ "لے
سنجال اپنی کڑی، شرم نہیں آتی، سیدھے سادے
بندے کو پھانتے ہوئے۔ اب بھی منیرے کے ساتھ
نظر آئی تو وہ گھٹیا نہ آتیرا آخری دن ہوگا۔ آخری
جملہ ان کا ایسا رعبا تھا کہ کیوں نہ ان میں تھا کہ لڑائی

کاروبار دھار لیا جب شرمین کچھ عرصہ کینسر میں مبتلا رہ کر دنیا سے گزر گئی۔ کبھی کبھی خود اسے کچھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کس کا تم منارہا ہے۔ شرمین کی موت کا یا شموں کی جدائی کا۔ اس کے اس لالہ لالی پن کو دیکھتے ہوئے۔ اماں نے رشتہ داروں سے کہہ کھلا کر اس کی دونوں بیٹیوں کی شادیاں کر دادیں۔ پوتے ابھی اس عمر کو نہیں پہنچے تھے۔ ولادت سے کہہ کھلا کر انھیں اپنے سوتیلے بیٹے کے پاس لندن بھیجا اور دبا اور خود ان تمام کاموں سے فراغت پا کر ابدی خیمہ سوئی۔

دیکھتے ہی دیکھتے مات کا اندھیرا ہر چیز پر غالب آ گیا اب اس کی منزل بہت قریب تھی۔ پرندوں کی آوازیں آتی بھی بند ہو گئی تھیں صرف سناٹوں کی آواز تھی اور اندھیرے کا راج۔ اس نے اندھیرے میں اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر وہ کافور نکالی جس پر نقشے بنا کر خانقاہ تک پہنچنے کا راستہ بتایا گیا تھا۔ اندھیرے کی وجہ سے تاراج بھی نکالنی پڑی۔ وہ کچھ مست جا رہا تھا۔ ساری صبحوں کو برداشت کرتے ہوئے اس کا دل انجانی خوشیوں سے بھرا تھا۔ "اب میں شموں کو پالوں گا، میری کوئی ہوئی منزل مجھے مل جائے گی۔" کتنا جان فزا احساس تھا یہ کوئی اس وقت اس سے پوچھتا۔ "وہ جب مجھے مل جائے گی تو میں اسے پوچھوں گا کہ تیری محبت تھی تھی..... یا میری....." وہ اپنے آپ سے مسکرا کر کہتا ہوا سرخ لائٹ کی روشنی میں آگے بڑھنے لگا۔

اماں کی موت کے بعد وہ بالکل ہی ماور پندر آواز تھا۔ گاؤں میں ہوئی ایک شادی میں شموں کا میاں کسی کی انجان گولی کا شکار ہو گیا تو کتنا خوش ہوا تھا وہ۔

وہ سوچتا کیسے میرے نصیب کھلے تھے، وہ مولا..... شاید یہ سب بابے کے تعویذوں کا اثر تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اب تو شموں اس کی ہی تھی۔ وہ فضل دین کے چترے میں بھی شریک رہا تھا۔ خیر صے کے بعد شموں کو کھانا..... آنکھیں اب اسے دبا، تھک نہیں رہی

شادی کرنے کا کوئی فائدہ تو حاصل ہونا چاہئے تھا۔ انھیں کی وجہ سے تو وہ تینوں بھائی بہن داچھی سی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ ہونہ گاؤں کے باقی بچوں کی طرح جاہل ہی رہ جاتے۔

وہ برس کے بعد جب وہ واپس آیا تو اس کی محبت چھین کر کسی اور کے حوالے کی جا چکی تھی۔ یہ خبر اس کے لیے قیامت سے کم نہ تھی۔ فصد تو اسے شموں پر آ رہا تھا جس نے سنگ جینے سنگ مرنے کی قسمیں کھائی تھیں۔ مگر اب کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ دل کی دنیا آجڑ چکی تھی۔ اماں نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت آتے ہی اس کی شادی بھی کر دادی، وہ کس کے بھروسے پر انکار کرتا وہ تو کسی اور کی ڈولی چڑھ گئی تھی۔

گزرے وقت نے اسے چار بچوں کا باپ بنادیا۔ ساتھ وہ بھی تین بچوں کی ماں بن چکی تھی۔ اس دوران چاکیوار ملک دین بھی گزر گیا۔ اماں شوگر کی مریضہ ہو کر بستر سے لگ گئیں۔ اس کی بیوی شرمین جو اللہ میاں کی گائے تھی سلاماں اماں کی خدمت اور بچوں کی دیکھ بھال یا گھر بڑی میں مصروف رہتی۔ وہ تو اس کی طرف سے بھی لاپرواہ ہونے لگی تھی۔ جب راکھ میں دہلی ہوئی چنگھری پھر شگلنے لگی۔ اگر وہ دوما بھی اس پر توجہ دیتی، اس کا خیال رکھتی تو یہ چنگھری کس نہ کسی دن بجھ ہی جاتی۔ حالات کا کوئی منہ زور چھوٹا اسے سرد کر دیتا مگر وہ بھی نہ جانے کن خیالوں میں گم رہتی۔ کبھی وہ اس کا احتساب کرنے بیٹھتا تو خود اپنا ہی تصور گل آتا۔ اس نے کب اسے چاہا تھا؟ کب توجہ دی تھی وہ ساما سلاماں اپنے کاموں میں مصروف رہتا یا پھر ان ساری جگہوں پر مشغول رہتا رہتا جہاں وہ اور شموں ملتے تھے ہاتھیں کرتے تھے، آسمان کے پروگرام بناتے تھے۔ کبھی دھریک کے دھڑکنے کے جھنڈ میں کبھی نہر کے کنارے کبھی چنگھٹ کے قریب کبھی کھلے آسمان کے نیچے ستاروں کی روشنی میں، کتنا اچھا لگتا تھا گزرے موسموں کو یاد رکھنا۔

مشق کی سیریاں ہوں گے اس وقت کھلاؤں

Digest.pk

کبھی ایک وقت کی نماز بھی ادا نہیں کی تھی وہ بھی باہر اکیلے ہی اس ذکر پاک کا حصہ بن گیا..... کتنا سکون مل رہا تھا۔ آکھیں بند کیے ایک عالم استغراق میں کھو کر جیسے اسے قرار آ رہا تھا۔ جب ہی دروازہ کھلنے کی آواز پر وہ چونکا۔ "کون ہے؟" ایک بڑی گونجندہ سی آواز سنائی دی باہر آنے والا کوئی اور تھا اور یہ آواز کسی اور کی تھی۔ وہ خاموش ہی رہا۔ "کون ہے؟..... چلا جا..... چلا جا۔"

"ہاں میں ہوں ایک بھٹکا ہوا مسافر، ایک بھکاری" اس نے بڑی عاجزی سے کہا۔ "چلا جا..... یہاں کچھ بھی نہیں ہے ہم سب بھکاری اور اس کے محتاج ہیں، کس نے بھیجا ہے تجھے یہاں، چلا جا یہاں کچھ بھی نہیں ملے گا۔" اس کی آواز پر کچھ اور مریدین نکل آئے۔ اسے بازو سے پکڑ کر باہر لے جانے لگے۔ پتہ نہیں اس وقت اس میں اتنی طاقت کہاں سے آگئی، وہ تیزی سے اپنا ہاتھ چمڑ کر امد کی طرف بڑھل۔ "دیکھو بھائی..... ہاں کسی سے ملنا پسند نہیں کرتے لہذا ضد نہ کرو، جو کہہ رہے ہیں وہی کرو..... نہیں تو" مرید کی بات پر اس نے خوف سے امد جانے کا ارادہ ترک کر دیا کہ کہیں ہلاکتی جلال میں آکر اس کے کیسے کرائے پر پانی نہ پھیر دیں۔ وہ جانے کتنی مشکلوں سے یہاں تک پہنچا تھا۔

گیا تو وہ صرف محض چند گھنٹوں کی خاطر تھا مگر اب تقریباً مہینہ ہونے کو آیا تھا اتنے دنوں میں ہا بے نے ایک روز بھی اسے ملاقات کا شرف نہیں بخشا تھا بس اپنے حجرے میں بند اللہ ہو، اللہ ہو کے ورد میں مصروف رہتا۔ مریدین بھی عجیب پر اسرار قسم کے تھے۔ خاموش خاموش سے بس صرف کام کی باتیں کرتے۔ شام کو نماز کے بعد سے وہ سب بزرگ کے ساتھ مصروف الاکار ہو جاتے۔ پتہ نہیں کھانے پینے کا سامان کہاں سے آ جاتا تھا۔ بڑی پابندی سے اس وقت کا کھانا اسے بھی مل جاتا اور وہ بھی شام کو خانقاہ کے دروازے پر ذکر میں ان کے ساتھ ہوتا اور پھر کتنا وقت گزارا پاتا اسے پتہ نہ چلا..... کب تک..... کب تک..... مہمان بنے رہنا

تھی۔ اسے دیکھنے کے یہاں وہ فضل دین کے سوئم چالیسویں سب میں شریک ہوتا رہا اور پھر دنیا کی نظروں نے سب کچھ قبول لیا۔ اس سے پہلے کہ ان کی دیہانگی کوئی اور نکل کھلاتی اس کے خاندان والے جس میں شموں کا بھائی بھی شامل تھا اور اس کا بارہ سالہ بیٹا بھی، سارے آڑے آگئے۔ بیٹا ابھی ذرا چھوٹی تھی۔ گاؤں کے ملک کے بیٹے کی وجہ سے اسے شموں سے نہ ملنے کی خاموشی وارنگ دے دی گئی اور شموں کو تو گھر میں بند ہی کر دیا گیا۔ وہ ایک طرف اور ساری خدائی ایک طرف ہو گئی۔

شموں سے ملنے کے لیے آنے والی ساری عورتوں پر گہری نظر رکھی جانے لگی۔ ہر طرف سے مایوس ہو کر منیر احمد نے حامل اور نجومیوں کے در کے چکر کاٹنے شروع کر دیے۔ وہ پے پیسے کی کی تو تھی نہیں، اماں نے اتنی بڑی جائیداد جو چھوڑی تھی ان بھائی بہنوں کے نام۔ ایک دن کسی نے اسے آڑا کشمیر کی پہاڑیوں پر چلے کاٹنے والے کسی بزرگ کا پتہ دیا اور ساتھ ساتھ یہ بھی یاد کر دیا کہ وہاں تک کا سفر بہت دشوار گزار ہے۔ وہاں تک شاید ہی کوئی پہنچ پاتا ہے۔ بس سے اتر کر بھی بہت دور پیدل چل کر پہاڑی کی چوٹی پر پہنچنا کوئی آسان کام نہیں۔ مگر شموں کی خاطر وہ یہ بھی کرنے کو تیار ہو گیا۔ بس نے تو اسے دن کے بارہ بجے ہی اپنے مقام پر پہنچا دیا تھا اب باقی کا کام اس کا تھا۔

"لو اب یہ بھی مسئلہ حل ہو ہی گیا۔" خانقاہ کے دروازہ پر پہنچ کر محکم سے چند وہ بھائی لیتا ہوا بڑبڑایا۔ امد ہے "اللہ ہو" کی آوازیں آ رہی تھیں شاید مریدین وغیرہ مل کر ذکر الہی میں مصروف تھے۔ اس نے ہلکے سے بیرونی دروازہ کھٹکھٹایا پھر اچیر ساری ہلکیاں اس کے ارد گرد جمع ہو گئیں۔ وہ پتھر اٹھا کر ان کی طرف پھینکتا ہی چاہتا تھا کہ بشرے کی بات یاد آگئی کہ وہاں کی کسی مخلوق کو چھیڑنا نہیں وہ سب دوسری مخلوق ہوتے ہیں وہ سم کر دیں خانقاہ کے دروازے پر بیٹھ گیا اور امد سے مسلسل "اللہ ہو" کی آوازیں سنیں۔

آشکار قیامت ہے
شائع ہو گیا ہے
قیمت: 175 روپے

قیمت: 175 روپے

یہ ایک علمی، تاریخی، تحقیقی اور دلچسپ دستاویز ہے جس کے بغیر آپ کی لائبریری نامکمل ہے

سیارڈا کسٹ 240 ریڈیو فون 042-37245412

نمبر کا قریب یا ہے۔ لب کی بار صرف فراڈ کا انداز بدلا ہوا ہے۔" کہنے والے اپنی اپنی کہتے رہے۔ مگر اسے کسی کی پروا نہیں تھی وہ اپنی دشمن میں مست رہتا۔ رات گئے تک جانے کیا کیا پڑھتا رہتا۔ اسے وہ رات اور خانقاہ کی ساری باتیں سوچ کر بڑا سکون ملتا تھا۔ خاص کر "اللہ ہو" کا ذکر تو اس کی رگ رگ میں سما گیا تھا۔ اکثر ایک خیال اس کے دل و دماغ پر غالب رہتا، "چلا جا۔۔۔۔۔ چلا جا۔۔۔۔۔ اس سے مانگ میں تو خود اس کا محتاج ہوں یہاں کیا لینے آیا ہے، اللہ ہو۔۔۔۔۔ اللہ ہو۔۔۔۔۔ اللہ ہو" اور پھر اس کے تڑپتے دل کو ایک قرار سا آتا گیا۔ شموں کی یاد ایک ہیونے کی طرح کہیں پیچھے رہ گئی۔ یہی سکون تو وہ چاہتا تھا جو اسے شموں کو اپنے سامنے دیکھ کر بھی نصیب نہیں ہوا تھا۔ ایسا لگتا تھا اس کی تلاش مکمل ہو گئی ہو۔ اب اسے لگ رہا تھا وہ شموں کو نہیں بلکہ اپنے رب کو لا محوڑ رہا تھا۔ کتنی کتنا یہاں ہو گئی تھیں اس سے۔۔۔۔۔ کاش! اس نے کبھی سچے دل سے اسے پکارا ہوتا۔ آدمی آدمی رات کو اٹھ کر وہ ہچکیاں لے لے کر روتا اسے یاد کرتا۔ کتنی کتنی دیر تک مجھ سے میں پڑا رہتا۔ اب تو بیولا بھی تحلیل ہو چکا تھا۔ کوئی اس کے سامنے اس کا نام لیتا تو وہ بڑی لا تعلقی سے کہتا "شموں۔۔۔۔۔ کون شموں؟" اس کا تن من ایک آن دیکھی روشنی میں نہانے لگا تھا۔ اس روشنی میں ساری دنیا ماند پڑ جاتی پھر چروں کی پہچان کیا ہوتی۔

کتنے موسم یونی بیقرار سے گزر گئے۔ پتہ نہیں وہ کہاں چلا گیا تھا وہ تو سارا وقت اسی کو یاد کر رہی تھی۔ اپنے طور پر اس کا بہت سراغ لگایا مگر پتہ نہیں وہ کہاں گم ہو گیا تھا۔ جب سے منیرا غائب ہوا تھا اس کی پابندیاں بھی ختم ہو گئی تھیں۔ بچے بھی اب شادی کی عمروں کو پہنچ رہے تھے۔ مگر دل سے منیرے کی محبت کا جنون ختم نہیں ہوا تھا۔ کان والوں کی دکان میں جہاں وہ رہتا تھا۔ اس دکان میں ہمیشہ

اسے اچھا بھی تو نہیں لگتا تھا۔ کمر بھی جانا تھا سو آخری بار اس نے مریدین کی کافی خوشامدییں کیں۔ انہوں نے مجھوا اند جانے کی اجازت تو دے دی مگر دودھ پر کھینچے ہی پھر اسی آواز نے اس کی صحت پست کر ڈالی "چلا جا۔۔۔۔۔ چلا جا۔۔۔۔۔ میں خود سوالی ہوں مدت ہو گئی ہے مجھے اس سے مانگتے ہوئے۔" اس دفعہ لہجے میں کچھ نرمی تھی "اب تو مجھے یاد بھی نہیں میں کیا مانگ رہا تھا۔۔۔۔۔ مجھے کیا مانگتا ہے" اس کے سامنے ایک بڑے بڑے بے ترتیب بالوں بے شکم سی داڑھی والا ملک نما انسان سرخ سرخ آنکھیں لیے اسے گھبراہٹا تھا۔ چند لمحے اسے قہر آلود لگا ہوں سے گھومتے رہنے کے بعد وہ پھر اپنے کاموں میں مصروف ہو گیا۔ نہ جانے اس کی نظروں میں کیا تھا کہ وہ لڑ کر وہ گیا اور پھر کچھ پوچھنے کی جسارت نہ کر سکا اور واپسی کے لیے قدم بڑھا دیئے۔

اگلی صبح وہ تھا تھا تھا حال سا گھر پہنچا۔ کئی دن تک بخار میں پھنکا رہا۔ کھانے کا ہوش نہ پینے کا۔ اس کا دوست بشیرا پوچھ پوچھ کر تھک گیا۔ اس نے سمجھا کہ سفر کی تھکان نے اس کا یہ حال بنا دیا ہے مگر سفر سے زیادہ روح کی تھکن نے اسے بے حال کر دیا تھا۔ وہ اپنی روح اور ضمیر پر ایک بوجھ سا محسوس کر رہا تھا۔۔۔۔۔ آخر کیوں؟ وہ خود اپنی اس حالت پر حیران تھا۔ "بابے نے کیا کہا۔۔۔۔۔ حیرا کام ہو جائے گا، مل جائے گی وہ تجھے؟" آخر کو اس نے اس کی ڈھکتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا ماس کا ذکر تو اس کے لیے ہمیشہ ایک حذرہ جانفزا کی حیثیت رکھتا تھا۔ مگر آج نہ وہ چونکا نہ بڑبڑایا۔ بڑے سکون سے آنکھیں بند کیے پڑا رہا۔ "پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے اسے۔" بشیرے کو اب اس کی واقعی فکر ہونے لگی تھی۔ "شاید بابے نے اسے کوئی اچھی خبر نہیں سنائی" وہ بڑبڑاتا ہوا چلا گیا۔

پھر لوگوں نے دیکھا وہی آواز "بدییز منیرا اب پانچوں وقت کی نماز پاتا تھا مگر اسے انا کرنے اور اپنا زیادہ سے زیادہ وقت ذکر الہی میں بسر کرنے لگا۔" اور یہ سب کچھ اس شموں کو نے کے ساتھ کر رہا ہے۔ ایک

اس کے بارے میں اس کی خیر خیریت کے منتظر رہے۔ مگر یہ بات اب شاید بہت پرانی ہوگئی تھی۔ اب نئی نسلوں کے سچے قصے تھے، نئے بکھڑے تھے، کون کس کو یاد رکھتا، کبھی کبھی ملک دین محمد کے سوتیلے بیٹے کے حوالے سے اس کی بات چٹھڑ جاتی تو آنکھیں سادوں بھادوں کی طرح برسنے لگتیں مگر وہ لوگوں سے چھپ چھپا کر کسی کونے میں دل کا غبار ڈھال لیتی یا ساری گھڑیاں بے قرار بیقرار سی ٹپکتے گزار دیتی۔ بچے اپنی ماں کے بارے میں سب جانتے تھے۔ وہ جب آنکھوں میں کچھ پڑنے کا بیہانہ بنا کر اسے یاد کر کے رو رہی ہوتی انہیں سخت غصہ آتا تھا۔ مگر ماں تھی کچھ کہہ نہیں سکتے تھے اب تو وہ رہا بھی نہیں تھا جسے یاد کر کے وہ روئی تھی۔

اس دن وہ چالو کہار کی بیٹی کی شادی پر بھی تھی۔ وہ دلوں میں بڑی بڑے پریشان تھے۔ چھوٹی بیٹی کی شادی بھی بڑی سے پہلے چھوٹی کی شادی پر چہ گوئیوں ہو رہی تھیں لوگ وجہ جاننے کی کوشش میں تھے۔ جب انہیں سچ بولنا پڑا کہ بڑی پر جن کا سایہ ہے۔ وہ شادی کے نام پر توڑ پھوڑ شروع کر دیتی ہے۔ "اے اے تم اسے اگلی بستی کے پیچھے والے بزرگ کے پاس کیوں نہیں لے جاتی، بڑا اللہ والا ہے۔ جو بھی اس کے پاس گیا ہمارا نہیں لوٹا" خالہ زینون نے بڑے پتے کی بات بتائی اور جانے کا راستہ بھی بتا دیا۔

پتہ نہیں چالو کہار اپنی بیٹی کو وہاں لے گیا کہ نہیں مگر شموں اگلے دن ہمسائی کو لیکر حرا پر جانے کے بہانے پہنچ گئی۔ دوسری بستی کے آخری سرے پر وہ ایک بہت بڑے درخت کے نیچے آنکھیں بند کیے "اللہ ہو" کی صدائیں لگا رہا تھا۔ شام کے دھند لگے میں شکل واضح نہیں ہو رہی تھی۔ وہ دلوں قریب آگئیں اور جیت سے ادھر ادھر دیکھا۔ نہ کئی سر نہ خافہ بس ایک کہار اس اس سے بے نیاز تھا۔

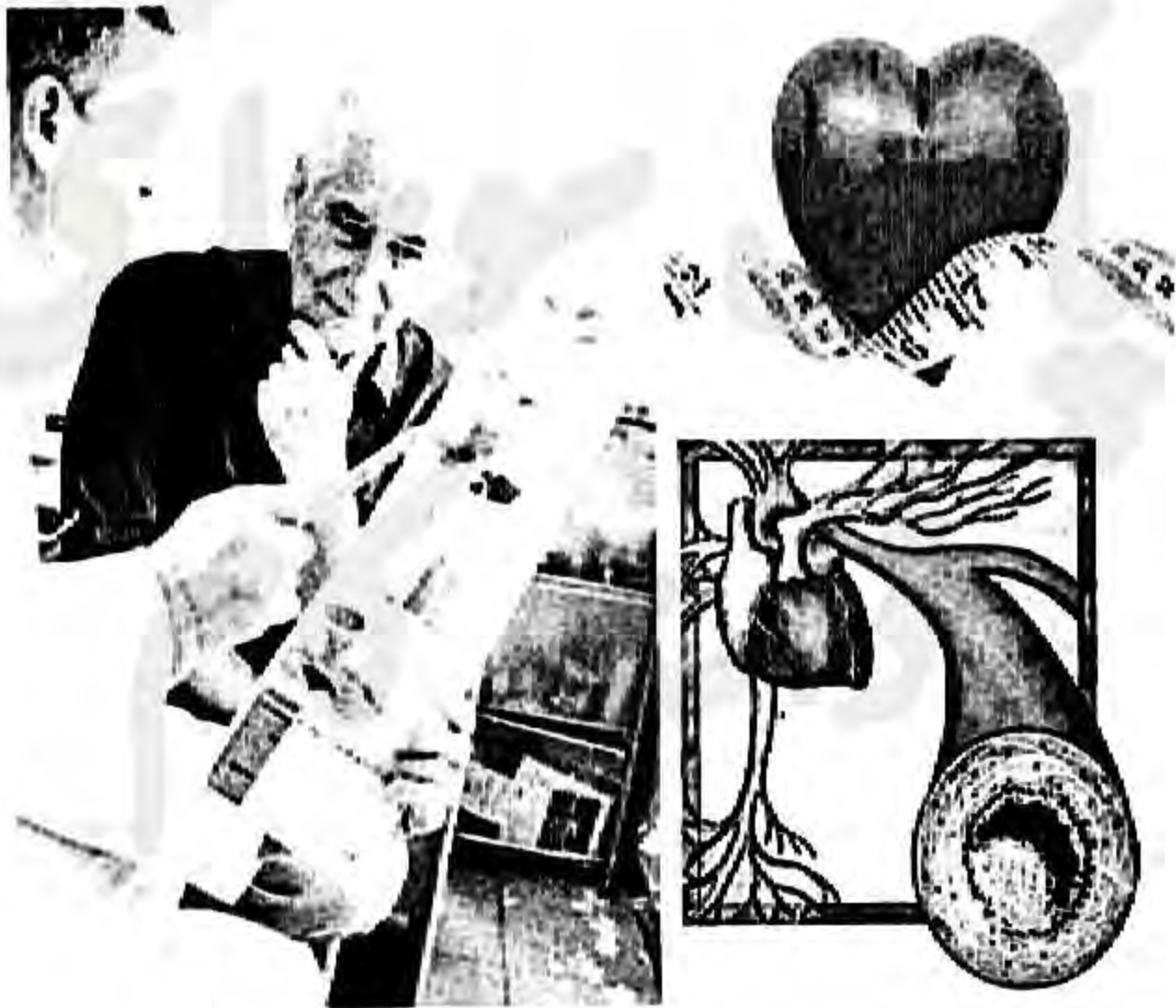
اپنی میں اتنا کھویا ہوا تھا کہ اسے کسی کے آنے جانے کی خبر نہیں تھی۔ وہ اور قریب آگئیں۔ "کون ہے؟" شاید اب اسے کچھ محسوس ہوا تھا۔ "بابا!" ہمسائی نے آہستہ سے کہا "کون ہے۔۔۔۔۔ چلی جا۔۔۔۔۔ چلی جا!" یہاں کچھ بھی نہیں ہے اس سے مانگ وہی مانگ ہے وہی داتا ہے "اس آواز کو تو وہ لاکھوں میں پہچانتی تھی۔ دل تو چاہ رہا تھا اس کا گریبان پکڑ کر پوچھے جب مجھے چھوڑ کر اس راہ پر لگتا ہی تھا تو میرے دل میں عشق کی جوت جلائی کیوں تھی۔ کیوں سارے زمانے میں، اپنے خاندان اپنی آل اولاد کے سامنے زسوا کیا تھا مجھے کہ میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہی۔ ایک زمانے نے مجھ پر لعنت بھیجی تھوکا مگر۔۔۔۔۔ مگر۔۔۔۔۔ دل نے خود کالت کی۔ وہ اکیلا اس کھیل میں شامل نہیں تھا شریک خطا تو بھی تھی۔ ایک بار قفسہ ختم ہو گیا تھا۔۔۔۔۔ بس ختم ہی کر دیتا تھا۔ تجھے تو اپنے آپ کو اپنے بچوں کے لیے وقف کر دیتا چاہیے تھا، کیا کیا ٹو نے پھر انہیں راہوں پر چلی گئی۔ ذرا تجھے خوف نہیں آیا۔۔۔۔۔ خدا کا۔۔۔۔۔ تو کسی کی بیوہ بھی ماں تھی تین بچوں کی ماں۔۔۔۔۔ لیکن۔۔۔۔۔ میں تو۔۔۔۔۔ اسے اپنا چاہ رہی تھی۔۔۔۔۔ پہلے بھی۔۔۔۔۔ اب بھی۔ اس کا دل آپ ہی آپ سوال و جواب میں مصروف تھا۔ پہلے اس کی ماں اس رات میں رکاوٹ بنی پھر میرے گھر والے؟ کیا دوسری شادی کرنا جرم ہے؟ لیکن ہمارے مذہب نے تو ایسا نہیں کہا۔ ہر انسان کو اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کا حق دیا ہے تو پھر میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟ کیوں ہوا؟ وہ بڑی دیر تک "کیوں" کی گردان پر اگلی رہی۔ "حق اللہ۔۔۔۔۔ اللہ ہو" دیرانے میں پھر نعرہ بلند ہوا۔ اس نے ہمسائی کا ہاتھ پکڑا اور پلٹ آئی۔ اسے اپنے سوالوں کے جواب مل گئے تھے۔ اللہ ہو ساری کائنات کا فلسفہ تو اسی "اللہ ہو" میں پایا ہوا تھا وہی نہ سمجھ سکتی تھی۔

Digest.pk

کولیسٹرول (Cholesterol) کو کنٹرول کیجئے

حکیم راحت نسیم سوہروردی

جن لوگوں میں ضرورت کے مطابق کولیسٹرول بنتا ہے وہ اپنی زندگی خوشگوار انداز میں گزارتے ہیں مگر جب بے احتیاطی یا کسی اور سبب بڑھ جائے تو حملہ قلب یا فالج کے امکانات ہو سکتے ہیں



میں یہ امراض سوہروردی ہیں تب بھی مناسب تدابیر سے اس خاندان کے افراد اپنی زندگی کو خوشگوار بنا سکتے ہیں۔ اس کے لیے سب سے پہلے تو یہ ضروری ہے کہ خون میں کولیسٹرول کا سطح کو متوازن رکھا جائے۔ کیونکہ جب کولیسٹرول کی سطح عادی

پاکستان میں امراض قلب کے باعث اموات کی شرح بہت زیادہ ہے۔ اگر زندگی حفظان صحت کے اصولوں کے مطابق گزاری جائے تو بڑی حد تک امراض قلب سے بچا جاسکتا ہے۔ امراض قلب کی ایک وجہ اس کا موسمیاتی ہونا بھی ہے مگر کسی خاندان

Digest.pk

خطرناک نہیں ہوتا بلکہ اس کی صرف ایک قسم کی زیادہ مقدار خطرناک ہوتی ہے۔ کولیسٹرول جسم میں کئی سرگرمیوں کے لیے ضروری ہے مثلاً

☆ دھوپ میں حاصل ہونے والی روشنی کو ٹائم ڈی میں تبدیل کرتا ہے۔

☆ اعصابی نظام کے خلیوں اور سون کو منظم طریقے سے کام میں مدد اور پیغام رسانی کو آسان بناتا ہے۔ یادداشت اور سیکھنے کے عمل میں اعصابی خلیوں کو بناتا ہے۔

☆ جسم کے خلیوں کی ہمدردی تھلیوں کے بنانے میں لازمی جز ہے۔

☆ خلیوں کے اندر اور باہر جانے کے راستوں کو کنٹرول کرتا ہے یعنی اس فیصلہ میں اہم کردار ادا کرتا ہے کہ کن ذرات کو خلیوں کے اندر جانا ہے۔

☆ جلد کے اندر ہارمون کی تیاری میں مدد دیتا ہے۔

☆ شیر رائیڈ ہارمون بنانے میں اہم ہے۔

☆ صفیر (Bile) کی تیاری کا اہم جز ہے۔

☆ جنسی کے مخصوص ہارمون ایسٹروجن اور ٹیسٹوسٹیرون کی تیاری میں مددگار ہے۔ کولیسٹرول کے جسم میں اہم کردار کے باوجود اگر یہ بڑھنے لگے تو نقصان دہ ہو جاتا ہے۔

خون میں کولیسٹرول کی زیادتی موروٹی خرابی یا غیر متوازن غذا کے سبب ہوتی ہے۔ غیر متوازن غذا میں چکنائی والی اشیاء، گائے یا بکرے کے گوشت کا زیادہ استعمال، انڈا، کھجور کا زیادہ استعمال اور ہاگادگی سے سیر یا ورزش کا نہ کرنا ہے۔ چربی یا چکنائی (Fat) پانی میں تحلیل نہیں ہوتی۔

LIPID اصل FAT کی ہی اکائی ہے۔ جس میں موجود چربی LIPID کہلاتی ہے اور مختلف طرح کی ہوتی ہے۔ جب ہم چکنائی (SATURATE FAT) یعنی یہ سے کھانے والی چکنائی استعمال

یا متوازن نہ رہے اور بڑھ جائے تو دل کا مرض ہونے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ خون میں کولیسٹرول کی سطح جب بڑھتی ہے تو اس سے خون کا دباؤ (ہائی بلڈ پریشر) بڑھ جاتا ہے۔ جس سے خون نالیوں میں جم کر ان نالیوں کو تنگ کر دیتا ہے۔ اسے طبی اصطلاح میں تصلب شریانی یا انگریزی میں ATHEROSCLEROSIS یا عام فہم میں خون کی نالیوں کا تنگ ہونا کہتے ہیں۔ اس صورت میں دوران خون درست نہیں رہتا اور خون کی گردش میں رکاوٹ کا باعث ہوتا ہے۔ اگر خون کی وہ نالی جہل کو خون فراہم کرتی ہے مکمل طور پر بند ہو جائے تو دل کے پٹوں کو نقصان پہنچتا ہے۔ اس طرح وہ اپنا کام نہیں کر پاتے اور حملہ قلب یعنی ہارٹ ایک ہو جاتا ہے۔ اس طرح وہ نالی جو دماغ کے خلیوں کو خون فراہم کرتی ہے اگر بند ہو جائے تو دماغ کو نقصان پہنچتا ہے اور انسان فالج کا شکار ہو سکتا ہے۔ پس ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر خون میں کولیسٹرول کی سطح متوازن ہے تو امکانی حد تک اس مرض سے بچا جاسکتا ہے۔

کولیسٹرول کیا ہے؟

کولیسٹرول ایک ایسا کیمیائی مادہ ہے جو قدرتی طور پر جسم میں موجود ہوتا ہے۔ مگر جسم انسانی میں کولیسٹرول بناتا ہے۔ جو مٹری صد ہوتا ہے جب کہ بقیہ ہمیں یعد خوراک کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے۔ نوجوان عمر بڑھتی ہے جسم میں کولیسٹرول کی مقدار بڑھتی جاتی ہے۔ پچاس سال کی عمر کے بعد سال میں ایک بار ضرور چیک کر دینا چاہئے۔ جسم کو مختلف سرگرمیوں کے ذریعے کولیسٹرول کی ضرورت رہتی ہے جن لوگوں میں ضرورت کے مطابق کولیسٹرول بنتا ہے وہ اپنی زندگی خوشگوار انداز میں گزارتے ہیں مگر جب بے احتیاطی یا کسی اور سبب بڑھ جائے تو حملہ قلب یا فالج کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ کولیسٹرول

Digest.pk

بانتیں ملازموں کی

مالکن "تمہیں امید ہے کہ ہمارے ہاں کب تک کام کر لوگی؟ اس سے پہلے تم بہت سی جگہوں پر کام کر چکی ہو۔"

ملازمہ: میں نے کسی بھی جگہ سے خود بھی تو کڑی نہیں چھوڑی۔

بڑا مالکن کچن میں بیٹھی تو اس نے خاناماں کو بڑے بڑے مڑے سے بروسٹ اڑاتے ہوئے کوئلڈرنک پیتے دیکھا۔ مالکن حیرت سے بولی "تم چھپ چھپ کر یہ سب چیزیں کھاتے ہو۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تم نے مجھے حیران کر دیا۔"

آپ نے بھی مجھے حیران کر دیا ہے بیگم صاحبہ! خانماں سنبھل کر بولا۔ میں تو سمجھا تھا کہ آپ باہر مگنی ہوئی ہیں۔

(مرسلہ: محسن افغانی۔ ٹوپہ لک سنگھ)

بڑھنے نہ دیا جائے۔ اگر یہ مقدار بڑھ جائے تو ہمارا چمک کراتے رہیں بڑھنے کی صورت میں اسے نارمل سطح پر رکھنے کی تدابیر کی جائیں کیونکہ یہ مقدار بڑھنے کی صورت میں مسائل صحت پیدا ہو سکتے ہیں۔

کولیسٹرول کی اقسام

کولیسٹرول کی دو اقسام ہیں ایک Low Density Lipoprotein (LDL) ہے جو جگر سے خون کی نالیوں کے ذریعے جسم کے دوسرے حصوں میں جاتا ہے۔ یہ محرق قلب ہے۔ اس سے خون کی شریانوں میں ٹھکے (Atheroma) بن کر ان کی تہہ پر جسم کو تنگ کر دیتے ہیں۔ اس طرح دل و دماغ کو خون کی پوری فراہمی نہیں ہوتی اور مسائل صحت پیدا ہوتے ہیں۔

دوسری قسم HDL کولیسٹرول (High Density Lipoprotein) ہے جس کی

خاندان کی نالیوں کے ذریعے جسم کے دوسرے حصوں میں جاتا ہے۔ یہ محرق قلب ہے۔ اس سے خون

کرتے ہیں۔ یہ بہت سخت کیمیائی ساخت رکھتی ہے۔ اس لیے زیادہ توانائی فراہم کرتی ہے۔ کولیسٹرول بنانے کے عمل میں اس کی موجودگی لازمی ضرورت ہے۔ جس میں جس قدر یہ چکنائی ہوگی اتنا ہی کولیسٹرول زیادہ بنے گا۔ کولیسٹرول خون کی نالیوں میں تحلیل نہیں ہوتا بلکہ ایک سے دوسری جگہ منتقل ہونے کے لیے Lipoprotein کا سہارا لیتا پڑتا ہے۔ جو کئی قسم کا ہوتا ہے مثلاً HDL, LDL, VLDL۔ لائیپو پروٹین کولیسٹرول کے آغاز سے اختتام تک کے سفر میں کام کرتے ہیں۔ اس لیے لیبارٹری ٹیسٹ میں کولیسٹرول کو جانچنے کے لیے انہی کی مقدار کو جانچا جاتا ہے۔ جگر میں پتے کے ذریعے زیادہ کولیسٹرول تبدیل ہو کر ہائل ایسڈ Bile Acid بنتا ہے۔ جو آنت اور پھر جسم سے خارج ہوتا ہے۔ کولیسٹرول کی زیادہ مقدار چکنائی کی موجودگی، جگر میں خرابی پتے میں کولیسٹرول بڑھا کر پتے کی پتھری کا سبب بنتی ہے۔ بعض خاندانوں میں نسل در نسل کولیسٹرول بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ ان میں موٹاپا اور امراض قلب کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ موٹاپا بذات خود کولیسٹرول بڑھنے کی ایک بڑی وجہ ہے۔ غذا میں چکنائی والے ذرائع کا استعمال کولیسٹرول بڑھنے کی اہم وجہ ہے۔ جب کولیسٹرول کی مقدار نارمل سے بڑھ جائے تو خون کی شریانوں کی تہہ میں جسم ان کو تنگ کر دیتا ہے۔ جس سے خون کی روانی متاثر ہوتی ہے اور مسائل صحت خصوصاً امراض قلب کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔

کولیسٹرول کی سطح

جدید میڈیکل سائنس کے مطابق خون میں دوسرے دوسو چار سو ملی گرام تک نارمل مقدار ہے۔ مناسب یہ ہے کہ اس مقدار کو دوسو ملی گرام کے

Digest.pk

ہیڈو کی خوش خرم گزار ہے اور نماز، تہجد کی سے ادا کریں۔

جدید تحقیق

ماہرین طب و صحت نے ایک تحقیق میں بتایا ہے کہ لیپو پروٹین میں کمی کی مقدار اتنی خطر خوار ہے کہ اسے کسی حد تک سٹائیز ایویات پر ترجیح دی جاتی ہے یا پھر اسے متبادل کے طور پر اپنایا جاسکتا ہے۔ سٹائیز لڈیہ سے مراد وہ لڈیہ ہیں جو امراض قلب کے مریضوں کو ان کے جگر میں کو لیسٹرول کی پیداوار کی سطح کو ایک خاص حد تک رکھیں۔ نوراسٹو (کینیڈا) کی پونڈروشی میں ہونے والی تحقیق کے مطابق جو ڈاکٹر ڈیوڈ چنگلیس کی سربراہی میں ہوئی ہے۔ میں کہا گیا ہے کہ اس طرح وہ لوگ بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو صرف سبزیوں کا استعمال کرتے ہیں۔ اس رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ اگرچہ سٹائیز لڈیہ کے استعمال سے علاج معالجہ کے عمل میں بڑا فرق سامنے آیا ہے تاہم ہم اب تک اس طرح اتنی ہی پیش رفت کر سکتے ہیں۔ واضح رہے کہ امریکہ میں 45 سال یا اس سے زیادہ عمر والے لوگوں میں سے ہر چھ افراد کو لیسٹرول گھٹانے والی لڈیہ استعمال کرتا ہے۔ اس رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ اس تحقیق میں یہ بات پیش نظر رکھی گئی کہ خواہاک کی تبدیلی اور لڈیہ کے استعمال کے بغیر نقصان دہ کو لیسٹرول LDL پر کس حد تک قابو پایا جاسکتا ہے۔ 351 افراد پر ہونے والے تجربات کے بعد یہ نتیجہ سامنے آیا کہ کو لیسٹرول میں کمی کا یہ فرق بہت زیادہ ہے۔ لوگوں کی کافی بڑی تعداد لڈیہ پر انحصار کرتی ہے تاہم اصل معاملہ خواہاک کا ہے۔ اس رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ لڈیہ استعمال کرنے والے خیال کرتے ہیں کہ وہ جس طرح کی چاہے غذا استعمال کریں، یہ لڈیہ کو لیسٹرول کو بڑھنے سے روک لیں گی۔ جبکہ انہیں یہ خواہاک کا اہم کردار ہے۔

کی تالیوں میں گھٹے (Atheroma) بننے لگیں دیتا بلکہ چکنائی کو اپنے ساتھ بہاتا ہوا جگر میں پہنچا دیتا ہے۔ جہاں سے خوب صاف ہو کر جسم کے مختلف حصوں میں چلا جاتا ہے۔ ورزش اور جسمانی سرگرمیاں HDL کو جسم اور خون میں بڑھا دیتے ہیں۔ اس طرح امراض قلب خصوصاً حملہ قلب کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔

ٹرئی گلیسر ایڈز (Triglycerides) کی بڑھتی ہوئی سطح بھی چکنائی کی ایک قسم ہے جو چکنائی اور شکر کے زیادہ استعمال سے بنتی ہے اس کی نازل مقدار 150 ملی گرام فی سولی لیٹر ہے۔ یہ خون کو گاڑھا کرتی ہے جس سے دل کو جانے والا خون گاڑھا ہو جاتا ہے۔

کو لیسٹرول کو بڑھانے سے

روکنے کی تدابیر

ہم حوالن غذا کے استعمال سے خون میں کو لیسٹرول کو بڑھنے سے روک سکتے ہیں اور اس طرح کو لیسٹرول کی سطح نازل رکھ سکتے ہیں۔ اس کے لیے

- ☆ گوشت کا استعمال کم کریں۔
- ☆ سبزی خوردی کی عادت اپنائی جائے۔
- ☆ وزن نہ بڑھنے دیں۔ وزن کی زیادتی سے دل کو گردش خون کے لیے زیادہ کام کرنا پڑتا ہے۔
- ☆ قابو (ریٹھ دار) سبزیاں اور پھل زیادہ استعمال کریں۔

☆ مچھلی کا استعمال مفید ہے۔

☆ غیر سیر شدہ تیل استعمال کریں۔

☆ اناج، دالیں، چاول اور آلو کھائیے۔

☆ سیر یا ورزش کو معمول بنائیے۔

☆ حیاتین ج (Vitamin C) والی غذائیں زیادہ لیں۔

☆ تمباکو نوشی سے پرہیز کریں۔

☆ دلی دباؤ، اعصابی تناؤ اور لچریشن سے

محفوظ رہیں۔

Digest.pk

آن

بہار انصاری

ٹوہی سکاؤٹس کی قبیلہ کی ایک لوجوان خوبصورت لڑکی کو اٹھالائے اور اس کو قلعے کی چار دیواری میں لا قید کیا۔ قبیلے کے لوگوں کو معلوم ہوا تو ان کے غیظ و غضب کی آگ بھڑک اٹھی اور دیکھتے ہی دیکھتے قبیلے کے سینکڑوں لوگ ہندو قیس ہوا میں لہراتے میرانشاہ کے قلعے تک آ پہنچے۔

ایک درخیز و کی کہانی، جو خلاق کی روایات کی سمیت چڑھ گئی

۱۹۴۵ء میں مجھے بھی میران شاہ میں رہنے کا اتفاق ہوا ہے۔ میران شاہ کے آس پاس کے دیہا علاقوں میں مختلف قبائل آباد ہیں جو ہمیشہ سے انگریز اور انگریزی حکومت کے خلاف نبرد آزما رہتے آئے تھے۔ پاکستان بنے صرف سات سال ہوئے تھے اور حکومت پاکستان کی جانب سے کسی نہ کسی طرح ان

پاکستان کے شمالی مغربی سرحدی صوبہ بنوں سے آگے وزیرستان کے علاقے میں ایک چھوٹی سی جگہ ہے میرانشاہ میرانشاہ افغانستان اور پاکستان کی سرحد پر ایک پہاڑی مقام ہے جو افغانستان سے پاکستان آنے والوں کے لیے ایک دروازے کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ جگہ بلند و بالا پہاڑی سلسلوں کے دامن میں آباد ہے۔



Digest.pk

بیشیاں۔۔۔ ادا نیت کی روشنی میں
 ☆ تم میں سے بہتر وہ ہے جس کے ہاں پہلی
 ولادت ہو۔
 ☆ جس نے ایک بچی کی پرورش کی وہ جنت میں
 جائے گا۔
 ☆ تمہاری اولاد میں سے بہترین لڑکیاں ہیں۔
 ☆ تم پر سب بچوں (لڑکوں اور لڑکیوں) کے
 حقوق عائد ہیں۔
 ☆ کسی بھی کام کی ابتدا شیوں سے کرنا میری
 سنت ہے۔
 ☆ جو کوئی دلا کیوں کے ساتھ حسن سلوک کرے
 (یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائیں) وہ جنت میں ایسے
 داخل ہوگا جیسے میرے ہاتھ کی دالکیں، مقام اگر ہے
 کہ جس بچی کو نبی ﷺ اتنی اہمیت بخش رہے ہیں
 اسے اس معاشرے میں کوئی مقام حاصل نہیں ہے۔
 (نصیم احمد)

کرتے۔ اکثر یہ لوہی سکاؤٹس پہاڑیوں اور
 دیہاتوں میں جا جا کر ایسے دہشت پسندوں کو گرفتار
 بھی کرتے تھے جو اس خطے کے امن وامان میں دخل
 اندازی کے مرتکب ہوتے۔ گرفتار ہونے کے بعد یہ
 لوگ میرانشاہ کے قلعے میں لائے جاتے جہاں ان
 لوگوں کو قید کر دیا جاتا تھا۔ میرانشاہ کا قلعہ پرانے
 زمانے کا ایک مضبوط اور بہت بڑا قلعہ تھا۔ یہ قلعہ کیا
 تھا اس میں ایک دنیا آباد تھی۔ اس قلعے میں پولیس کل
 ایجنٹ کا دفتر اور اس کی رہائش گاہ تھی۔ پولیس کل
 ایجنٹ حکومت کی جانب سے مقرر کیا ہوا وہ اعلیٰ ترین
 اور اختیار اطر تھا جو پورے علاقے کا کنٹرول
 سنبھالے ہوتا تھا اور اس علاقے میں امن وامان
 برقرار رکھنے کا ذمہ دار تھا۔ پولیس کل ایجنٹ کے علاوہ
 ایسی سکاؤٹس کا ہونا ضروری رہائش گاہ خزانہ اور

آزاد قبائل کو یہ ہادر کرانے کی کوشش کی جا رہی تھی کہ
 اب انگریزوں کو صغیر کو چھوڑ کر چائے ہیں۔ مسلمانوں کا
 علیحدہ آزاد ملک پاکستان وجود میں آچکا ہے اور
 انگریز کی غلامی سے نہ صرف اس ملک کے باشندے
 آزاد ہو گئے ہیں بلکہ تمام قبائل بھی اس خطے کو آزاد
 خیال کرتے ہوئے اپنے آپ کو ہر طرح کی غلامی کی
 قید سے آزاد سمجھیں۔

پورے شمال مغربی سرحدی صوبہ کے آزاد قبائل جو
 ابھی تک دیہاتوں میں رہتے ہیں اپنی روایتی قبیلہ
 پروری کی بنا پر مشہور ہیں۔ یہ لوگ ہر قیمت پر اپنی آزادی
 کو برقرار رکھتے ہیں لیکن ساتھ ہی مختلف قبیلوں کی آپس
 میں دشمنی ہمیشہ قتل و خون کا ہادر گرم کرتی رہتی ہے۔
 میرانشاہ کے مضاماتی علاقوں میں بسنے والے
 قبائلی لوگوں کا ذریعہ معاش کھیتی باڑی اور پانچابی تھا۔ وہ
 لوگ اجناس اور بھل وغیرہ لے کر میرانشاہ کی چھوٹی سی
 منڈی میں آتے تھے اور اپنا لایا ہوا تمام سامان فروخت
 کرنے کے بعد اپنی ضرورت کی اشیاء اور روپیہ وغیرہ
 لے کر دیہاتوں میں واپس چلے جاتے تھے۔

لیکن یہ بات نہایت تشویش ناک تھی کہ آئے
 دن ان قبیلوں کی آپس میں جنگ چھڑی رہتی اور
 وزیری قبائلیوں میں ایک دوسرے پر حملہ کرنے کا
 رجحان موجود تھا۔ کئی چوڑی جیسے پہاڑیوں کی اوت
 سے ایک قبیلہ کے لوگ اپنے دشمن قبیلہ کے لوگوں پر
 گولیوں کی بوچھاڑ کرتے اور اکثر اوقات تو ہا قاعدہ
 میدانوں میں آئے سائے صف آرا ہو کر مقابلہ ہوتا
 اور دیکھتے ہی دیکھتے لاشیں بکھر جاتیں۔

اس قسم کی صورت حال سے بچنے کے لیے
 قانون کی اتنی گرفت تھی کہ ایسی ”جنگوں“ کا ہوتا چلنے
 پر میرانشاہ سے ٹوہنی سکاؤٹس ان آزاد علاقوں میں
 پہنچ کر گولیاں برساتے اور ان قاطانہ اور وحشیانہ
 کارروائیوں سے ان لوگوں کو باز رکھنے کی کوشش

کہ قیدی بنانا ہے تو مردوں کو بناؤ ہماری عورتوں کو کسی کو چھونے کی جرأت نہیں ہو سکتی۔ پورے ماحول میں کشیدگی بڑھ گئی تھی۔ ہر کوئی یہ سوچتا کہ نہ جانے اب کیا ہوگا۔ قیلے والے ایک لمحہ بھی لڑکی کو قلعے میں نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ بلکہ یہی نہیں انہوں نے طرح طرح کے شبہات اپنے دل میں قائم کر کے یہ تاثر پیدا کر لیا تھا کہ پرانے بس میں اُن کی لڑکی کے ساتھ کچھ بھی کیا جاسکتا ہے۔ اس خیال کے تحت وہ لوگ جوش دے چینی میں بھرے جا رہے تھے۔ دن دھلے تک کسی قسم کا کوئی افسیہ نہ ہو سکا تھا اور قیلے والوں نے بدستور قلعے کا گھیراؤ کیے رکھا۔

پہلے کل لیڈٹ کو جب ان تمام واقعات کا علم ہوا تو اس نے فوری طور پر لڑکی کو رہا کر دینے کا حکم صادر کیا اور رات کی آمد کے ساتھ ہی لڑکی کو قلعے کے صدر دروازے سے باہر نکال دیا گیا۔ لڑکی سر جھکائے نیچی نظریں کیے قلعے کے صدر دروازے سے برآمد ہو کر اپنے قیلے کے لوگوں میں جا شامل ہوئی۔

لیکن دیکھنے والوں نے دیکھا کہ لڑکی کو ایک قید سے رہائی دلانے کے بعد قیلے والوں نے اس کو قید حیات سے بھی رہائی دلا دی۔ بندوبست کی چند گولیاں لڑکی کے سینے کے پار ہو چکی تھیں اور وہ خوبصورت نوجوان لڑکی وہیں ڈھیر ہو گئی۔ لڑکی کی لاش کو کاندھے پر ڈال کر یہ لوگ بو جمل دل کے ساتھ اپنے گاؤں کی سمت روانہ ہوئے اور یہ بتا گئے کہ ہمارے قیلے کی یہ لڑکی جس پر فیروں کا سایہ پڑ چکا ہے اب ہمارے قاتل نہیں ہے۔ کون جانے یہ اپنی صحت کے نایاب موتی کی حفاظت بھی کر سکی یا نہیں۔ اس کا زعمہ رہتا ہم لوگوں کے لیے ہمیشہ۔ بے فیرتی اور بے عزتی کی علامت بنا رہتا اور اس طرح یہ نوجوان لڑکی وزیرستان کے قیلے کے لوگوں کی روایت کی بحیثیت چڑھ گئی۔

حکومت کا تمام عملہ بھی اسی قلعے میں تھا۔ یہی نہیں بلکہ اس قلعے میں ایئر فورس کے چھوٹے جہازوں کا ایک سکواڈ بھی تعینات تھا۔

جب قبائلی لوگوں کی جنگ ٹوہٹی سکاؤٹس کے قابو سے باہر ہو جاتی تو پہلے کل لیڈٹ کے حکم سے فضائیہ کے جہاز حرکت میں آتے یہ جہاز قبائلیوں کے جنگی علاقے میں نیچی پرواز کر کے یا تو صرف ڈمانے کے لیے چکر لگایا کرتے یا پھر گولیاں برساتے تھے اور اس طرح لانے والے منتشر ہو جایا کرتے تھے۔

گو اس بات کو تمام قبیلوں کے لوگ اچھی طرح جان چکے تھے کہ اُن کا اذلی دشمن انگریز ان کے علاقے سے جا چکا ہے اور اب حکومت صرف مسلمانوں کی ہے لیکن یہ لوگ پھر بھی اپنی آرزو زندگی میں کسی طرح کے قانون کی مداخلت کو برداشت نہیں کر سکتے تھے وہ اپنے علاقے میں آزاد رہنا چاہتے تھے۔

ہوا یہ کہ ٹوہٹی سکاؤٹس کسی قبیلہ کی ایک نوجوان خوبصورت لڑکی کو اٹھا لائے اور اس کو قلعے کی چار دیواری میں لاقید کیا۔ قیلے کے لوگوں کو معلوم ہوا تو اُن کے غیض و غضب کی آگ بھڑک اُٹھی اور دیکھتے ہی دیکھتے قیلے کے سینکڑوں لوگ بندوبست ہوا میں لہراتے میرانشاد کے قلعے تک آ پہنچے۔ قلعے کا صدر دروازہ بند تھا اور قبیلوں پر حسب معمول گارڈ موجود تھے۔ قیلے والوں نے لڑکی کی واپسی کا مطالبہ کیا اور یہ بات واضح طور پر بتادی کہ اگر فوری طور پر لڑکی اُن کے حوالے نہ کی گئی تو یہ لوگ کسی بات کی پروا کیے بغیر قلعے کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے اور جان پر کھیل کر لڑکی کو لے جائیں گے۔ لڑکی کو اٹھا لے کر ٹوہٹی سکاؤٹس کی فیت کچھ بھی رہی ہو لیکن بظاہر اُن کا موقف یہ تھا کہ یہ لڑکی ہماری قیدی ہے اور دیگر قیدیوں کے ہر قلعے میں لائی گئی ہے۔ قیلے والے اس بات کو کہنے پر تیار نہ تھے۔ اُن کا کہنا تھا

”مسٹر جیک“

راؤ حسن ناصر

سرکش مسٹر جیک نے کہا ”اچھا ہے انہیں سے اس کو غلام بنانے کی ابتداء ہو چکی۔“
 ”فورا خیدہ مسٹر جیک نے بیچ میں ٹانگ اڑاتے ہوئے کہا، ”مگر میری نظر مسلسل اسی پر تھی صرف تمہوڑا سال آؤٹ ہوا تھا کہ جس پر اس کے سپردانہ نے اس کی اتنی کلاس لے لی۔ ذرا دیکھو اس لڑکے کا چہرہ لگتا ہے ابھی رووے گا۔۔۔۔۔“



دو دروازے ہر کام کے لیے ہر اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف تھے

جیک کیا بات ہے اس کی ”دراز قد ایسا جیسا پرانے زمانے کا راجپوت ہو۔ شاید چوٹ دواچی کا تو ہوگا۔ مگر کاتھ میں ڈبلا سا ہے۔ خیر لگتا ہے پوری ٹیکسٹائل مل کا سارا نام ہی سنبھال رہا ہے۔ مزدور اس کے بغیر کام کا سرچائی نہیں کئے گا۔ اسے جیک لگتا ہے۔“

مسٹر جیک کہنا درست ہوگا۔ مگر اس ٹیکسٹائل مل میں دو جیک ہیں۔ ایک اکڑا ہوا ”سرکش“ لگتا ہے اسے مزدوروں سے خاص دشمنی ہے جبکہ دوسرے غی پن میں تو ملجم ہے اور ملجم میں غی پن کی۔ اس میں غی پن کی ہے کہ

Digest.pk

خشک میوے کھانے والے

طویل عمر پاتے ہیں

ایک امریکی تحقیق کے مطابق خشک میوہ جات کھانے والے افراد کی عمر بظاہر طویل ہوتی ہے۔ طبی جریدے نیو انگلینڈ جرنل آف میڈیسن میں شائع ہونے والی تحقیق کے نتائج سے ظاہر ہوتا ہے کہ روزانہ کی بنیاد پر خشک میوے کھانا زیادہ فائدہ مند ثابت ہو سکتا ہے۔ امریکی محققین کے مطابق ممکن ہے کہ خشک میوے کھانے والے افراد کا طرز زندگی صحت مندانہ ہو لیکن خشک میوے بھی لن کی طویل العمری میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ تاہم برٹش ہارٹ فاؤنڈیشن کا کہنا ہے کہ اس دعوے کو ثابت کرنے کے لیے مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔ اس تحقیق کے دوران 30 برس کے عرصے میں ایک لاکھ 20 ہزار افراد کا جائزہ لیا گیا اور پتہ چلا کہ جو لوگ باقاعدگی سے خشک میوے کھاتے رہے ان کے اس عرصے میں مرنے کے امکانات کم رہے۔ برٹش ہارٹ فاؤنڈیشن سے تعلق رکھنے والی سینئر ماہر خوراک و کھور یہ ٹیلر کا کہنا ہے کہ باقاعدگی سے میوہ جات کھانے اور دل کی بیماری سے ہلاکت کا یہ ایک دلچسپ تعلق ہے۔ ہمیں اس امر کی تصدیق کے لیے مزید تحقیق کی ضرورت ہے کہ آیا میوہ جات ہی دل کی حفاظت کرتے ہیں یا اس میں ان افراد کے طرز زندگی کا بھی عمل دخل ہے۔

(مرسلہ: حیدر ناظم - لاہور)

اور جانب مبذول نہ ہو۔ اسی لیے ان کی اجرت کا پیمانہ بہ رکھا جاتا ہے کہ بہت زیادہ رہنے کے قابل رہے۔ ان کے لیے بھی اعلیٰ عہدہ حاصل کرنے کے قابل

مزدوروں کو اس سے بات کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی اور یہ بھی مزدوروں کا مکمل ساتھ دیتا ہے۔

”دیکھو نیا لڑکا آیا ہے۔“

غیدہ مسٹر جیک نے سرکش مسٹر جیک سے کہا: ”کتنا مصوم ہے بے چارہ لگتا ہے اب تک اس کی پرورش اس کی ماں کے ہاتھوں میں ہوئی ہے کیونکہ اس کی چال و حال بھی بتا رہی ہے اور تم اس کے چہرے پر مصومیت دیکھو اور ساتھ ہی مصومیت کے پیچھے چھپا ہوا خوف۔“

سرکش مسٹر جیک نے اس کی بات کانٹے ہوئے کہا: ”نیا لڑکا نہیں بلکہ نیا غلام کہو۔ یہ بھی جنگل کے گھوڑے کی طرح سرکش ہوگا مگر اب اسے یہاں لگام ڈالی جائے گی۔ اب اسے معلوم ہوگا کہ دنیا کبھی کبھی ہے؟ اور دنیا داری کیسے کی جاتی ہے؟ اگر یہ مضبوط اعصاب کا مالک ہوگا تو سنبھل جائے گا، ورنہ صرف ایک مٹھین بن جائے گا کہ جسے دوسرے لوگ پینڈل کریں گے۔“

غیدہ مسٹر جیک نے کہا کہ میں تو اس کے ساتھ مکمل تعاون کروں گا۔ سرکش مسٹر جیک نے کہا: ”بس یہی وجہ ہے کہ میری قم سے نہیں ہفتی، مانتا ہوں کہ ہم دونوں ہم نام ہیں مگر تمہاری اور میری سوچ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ سو پار قم سے کہہ چکا ہوں کہ یہ لوگ غلام ہیں اور ان کی آنے والی نسلیں بھی مکمل غلام ہوں گی۔ انہیں ملے ہی تمہاروں کے دن بھی اسی لیے قحطی سے کام پر بلایا جاتا ہے تاکہ ان کے اذہان اور لاشعور میں یہ بات کہے بغیر ڈالی جائے کہ تم غلام ہو تمہاری خوشی غمی کچھ نہیں! نہ ہی تمہارے لیے تمہارے اہل و عیال اور دوست و احباب اہم ہیں۔

اگر تمہارے لیے کوئی چیز اہم ہے تو وہ تمہارا کام ہے اور کام کا دباؤ آگیا ہے لگتا جاتا ہے کہ ان کو تو تمہارا

Digest.pk

سیارہ ڈائجسٹ کی ایک اور عظیم پیشکش



شائع ہو گیا ہے

قیمت: 160 روپے

- ① نقشہ ارض القرآن مع اہم قرآنی مقامات کی نشان دہی
- ② مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کا روڈ میپ
- ③ حج اور عمرہ کی ادائیگی کا طریقہ آسان اور عام فہم زبان میں
- ④ اہم تاریخی مقامات کا نام، وجہ تسمیہ، محل وقوع، تصاویر اور ان سے متعلق تاریخی واقعات کا بیان نیز متعلقہ آیات اور احادیث کے حوالہ جات
- ⑤ تحریروں، تصویروں اور جدید نقشوں سے مزین یہ کتاب ہی نہیں حج اور عمرہ پر جانے والوں کے لئے ایک مکمل گائیڈ ہے۔

سیارہ ڈائجسٹ 240 روپے کا ڈیجیٹل ایڈیشن 042-37245412

نہ رہیں اور دیکھنا وہ مستقبل میں ان سے زیادہ بہتر
 قلام ثابت ہوں گے۔
 "کتنا زہر ہے تم میں ا" خیدہ مسٹر جیک نے
 سرکش مسٹر جیک سے کہا۔ "ہاں میرا ماننا ہے کہ کوئی
 تمہیں پتھر مارے تو تم اس کا جواب اینٹ سے دو۔"
 خیدہ مسٹر جیک نے فوراً کہا کہ "ساتھ یہ بھی تو
 کہا گیا ہے کہ کوئی تمہارے راستے میں کانٹے
 بچھائے تو تم اس کے راستے میں پھول بچھاؤ کیونکہ
 اگر سب ایک دوسرے کے راستے میں کانٹے بچھانے
 لگے تو دنیا کانٹوں سے بھر جائے گی۔"
 "ارے وہ دیکھو اس کے سپردانزد نے ایک
 معمولی سی بات پر اس کی کلاس لینا شروع کر دی۔"
 سرکش مسٹر جیک نے کہا
 "اچھا ہے! یہیں سے اس کو قلام بنانے کی
 ابتداء ہو چکی۔" فوراً خیدہ مسٹر جیک نے فحش میں
 ٹانگ اڑاتے ہوئے کہا، "مگر میری نظر مسلسل اسی پر
 تھی صرف تھوڑا سا مال آؤٹ ہوا تھا کہ جس پر اس
 کے سپردانزد نے اس کی اتنی کلاس لے لی۔ ذرا
 دیکھو اس لڑکے کا چہرہ لگتا ہے ابھی رو دے گا۔ کتنا
 مصوم ہے بے چارہ! مشکل سے اس کی عمر اٹھارہ
 سال ہوئی ہوگی۔ نجانے کون سی مجبوری اسے یہاں
 کھینچ لائی۔ کاش میرے بس میں ہوتا تو میں اسے
 اور بڑھاتا تا کہ اسے یہ کام نہ کرنا پڑتا۔ اب کہنی
 کے مجبوروں نے اس کی اجرت اتنی لگائی ہوگی کہ
 صرف اس کا اپنا گزارہ ہی ہو۔ یا سوچو اگر اس کا گھر
 کرائے کا ہوا تو یقیناً آدمی تنخواہ کرائے میں چل
 جائے گی۔ پھر جو کچھ بچے گا وہ مال، سبزی کی نظر
 ہوگا۔ یقیناً یہ بڑا بیٹا ہوگا جیسی اتنی کم عمر میں گھر سے
 نکل پڑا۔ اگر اس کی جوان بہنیں ہوئیں تو اس کس
 کے گناہوں پہنچا دیا جائے گا۔"

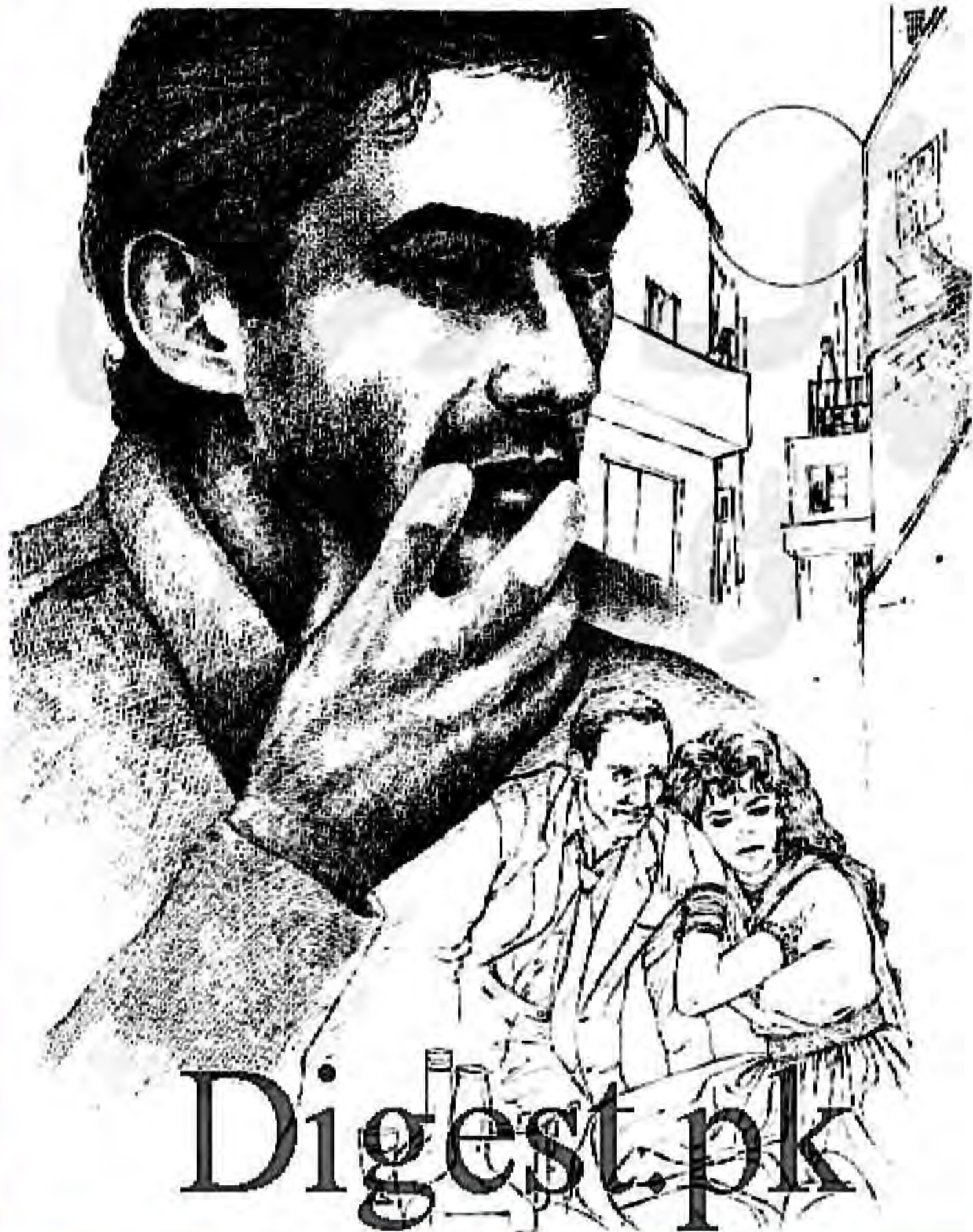
اس کے کانوں پر اس کا بوجھ اٹھانے
 کا بوجھ ان پر ڈالا جائے گا۔ اگر اس لڑکے کی بیٹھ پر
 کسی کا ہاتھ ہوا تو یہ ترقی کرے گا اور آگے بڑھے گا
 مگر صرف اتنا ہی کہ جتنا بڑا ہاتھ ہوگا۔ ورنہ یہ بھی
 عام مزدوروں کی طرح عمر کے آخری حصے میں
 پیچیدوں کے کیسے پائی بی میں چلا ہو کر اس دنیا
 سے کوچ کر جائے گا۔ اس کے بچے اسے بچانے کی
 خاطر اپنی سب جمع پونجی اس پر لگا دیں گے اور بالآخر
 قلاش ہو جانے کے بعد بھی اپنے باپ کو نہ بچا پائیں
 گے۔ بس یہی ہوتی ہے ان غریبوں کی زندگی جیسے
 لگتا ہے اس دنیا میں غریب صرف آزمائش کے لیے
 آتا ہے۔ ایک لمبی آزمائش، مسلسل آزمائش کبھی نہ
 ختم ہونے والی آزمائش، میرا بس چلتا تو میں غریب
 کو پیدا ہوتے ہی صلیب پر لٹکوا دیتا تا کہ مسلسل
 لذت میں زندگی گزارنے کی بجائے ایک ہی بار
 لذت دیکر مار دیا جائے۔ تمہیں وہ شعر یاد ہے؟
 "وہ قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
 ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے لوقات ا"
 سرکش مسٹر جیک نے کہا کہ "اپنی بک بک بند
 کر دو اور میرے سر میں ددمت کرو۔" اس پر خیدہ
 مسٹر جیک نے کہا کہ "اسی لیے میں خدا کا شکر ادا
 کرتا ہوں کہ اس نے ہمیں لوہے کا ایسا بے جان
 چیک بنایا کہ جس سے مزدور کام کرتے ہیں ورنہ اگر
 تمہیں انسان بنانا تو تم بھی ان غریبوں کا اور خاص
 طور پر مزدوروں کا خون چوستے۔"

اسنے میں لڑکے کا سپردانزد کہتا ہے جاؤ اور وہ
 جو دو چیک پڑے ہیں ان میں سے خیدہ جیک لیکر
 آؤ۔ اکڑا ہوا مت لانا اس سے مزدوروں کو چوٹ
 لگ جاتی ہے۔ لڑکا اپنی مصوم سی شکل لیے آیا اور
 خیدہ جیک نکال کر لے گیا۔

Digest.pk

نواز خان

قسم



Digest.pk

قسم

نواز خان

وہ افغان زادہ جس نے اپنی محبوبہ کے سر سے ایک قسم کا یو جہ اُتارنے کے لیے اپنا تن من واکھ پر لگا دیا!

محبت اور جرم کا شاخسانہ نواز خان کے قلم سے

بھی پائے گئے تھے۔ جوانی میں سردار صاحب دوڑ کے چمپین رہے تھے اور اب ان کا چٹا سردار ٹھیکر چمپین سمجھا جاتا تھا۔

یہ چمپین شب جس کی میں بات کر رہا ہوں طویل عرصہ پہلے شروع ہوئی تھی۔ شاید ۱۹۵۵ء کے تک بھگ۔ اس کی شروعات کرنے والا ایک انگریز صاحب بہادر استھ تھا۔ وہ کھیلوں کا بہت شوقین تھا اور خاص طور پر دوڑ کا۔ اُس نے اپنے شوق کے لیے ایک "ریس" کی داغ بیل ڈالی۔ میرا تھن ریس کی طرح یہ ریس بھی اسٹیڈیم سے باہر ہوتی تھی۔ ریس میں حصہ لینے والے قریباً ۱۸ میل کا انتہائی دشوار گزیر راستہ طے کرتے تھے۔ جیتنے والے کو ثرائی اور نقد انعام دیا جاتا تھا۔ شروع میں یہ انعام ۲۰۰ روپے تھا، پھر انعام کی رقم بڑھتے بڑھتے ۱۵۰۰ روپے تک پہنچ گئی۔ لیکن جن دلوں کی میں بات کر رہا ہوں اُن دلوں ۱۵۰۰ روپیہ ایک بہت بڑی رقم تھی۔ اس ریس میں ہر کوئی حصہ لے سکتا تھا۔ بہت سے مقامی اور غیر مقامی نوجوان کئی ماہ

یہ ڈھونڈی کے بلند وہ ہالانڈ لٹا پھاڑوں کا واقعہ ہے۔ ڈھونڈی کی فیشن پہل آبادی جسے "صدر" کہا جاتا ہے وسیع رقبے پر پھیلی ہوئی ہے۔ یہاں چند کالج بھی ہیں۔ اُن دلوں وہاں "کنگ کالج" کافی مشہور تھا۔ یہاں کھاتے پیتے گھرانوں کے لڑکے لڑکیاں تعلیم پاتے تھے۔ بے فکرے فیشن پہل اور آزاد لو جوان اس کالج کی بچپان تھے۔ دو تین اور کالج بھی کنگ کالج کے ٹائپ کے تھے مگر کنگ کالج ہر طرح فہر دون تھا۔ کنگ کالج کے سرپرست اعلیٰ کا نام سردار اشوک رائے تھا۔ سردار صاحب بڑی بھاری بھر کم شخصیت کے مالک تھے۔ کالونٹ میں بڑھے ہوئے تھے۔ ساری عمر ادنیٰ سوسائٹی کے لوگوں میں اٹھتے بیٹھتے رہے تھے۔ رنگ و روپ بھی ماشاء اللہ بہت خوب تھا۔ بالکل گورے پٹے بڑا دن آنکھوں والے انہیں دیکھ کر کسی انگریز افسر کا گمان ہوتا تھا۔ سردار اشوک کی عمر پچاس سال سے لوپر تھی۔ تاہم وہ اب بھی بیکر سویرے دوڑ لگاتے تھے اور کبھی کبھار اپنی وسیع کوٹا کے علاقہ میں ٹینس کھاتے

Digest.pk

کے علاوہ ایک اور آزمائش لڑکا کو ہند سنگھ بھی بڑا اچھا بھاگتا ہے۔ سنا ہے وہ بڑے زور پر ہے۔۔۔ دیکھیں گی، اصل نتیجہ تو ریس والے دن ہی نکلے گا۔

مجھے ریس سے یا اس کے نتیجے سے بھلا کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ میں نے اس کے بعد بلال شاہ سے اس معاملے پر کوئی بات نہیں کی۔ ایسے اڑتی اڑتی باتیں میرے کانوں میں پڑتی رہیں جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ عام لوگ اس ریس میں بڑی دلچسپی لیتے ہیں اور بعض شوقین شرطیں وغیرہ لگانے سے بھی نہیں چوکتے۔ ریس والے دن میں بھی اپنے تھانے میں ہی موجود تھا۔ بلال شاہ ہمارے بچے کے قریب تھانے آیا۔ اس کی صحت دیکھ کر ہی میں سمجھ گیا کہ اس کا پسندیدہ کھلاڑی دوڑ نہیں جیت سکا۔ پسندیدہ کھلاڑی وہی تیمور نام کا لڑکا تھا۔ بلال شاہ ان چار تھنوں میں اس کا زبردست پرستار ہو گیا تھا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ وہ مسلمان تھا۔ دوسرے غریب بھی تھا اور اپنے غریبی دھوے کے ساتھ سرداروں کے سامنے ڈٹا ہوا تھا۔

میں نے پوچھا "ہاں بھئی بلال شاہ کیا خبر ہے؟" وہ بولا "وہی جو پچھلے تین چار سالوں سے ہے۔ سردار کا لڑکا جیت گیا ہے۔"

"لو روہ تمہارا بیرو تیمور؟"

اس کا تو جی کچھ پتہ ہی نہیں چلا۔ پتہ نہیں کیا ہوا ہے اے۔ انیسویں بیسویں نمبر پر آیا ہے۔ ساری امیدوں پر پانی بھیر دیا ہے اس نے تو۔"

بلال شاہ اور اس کے ساتھ ریس دیکھ کر آنے والا ایک سپاہی کافی دیر مایوسی کا اظہار کرتے رہے۔ انہیں اپنے تحلیل کی ہار کا ڈکھ بھی تھا اور اس کی کارکردگی پر غصہ بھی آرہا تھا۔ اچانک بلال شاہ کو کچھ یاد آیا، کہنے لگا:-

"ایک کام خراب ہوا ہے خان صاحب! ایک لڑکا کم ہو گیا ہے، وہ میں نے ہی نہیں چلا کر دیا ہے۔"

پہلے سے دوڑنے کی تیاری شروع کر دیتے تھے۔ جیتنا تو کسی ایک نے ہوتا تھا لیکن جیت کی خواہش ہر دل میں ہوتی تھی۔ اس خواہش کو پورا کرنے کے لیے ہر کھلاڑی ایڑی چوٹی کا زور لگاتا تھا۔

مجھے الہوڑی کے شمالی تھانے میں ڈیوٹی سنبھالے سات آٹھ مہینے ہوئے تھے جب مجھے پتہ چلا کہ یہاں ایک سالانہ ریس ہونے والی ہے۔ بلال شاہ ایسے معاملات کی بہت خبر رکھتا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا تو اس نے مجھے اس بارے میں بہت سی باتیں ایک ہی سانس میں بتا دیں۔

اس نے کہا کہ "جناب! یہ ریس مارچ کی آٹھ تاریخ کو ہوگی یعنی ایک ماہ بعد، ریس کنگ کالج کی گراؤنڈ سے شروع ہوگی اور کھلاڑی کوئی انعام ملے گا چکر کاٹ کر پھر کالج کی گراؤنڈ میں آجائیں گے۔ اس دوڑ میں ڈیوڑھی اور ڈیوڑھی سے باہر کے قریب دو سو دوڑنے والے حصہ لیں گے لیکن ان میں سے کسی کے جیتنے کی امید بہت کم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دوڑ میں سردار اشوک کا لڑکا سردار شیکھر بھی حصہ لے رہا ہے اور پچھلے چار سال سے وہی یہ دوڑ جیت رہا ہے۔ سردار شیکھر سے پہلے اس کا بڑا بھائی سردار دیپ یہ ریس جیتتا تھا اور سردار دیپ سے پہلے اس کا ماموں زاد پرٹھی پال۔ دراصل پچھلے تین تھنیں سالوں میں اکثر سردار خاندان کے لڑکے ہی یہ دوڑ جیتتے رہے ہیں۔ صرف تین چار دفعہ ہی ایسا ہوا ہوگا کہ کسی دوسرے لڑکے نے یہ میدان مارا ہو۔"

میں نے کہا "پھر تو عام لوگوں کی دلچسپی اس ریس میں بہت کم ہوتی ہوگی" وہ بولا "نہیں اب ایسی بات نہیں، امید پر دنیا قائم ہے، پچھلے تین چار سال سے پبلک کالج کا ایک لڑکا تیمور شیکھر کا ڈٹ کر مقابلہ کر رہا ہے۔ ایک دفعہ تو وہ ریس جیتتے جیتتے رہ گیا تھا۔ ہو سکتا ہے اس بار وہ کوئی کارنامہ دکھائے۔ اس

"نک نہیں جی پورا دشاں ہے" لڑکے کے والد رنجیت سنگھ نے پہلی بار کنگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا "گوبند کو ماسٹر کے لڑکے تیمور نے مارا ہے، کسی سے مروا کر اور لڑی کر کے کہیں پھینک دیا ہے۔ وہ کینہ اس سے پہلے بھی کئی دلدہ میرے بیٹے کے گلے پڑ چکا ہے..... بڑا زہر ملا ہے وہ۔ ہر وقت موتی کی تلاش میں رہتا تھا۔ سب لوگوں نے بتایا ہے کہ آدمی دوڑ میں وہ لور گوبند سنگھ سب سے آگے تھے۔ دلوں ساتھ ساتھ دوڑ رہے تھے۔ سندھ گاؤں کے پاس بھی درجنوں لوگوں نے انہیں ساتھ ساتھ دوڑتے دیکھا ہے۔ اس وقت سردار صاحب کا بیٹا سردار خشک کوئی ایک فرلانگ پیچھے تھا۔ لیکن ٹیکر اگلی کے قریب کھڑے لوگوں نے سردار خشک کو سب سے آگے دیکھا ہے۔ اس وقت نہ گوبند خشک کے اس پاس تھا اور نہ وہ کینہ تیمور۔ بعد میں تیمور انیسویں نمبر پر کالج گراؤٹ میں پہنچا ہے۔ ہمیں ایک سو ایک لیٹر یقین ہے جی کہ گوبند کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا ہے اس میں تیمور کا ہاتھ ہے بلکہ اس نے خود کیا ہے سب کچھ۔"

ایک ساتھ مقابلے میں حصہ لینے والے کھلاڑیوں میں اکثر چپقلش ہو جاتی ہے اور بعض دفعہ وہ ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے پر بھی اتر آتے ہیں۔ عین ممکن تھا کہ یہ بھی کوئی ایسا ہی واقعہ ہو۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے۔ یہ قریباً 18 میل لمبی ریس تھی اور سارے راستے میں خطرناک پہاڑی موڑ، تنگ گھاٹیاں اور چھوٹے چھوٹے پل تھے۔ اس راستے پر دوڑتے دوڑتے اپنے کسی ساتھی کو دھکا دے کر موت کے گڑھے میں پھینک دینا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ بہر حال میرا ذاتی خیال تھا کہ گوبند کے گھروالوں کو اتنی جلدی کسی پر الزام نہیں لگانا چاہئے۔

میں نے کنگ کالج کے پروفیسر سے کہا کہ یہ کتنا برا ہے کہ اس کے لاشیں تیمور کا

"کون لڑکا؟" میں نے پوچھا۔

"وہی گوبند سنگھ جی۔ میں نے آپ کو بتایا تھا ہاں اس کے بارے میں۔ کافی اچھا دوڑنے والا تھا وہ بھی۔ اس نے سب کے ساتھ ہی دوڑ شروع کی تھی۔ آدمی دوڑ میں وہ ساتھ رہا ہے پھر کسی نے اسے نہیں دیکھا۔ کئی لڑکے اب اسے ڈھونڈنے لگے ہوئے ہیں۔ ایک ڈیڑھ گھنٹے تک وہ نہ ملا تو میرا خیال ہے اس کے والی وارث تھانے پہنچ جائیں گے۔"

ابھی بال شام کی بات منہ میں ہی تھی کہ تھانے کے سامنے کارڈکنے کی آواز آئی اور پھر تین چار خروگیٹ سے گزر کر اچھا آگئے۔ کن میں کنگ کالج کے ایک پروفیسر کو میں جانتا تھا۔ اس کے علاوہ ایک اڈیٹر عمر فص تھا اور دو جو شیلے سے لڑکے تھے۔ یہ میرا پاپ لڑکے بھی کنگ کالج کے ہی تھے ان لوگوں کو کچھ کر بلال شام فوٹا بولا "لو جی آگئے گوبند سنگھ کے دلی وارث۔"

سلام دعا کے بعد وہ لوگ کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ کنگ کالج کے پروفیسر راجیو رائے نے کھیر لچے میں کہا "ہینکڑ صاحب ہمارے کالج کا لڑکا کم ہو گیا ہے اور کوشش کے باوجود نہیں ملا آپ کو پتہ ہوگا آج صبح دوڑ تھی....."۔

"ہاں مجھے پتہ ہے" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "آپ اصل بات بتائیں۔"

وہ بولا "اصل بات یہی ہے جی کہ آدمی دوڑ کے بعد سندھ گاؤں کے اس پاس گوبند کہیں گم ہو گیا ہے اور ہمیں پورا دشاں ہے کہ اسے گم کیا گیا ہے۔"

میں نے کہا "پروفیسر صاحب! میری اطلاع کے مطابق آپ کی دوڑ ختم ہوئے ابھی صرف دو گھنٹے ہوئے ہیں۔ اتنے تھوڑے وقت میں آپ اس نتیجے پر کیسے پہنچ گئے کہ لڑکے کو گم کیا گیا ہے اور اسے ڈھونڈنے کے لیے پولیس کی مدد لینا ضروری ہے..... میرا مطلب ہے کہ یہ کتنا برا ہے کہ اس کے لاشیں تیمور کا

سیارہ ڈائجسٹ / جولائی ۲۰۱۳ء



وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ

(اور ہم نے آپ کا ذکر (سب پر) بلند کر دیا۔ القرآن)

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا 'لوح و قلم تیرے ہیں

پیغمبرِ آخر الزماں کی سیرتِ پاک **سیارہ ڈائجسٹ** کی طرف ایک نئی پیشکش

قیمت: ڈیڑھ سو روپے
عام ایڈیشن: 275 روپے
ویکس ایڈیشن: 450 روپے

سیرت

”میں نے جب یہ کتاب ختم کی تو اونچی آواز میں جسے میں بھی صاف
سن سکوں ایک بار پھر کلمہ پڑھا۔ گویا اپنے آپ سے اپنے مسلمان
ہونے کا اعلان کیا۔“ (عبدالقادر حسن، مشہور صحافی)

یہ ایمان افروز کتاب خود بھی پڑھیے اور اپنے دوستوں کو بھی پڑھائیے

سیارہ ڈائجسٹ - 240 مین مارکیٹ، ریڈواز گارڈن، لاہور

فون: 042-37345411

Digest.pk

اُس کے بیٹے کو، ہم ابھی اُسے دھوٹے نکلے ہیں۔
جپ پر سوار ہم فکر اگلی روانہ ہوئے۔ دوکاروں
پر سوار کنگ کالج کے لڑکے بھی ہمارے ساتھ تھے۔
وہ سب کے سب خستے سے بھرے ہوئے تھے۔ اُن
کے تیمور دیکھ کر میں نے فیصلہ کر لیا کہ گوہند نہ ملا تو
تیمور کو فوراً گرفتار کر لوں گا۔ ایسے موقع پر اگر ملزم کو
گرفتار نہ کیا جائے تو خود اُس کی جان کو خطرہ لاحق ہو
جاتا ہے۔ فکر اگلی تین میل کے فاصلے پر تھی۔ ہم
کنگ کالج کی گراؤٹ کے سامنے سے ہو کر گزرے۔
وہاں لڑکوں کا جھوم تھا اور وہ ٹولیوں میں کھڑے چہ
مکونیاں کر رہے تھے۔ کنگ کالج سے فکر اگلی کا
فاصلہ قریباً دو اُحالی فرلانگ تھا۔ اس کا مطلب
تھا گوہند دوڑ کے آخری مرحلے میں غائب ہوا ہے۔
فکر اگلی کے بازار سے دو اُحالی فرلانگ آگے
نکل کر ہم نے گاڑیاں سڑک کے کنارے روک
دیں۔ ایک طرف بلند دیوالا پہاڑ تھا۔ دوسری طرف
سینکڑوں فٹ گہری کھد تھی۔ بڑا خطرناک موڑ تھا۔
رات پادش ہوئی تھی اور اب بھی ہلکی بوندا ہندی
چاری تھی۔ سڑک کیلی تھی اور بالکل سیاہ نظر آرہی
تھی۔ میزہ بھی ڈھل دھلا کر اپنے اصل رنگ روپ
میں چمک رہا تھا۔ دُور سے دریا کا سفید پانی دکھائی
دے رہا تھا۔ ہم سنبھل سنبھل کر کھڈ میں اترے اور
کوئی سو فٹ نیچے چڑھ کر دیوار کے کتے درختوں
میں پہنچ گئے۔ یہاں جگہ ذرا اُچھوڑ تھی لیکن اس سے
آگے کھڈ ایک دم عمودی ہو گئی تھی اور وہاں کھڑے ہو
کر کوئی پتھر گرایا جاتا تو وہ کہیں ٹکرائے بغیر سیدھا
دریا میں جا گرتا۔ دیوار کے درختوں کے درمیان
ایک جگہ چھوٹے چھوٹے پتھر رکھ کر کیاری سی بنا دی
گئی تھی۔ یہ کیاری کنگ کالج کے لڑکوں نے بنائی
تھی۔ کیاری کے درمیان خون لے دینے صاف
قرار ہے تھے۔ اُن کے اُس ہاں تھوڑی سی جگی

ہاتھ ہے اگر ایسا ہے تو اس کی وجہ کیا ہے؟
وہ بولا "وجہ یہی ہے کہ وہ ایک دوسرے کو نیچا
دکھانا چاہتے تھے۔ دوڑ تو ہمیشہ سردار شکھر ہی جیتتا
تھا لیکن وہ دونوں دوسرے تیسرے نمبر پر رہتے
تھے۔ اس وجہ سے اُن میں کھینچا تانی بھی تھی۔ یہ کھینچا
تانی اُس وقت اور بڑھ گئی جب گوہند نے تیمور کو
کنگ کالج کی ایک لڑکی کے ساتھ رنگ رلیاں
مٹاتے دیکھا۔ پبلک کالج کے لوفر عموماً کنگ کالج کی
لڑکیوں کو تنگ کرتے رہتے ہیں لیکن یہ بہت کبھی کسی
کو نہیں تھی کہ یوں لڑکی کو چھاپ کر لے جائے۔ اس
معالے پر کافی لے دے ہوئی تھی اور تیمور کو اُس کالج
سے نکال بھی دیا گیا تھا۔ بعد میں باسٹر حیات نے
منت ساجت کر کے بیٹے کو معافی دلائی تھی۔"

میں نے گوہند کے والد اور پروفیسر کے تمام
اُترامات دھیان سے سنے اور اُنہیں چائے وغیرہ
پلائی۔ اس دوران لڑکے ہانچتے کانچتے ہوئے تھانے
پہنچ گئے اور انہوں نے بتایا کہ گوہند کا کہیں کوئی
سراغ نہیں ملا۔ دوسری طرف تیمور بھی اپنے گھر سے
غائب ہو گیا ہے۔ یہ معاملہ اب قدرے سنگین ہو گیا
تھا۔ میں نے فوری طور پر اپنے اے ایس آئی کو
دو سپاہی دے کر بھیجا اور اُسے کہا کہ وہ تیمور کو تھانے
لائے۔ کنگ کالج کے نئے آنے والے لڑکوں نے
بتایا کہ فکر اگلی سے قریباً دو فرلانگ پیچھے سڑک کے
ساتھ اُحلوان پر خون کے دھبے ملے ہیں اور فلیٹ
یڈوں کے نشان بھی ہیں۔ یہ بے حد اہم اطلاع تھی۔
گوہند کے باپ کا رنگ سلبہ ہو گیا۔ وہ ہڈیانی انداز
میں بولنے لگا "اُس خونی نے میرے بیٹے کی
اتھتھیا کر دی ہے، اُس نے مار دیا ہے اُسے، واہنگرو یہ
ہمارے ساتھ کیا ہو گیا، میں کیا منہ دکھاؤں گا گوہند کی
ماں کو۔۔۔" وہ مسلسل رونا لگا جا رہا تھا۔ میں
اُسے کہا کہ وہ بد حال مت کیونکہ اُسے کچھ نہیں

سیدہ می دریا میں چلی گئی ہے۔ یہ ایک خونخوار تصور تھا لیکن اس تصور پر یقین کرنا آسان نہیں تھا۔ موقع دیکھ کر صاف اندازہ ہو جاتا تھا کہ سڑک سے لڑھکنے کے بعد کوئی چھوٹی موٹی گاڑی دریا میں نہیں گر سکتی۔ وہر وہ تھا درخت تھے جو سڑک اور دریا کے درمیان حائل تھے۔ خدا خواستہ کوئی گاڑی سڑک سے لڑھکتی تو سڑا تھی لٹ بیٹھے آکر ان درختوں میں ڈک جاتی۔ اگر واقعی کوئی گاڑی آج سڑک سے پھسل کر گر گئی تھی تو پھر وہ لارڈا ان درختوں میں ہونی چاہئے تھی۔ مگر یہاں کسی گاڑی کا نام و نشان نہیں تھا۔ ان حالات میں یہی سوچا جاسکتا تھا کہ موقع سے ملنے والی مختلف چیزوں کی حیثیت کوڑے کرکٹ کی ہے اور یہ چیزیں پہلے سے یہاں پڑی ہوئی تھیں۔

دوڑھائی کھینچنے کی تلاش کے باوجود گوہند کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ یہ بالکل سناں جگہ تھی۔ نہ کوئی کھیت تھا نہ مکان۔ بس گھنے درخت تھے اور ان پر شاخ شاخ جھولتے ہوئے بند۔ ایسی جگہ کسی سے کیا بیان حاصل کیا جاسکتا تھا۔ ہم موقع کی تفصیل لے کر واپس تھانے آ گئے۔

میرا اے ایس آئی تیمور کو پکڑ لایا تھا۔ میں تھانے پہنچا تو تیمور پریشان چہرے کے ساتھ کمرے میں بیٹھا تھا۔ حراست میں لیتے ہوئے اے ایس آئی نے اس کی تھوڑی بہت پٹائی بھی کی تھی۔ اس کا ایک گال سرخ ہو رہا تھا اور گریبان بھی پھٹا ہوا تھا۔ وہ انیس میں سالہ نوجوان تھا۔ جسم مضبوط، پیشانی چوڑی اور شانے کشادہ تھے۔ معمولی لباس میں بھی وہ ٹھیک ٹھاک نظر آ رہا تھا۔ اگر کنگ کالج کی ایک لڑکی اس پر مرئی تھی تو یہ اچھے کی بات نہیں تھی۔

اس کا پورا نام تیمور حسن تھا۔ وہ ڈیہڑی کی مضافاتی آبادی ست دھان فار۔ والا تھا۔ اس کا

زمین تھی۔ وہاں مجھے فلیٹ بوٹ کے نشان صاف نظر آئے۔ صدمت حال۔ واقعی سنگین تھی۔ دوڑنے والوں میں سے ایک یادہ لڑکے یقیناً اس اعلیٰ پر پہنچے تھے اور ان میں سے کوئی شدید زخمی بھی ہوا تھا۔ زخمی ہونے کے بعد وہ کہاں گیا؟ اس سوال کے یوں تو کئی جواب تھے لیکن ایک جواب شور مچاتا۔ اچھلتا کودتا دریا بھی دے رہا تھا۔ کسی کو مار کر لٹکانے لگانے کے لیے یہ جگہ موزوں ترین تھی۔ دریا کی گزرگاہ یہاں بہت تنگ تھی اس لیے پانی گہرا ہو گیا تھا۔ ایک دو تو کیا درختوں لاشیں پھینک دی جاتیں تو پانی ان کا نام و نشان مٹا دیتا۔ اچھا ہوا تھا کہ گوہند کا باپ ہمارے ساتھ نہیں آیا۔ وہ اس خطرناک مقام پر خون کے یہ دھبے دیکھ لیتا تو یقیناً بے ہوش ہو جاتا۔ میں نے فوری طور پر جگہ کا نقشہ تیار کروایا اور اپنے ساتھ آنے والے محلے کو کشدہ لڑکے کی تلاش پر لگا دیا۔ دریا میں اوسط تا بالکل فضول تھا۔ یہاں پانی کا بہاؤ تیز تھا اور اگر وہ دریا میں گرا تھا تو اس کی لاش اب تک کئی میل آگے جا چکی تھی۔ میرے محلے کے ساتھ کنگ کالج کے لڑکے بھی تلاش میں شریک ہو گئے۔ ایک ایک جھاڑی ایک ایک کونہ دیکھا جانے لگا۔ مجھے جائے واردات پر عجیب طرح کا شبہ ہو رہا تھا۔ ایک جگہ مجھے شبشے کی کرچیاں بکھری نظر آئیں۔ ایک جگہ پلاسٹک کا ایک ناقابل شناخت ٹکڑا پڑا تھا۔ یوں لگتا تھا کسی گاڑی کا ٹوٹا ہوا بپھر ہو۔ پھر مجھے ایک گول شیشہ دکھائی دیا۔ یہ کسی دستی گھڑی کا تھا۔ سائز سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہ زنانہ گھڑی کا شیشہ ہے۔ میں نے شیشہ صاف کر کے جیب میں رکھ لیا۔ تھوڑی دیر بعد میرا اے ایس آئی پلاسٹک کا ایک اور لیوٹرا ٹکڑا لے آیا۔ یہ بھی کچھز میں لتھڑا ہوا تھا۔ ان اشیاء کو دیکھ کر یہ شبہ ہو رہا تھا کہ شاید سڑک سے پھسلنے کے بعد کوئی گاڑی یہاں آ گئی۔ اور اگر۔۔۔

پر یقین کر سکتا ہے۔ تین چار منٹ کی۔ ہوتی تو
مائی بھی جاسکتی تھی۔ تم ہارے انیس منٹ لیٹ پہنچے
ہو۔۔۔۔۔ اور اٹھارہ کھلاڑی تم سے آگے نکلے ہیں۔

وہ ادھر ادھر کی ہانکنے لگا۔ اس کا اصرار تھا کہ وہ
ایک دم ہی مڈ حائل سا ہو گیا تھا اور ٹھیکر اگلی تک سر توڑ
کوشش کے باوجود اپنی رفتار تیز نہیں کر سکا۔ میں نے
گوبند کے گھر سے اس کے بوٹ منگوائے۔ پولوں
کے ٹکڑوں پر وہی ڈیزائن تھا جس کا کھرا دھوکہ کی جی
زمین سے ملا تھا لیکن اس ثبوت کی بنا پر تیمور کو مجرم
قرار دینا مناسب نہیں تھا۔ دوڑ میں شامل درجنوں
لڑکوں کے بوٹ اسی ڈیزائن کے ہوں گے۔ میں
نے تیمور کو شامل تفتیش کر کے حراست میں لے لیا اور
۔۔۔۔۔ پھر اگلے روز کورٹ میں پیش کر کے اس کا سات
روزہ ریمانڈ حاصل کر لیا۔ اس کے علاوہ میں نے
کنگ کالج اور پبلک کالج کے پرنسپل حضرات سے
ملاقات کی اور انہیں وارننگ دی کہ وہ اپنے اپنے
لڑکوں کو سنبھال کر رکھیں۔ گمشدہ لڑکے کی وجہ سے کسی
طرح کا ہنگامہ کھڑا نہیں ہونا چاہئے۔ اگر وہ مناسب
سمجھیں تو زیادہ جو شیلے لڑکوں کے ناموں کی لسٹ
دے دیں تاکہ امن و امان کی خاطر انہیں ایک دو دن
کے لیے پکڑ لیا جائے۔۔۔۔۔ مجھے لڑکوں کے نام تو
فراہم نہیں کیے گئے لیکن دونوں پرنسپل حضرات نے
یقین دلایا کہ گڑبڑ نہیں ہوگی۔

اگلے روز شام کو تیمور کا والد بہت گھبرا یا ہوا
تھانے پہنچ گیا۔ اس کے ساتھ محلے کے دو تین معتبر
انفراد بھی تھے۔ وہ دراصل شہر سے باہر گیا ہوا تھا۔
اب آیا تھا تو بیٹے کی گرفتاری کی اطلاع ملی تھی۔ اور
یہ بھی اطلاع ملی تھی کہ اسے تھانے میں مارا جیٹا جا رہا
تھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ جرمی میں وہ خود بھی دوڑ میں
حصہ لیتا رہا ہے۔ اس زمانے میں سردار شیخ کا والد
ملفوظ سے آگے نہیں جاتا تھا اور اس افادہ میل کی

کپڑے سلانے کے لیے ہفتوں انتظار کرتے تھے۔
تیمور سے تعارف کے دوران یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ
ایک بیمار ماں اور تین جوان بہنوں کا بھائی ہے
اور اس پر بہت سی ذمے داریاں ہیں۔ میں نے اس
سے کہا "تمہیں گوبند کی کشدگی کا پتہ ہے؟"

وہ اقرار میں سر ہلا کر بولا "جی ہاں اریس کے
بعد پتہ چلا تھا کہ وہ مل نہیں رہا۔"
میں نے کہا "اس کی کشدگی کا اصرار تم پر
لگایا جا رہا ہے۔"

وہ کہنے لگا "مجھے پتہ چل گیا ہے جی، میں اس
لے گھر سے چلا گیا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ کنگ کالج کے
لڑکے مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ مجھ
پر سراسر جھوٹا الزام لگایا جا رہا ہے جی، مجھے گوبند کے
بارے میں کچھ پتہ نہیں۔ وہ آدمی ریس تک میرے
ساتھ تھا۔ اس کے بعد تین چار اور لڑکے ہمارے ساتھ
بھاگنے لگے۔ بعد میں اس کا کچھ پتہ نہیں چلا۔"

میں نے کہا "سند گاؤں تک تم اور گوبند ریس
میں سب سے آگے تھے۔ یوں لگتا تھا کہ اس دفعہ
تمہارے اور شیخمر کے درمیان سخت مقابلہ ہوگا لیکن
پھر تم دونوں مقابلے سے باہر ہو گئے۔ تم شاید انیسویں
نمبر پر آئے ہو اور گوبند ابھی تک پہنچا ہی نہیں۔"

"میں گوبند کے متعلق کیا کہہ سکتا ہوں مجھے تو اپنا
پتہ ہے۔ سند گاؤں سے آگے دو میل کی چڑھائی
ہے۔ اس چڑھائی پر کافی سخت مقابلہ ہوتا ہے۔ جو
لڑکے پہلے آہستہ دوڑے ہوتے ہیں وہ اس چڑھائی
پر پہنچ کر زیادہ زور لگاتے ہیں اور ان میں سے کئی لیڈ
بھی لے جاتے ہیں۔ سردار شیخمر نے بھی چڑھائی پر
"لیڈ" لی تھی۔ اس مرحلہ میں اس چڑھائی پر اپنا
سانس قابو میں نہیں رکھ سکا اور پیچھے رہ گیا۔"

میں نے کہا "تم انھوں میں مرجیں ڈالنے کی
کوشش کر رہے ہو، لیکن انہیں اتنی تہاوری بات

کے مطابق ٹیکرائگی کے قریب دھلون پر پائے جانے والے خون کے دھبے گو بند کے نہیں تھے یہ بالکل غلط گردپ کا خون تھا۔

یہ رپورٹ ملنے کے بعد جہاں گو بند کے دائروں کو کچھ نقل ہوئی وہاں تیمور کو حثانت پر دم کرنے کا جواز بھی پیدا ہو گیا۔ اگلے ہی روز میں نے اسے حثانت پر دم کر دیا۔ گو بند کا ابھی تک کچھ پتہ نہیں تھا۔ نہ ہی کہیں سے اس کے بارے میں کوئی اطلاع آئی تھی۔ میں نے خود معلومات اکٹھی کیں۔ اُن سے پتہ چلا کہ گو بند اتنا اچھا اٹھلیٹ بھی نہیں تھا جتنا اس کے حمایتی تار ہے تھے۔ وہ اس "کراس کنٹری ریس" میں اکثر آٹھویں دسویں نمبر پر آیا کرتا تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ گو بند اور تیمور میں "ریس" کی وجہ سے کوئی چیلنج تھی تو یہ بالکل لڑا ہوگا۔ گو بند اور تیمور کا کوئی مقابلہ ہی نہیں تھا۔ تیمور کا اصل مقابلہ سردار مسکمر سے تھا۔

وہ تین ملتے ہوئے ایک بار پھر ریس کے بارے میں باتیں ہونے لگیں۔ اس مرحلہ پر ریس پٹھا کوٹ میں ہو رہی تھی۔ وہاں موسم بہار کے انٹر کالجیٹ مقابلے تھے۔ اور گرد کے کئی شہروں کی ٹیمیں حصہ لے رہی تھیں۔ اس ریس میں ایک بار پھر سردار مسکمر تیمور کے مقابل تھا۔ پچھلے سال اس ریس میں مسکمر دوسرے نمبر پر اور تیمور تیسرے نمبر پر رہا تھا۔ اس سال پہلے نمبر پر آنے والا لڑکا ان ٹٹ ہو گیا تھا اس لیے ٹک کانٹ کو پھٹی امید تھی کہ مسکمر یہ گولڈ میڈل جیت جائے گا۔ دوسری طرف تیمور بھی پر امید نظر آ رہا تھا۔ وہ بڑے جوش و خروش سے تیار ہی کہہ رہا تھا اور اس کا جوش و خروش دیکھ کر یوں لگتا تھا کہ کچھلی ریس میں وہ چان بوجھ کر ہار گیا ہے۔ بال شاد کی دہائی پتہ چلا کہ کئی اور لوگ بھی ایسی بات کہہ رہے ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ تیمور کے ہارنے میں کوئی راز ہے۔ میں نے دیکھا تھا کہ تیمور کے لیے علاقے کے لوگوں میں جوش و خروش پایا جاتا ہے۔

دوڑ کا چھپا ہوا سمجھا جاتا تھا۔ ماسٹر حیات محمد سردار اشوک کے اچھے حریفوں میں سے ایک تھا لیکن وہ کبھی سردار کو ہرا نہیں سکا۔ ایک طرح سے تاریخ اپنے آپ کو ہرا رہی تھی۔ سردار اشوک کی جگہ مسکمر نے اور ماسٹر حیات کی جگہ تیمور نے لے لی تھی۔ ماسٹر حیات کا والد تو معلوم نہیں اس "دوڑ جوہ" کے حق میں تھا یا نہیں لیکن ماسٹر حیات اپنے بیٹے کو اس شوق سے دوڑ رکھنا چاہتا تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ سرداروں کے ہوتے ہوئے اس دوڑ میں جیتنا اور انعام حاصل کرنا ممکن ہی نہیں اور اگر ایسا ممکن ہوا بھی تو معلوم نہیں کب ہو۔۔۔ اُسے فوری طور پر سہارے کی ضرورت تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ جہاں پٹھا اس کا بارو بنے اور اُس کے ساتھ مل کر بہنوں کا بوجھ اٹھائے۔ وہ میری ٹیمیں مانتیں کرنے لگا۔ "اسپیکٹر صاحب! مجھ پر اتنا ظلم نہ کریں یہ لڑکا جسے آپ نے حولات میں بند کیا ہے میری ساری زندگی کی پوٹھی ہے۔ مجھ سے یہ پوٹھی نہ چھینیں، ہم جیتے ہی مر جائیں گے۔"

ماسٹر حیات مجھے ہٹا آؤی نظر آ رہا تھا۔ اُسے دیکھ کر یقین نہیں ہوتا تھا کہ وہ ایک قاتل کا باپ ہے۔ بہر حال اتنی جلدی کوئی فیصلہ کرنا بہت مشکل تھا۔ خاص طور پر یہ بات ذہن میں بہت تکلیف تھی کہ تیمور ریس کے دوران کم از کم پندرہ بیس منٹ کے لیے کہیں او بھل ہو گیا تھا۔ وہ یہاں نظر آ رہا تھا کہ وہ اچانک غر حائل ہو گیا تھا اور اُس کی رفتار سست ہو گئی تھی وہ سرسبز جھوٹ بول رہا تھا اور اس جھوٹ کو خود بھی محسوس کر رہا تھا۔

مجھے خون کی رپورٹ کا انتظار تھا۔ وقوعہ سے خون کا نمونہ حاصل کر کے تجزیے کے لیے لیبارٹری بھیجا دیا گیا تھا۔ اتفاق سے ہمیں گو بند کا خون گردپ معلوم ہو گیا تھا۔ لیبارٹری کی رپورٹ تصدیق کر سکتی تھی کہ یہ خون گو بند کا ہے یا نہیں۔ واردات کے چوتھے روز یہ رپورٹ منسلک ہو گئی۔ اس رپورٹ

اس نے کہا تھا کہ تیمور کا کنگ کالج کی ایک لڑکی سے چکر ہے اور وہ اکثر آپس میں ملتے ہیں۔ بلال شاہ نے لڑکی کا نام انجم بتایا تھا۔ میں نے لڑکی سے پوچھا۔
”تم انجم تو نہیں ہو“ وہ لڑا محسوس، پھر اقرار میں سر ہلانے لگی۔

”جی ہاں میرا نام انجم ہے۔ میں کنگ کالج میں سینڈ ایئر کی طالبہ ہوں“ تیمور..... اور میں..... میرا مطلب ہے ہم..... ایک دوسرے کے اچھے دوست ہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ اُسے کوئی نقصان پہنچے یا اس کی وجہ سے میرے بھائی بھرم بنیں..... پلیز آپ انہیں لڑنے سے روک لیجئے“ بڑے بے باک لہجے میں بات کر رہی تھی وہ۔

معاذ یقیناً سنگین تھا۔ اگر سنگین نہ ہوتا تو انجم اس طرح تھانے میں بھاگی نہ آتی۔ تھانے اور ہسپتال کا رخ لوگ اسی وقت کرتے ہیں جب پانی سر سے گزر چکا ہو۔ میں نے انجم سے تفصیل پوچھی۔ اُس نے بتایا کہ اُس کے دو بڑاں بھائی ہیں۔ وہ دو تین سال سے انگلینڈ میں کاروبار کر رہے ہیں۔ دو بڑے پہلے وہ واپس آئے ہیں۔ کسی نے تیمور کے خلاف ان کے کان بھر دیئے ہیں۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے انہوں نے مجھے نئی طرح مارا ہے اور اب گھسنے میں بھرے ہوئے ”مست دھارا“ کی طرف چلے گئے ہیں۔ مجھے ڈر ہے وہ تیمور کو بھی نئی طرح ماریں گے.....“ باتوں کے دوران لڑکی نے چہرے سے برقعہ ہٹا لیا تھا۔ وہ خاصی ہلکے خطرناک حد تک خوبصورت تھی۔ میں نے بہتر سمجھا کہ اس معاملے کو خود دیکھا جائے۔ تھانے میں جیپ موجود تھی۔ بلال شاہ کو تیمور کے گھر کا پتہ تھا۔ میں نے بلال شاہ کے علاوہ دو کانشیلوں کو ساتھ لیا اور مست دھارا کی طرف روانہ ہو گیا۔ انجم نے بتایا تھا کہ اس نے بھائی کے پاس سرخ مودیں لکائی ہیں۔ سنائی فضا ”سرخ“ بھو ان کے ساتھ

ایک طرح سے پہ کنگ کالج اور پبلک کالج کا مقابلہ بن چکا تھا۔ کنگ کالج کے حمایتی ظاہر ہے ”ہائی بصری“ کے لوگ تھے۔ دوسری طرف پبلک کالج اور تیمور کے چاہنے والے درمیانی اور غریب طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ بڑی گرما گرمی کا ماحول تھا۔ ایک روز مجھے پتہ چلا کہ تیمور کے والد نے ناراض ہو کر اُسے گھر سے نکال دیا ہے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ تیمور ہار ہار سردیوں سے مقابلہ کرے اور ہار کر ذلیل ہو۔ گھر سے نکل کر تیمور اپنے پرستاروں میں اور مقبول ہو گیا تھا۔ وہ اُسے کنڈھوں پر اٹھائے اٹھائے پھرتے تھے۔ ہر طرح اُس کے باز اٹھارہ تھے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ کوشش بھی کر رہے تھے کہ باپ بیٹے میں صلح ہو جائے..... باپ نے سوچا ہو گا کہ گھر سے نکل کر اور بھوکے پیٹ سڑکوں پر سو کر بیٹے کی عقل لٹکانے آجائے گی لیکن نتیجہ بالکل الٹ نکلا۔ آخر باپ بیٹے میں صلح ہوئی۔

یہ پٹھانکوٹ میں ہونے والی ریس سے چھ یا سات روز پہلے کی بات ہے۔ میں تھانے میں بیٹھا ایک فائل دیکھ رہا تھا کہ ایک برقعہ پوش عورت بہت گھبرائی ہوئی سی تھانے میں داخل ہوئی۔ اس نے ٹوٹی والا دیسی برقعہ پہن رکھا تھا۔ ایسے برقعوں میں آنکھوں کی جگہ ایک جالی سی ہوتی ہے۔ ہاتھ پاؤں چہرہ سب کچھ چھپا رہتا تھا۔ میں بھی سمجھا کہ کوئی اوجیز عورت اپنی پریشانی لے کر آئی ہے۔ مگر جب ”عورت“ بولی تو مجھے شدید جھٹکا لگا۔ وہ کھٹک دار آواز والی ایک نو عمر لڑکی تھی اور خاصی پرچی کھسی محسوس ہوتی تھی۔ لڑاں آواز میں کہنے لگی۔

”ہینکڑ صاحب! پلیز آپ تیمور کو بچالیں۔ میرے بھائی..... میرے بھائی گھسنے میں بھرے ہوئے اس کی طرف گئے ہیں وہ اُسے لٹ کر دیں گے۔“

لڑکی کے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی کہ میں چونک کر رہ گیا۔ مجھے لڑاں کی بات یاد آئی۔

Digest.pk

اور ظاہر ہے اس کا قاتل شیکری تھا۔
 میں "شای" اور انجم کے ہاتھوں کو پکڑنا چاہتا تھا لیکن یہ بات بھی مجھے معلوم تھی کہ جب تک سرداروں کی مرضی نہ ہوگی میں ان پر ہاتھ نہ ڈال سکوں گا۔ سردار اشوک رائے کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ کسی کو غیر قانونی فعل میں ملوث نہیں ہونے دیتا۔۔۔ حالانکہ سردار اشوک کے ملازم شای نے تیمور کو مارا تھا اس کے باوجود اکثر لوگ سردار اشوک کو اس معاملے میں ملوث نہیں سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ شای کا ذاتی فعل ہے۔ اس نے انجم کے ہاتھوں سے رقم وغیرہ لے کر یہ کام کیا ہے۔ میں نے سوچا کہ اس بارے میں سردار اشوک سے ملاقات کرنی چاہیے اور دیکھنا چاہئے کہ وہ کس حد تک قانون پسند شخص ہے۔ ایک روز میں سادہ لباس میں سرداروں کی شاندار رہائش گاہ پر جا پہنچا۔ بہت بڑے اگلی گیٹ کے سامنے سڑک چوکیدار نے میرا استقبال کیا۔ اپنے مالک کی طرح وہ بھی مجھے اچھی طرح جانتا تھا۔ اس نے امداد اطلاع پہنچائی اور تھوڑی دیر بعد میں سردار اشوک رائے کے وسیع و عریض ڈرائنگ روم میں اشوک رائے کے سامنے بیٹھا تھا۔ اشوک رائے ہمیشہ سفید لباس پہنتا تھا جیسا میں نے بتایا کہ انگریز افسروں جیسی خوب دار فضاہت تھی۔ سردار کے عقب میں کالرس پر کئی چھوٹی بڑی ٹرانزیاں اور تصویریں آویزاں تھیں۔ اس قسم کی ٹرانزیاں اور فریم شدہ فوٹو گراف پورے ڈرائنگ روم میں نظر آرہے تھے۔ یہ پچھلے تیس چالیس برسوں کی تاریخ تھی اور اس تاریخ سے پہلے چلتا تھا کہ سرداروں کی فیملی ہمیشہ ہونہار اہلیت پیدا کرتی رہی ہے۔

میں گفتگو کے بعد میں نے شای کا ذکر پھیلایا اور بتایا کہ جس نے گرتا ہے اس کے لیے ضمانت ملے گی۔ اس نے کہا کہ وہ اس بارے میں عدالت سے

گھر گئے تھے۔ وہاں سے انہیں پتہ چلا کہ تیمور دوڑ کے لباس میں صدر کی طرف گیا ہے۔ وہ واپس چل دیے۔ انہیں معلوم تھا کہ تیمور کسی بھی راستے جائے ست و حارانا لے کے پل سے ضرور گزرے گا۔ انہوں نے اپنی سرخ گاڑی لوہے پر سڑک پر کھڑی کی اور پل کے قریب درختوں میں منڈلانے لگے۔ جو فنی تیمور اور اس کے ساتھی انعام خان پل پر نمودار ہوئے انہوں نے تیمور کو دبوچ لیا۔ انہوں نے اسے غلیظ گالیاں دیں اور بڑی طرح مارنے لگے۔ انعام خاں نے دوست کو بچانے کی کوشش کی تو اسے بھی تھپڑ مارے گئے اور بھاگ جانے کا مشورہ دیا گیا لیکن وہ لٹ گیا تو شای نے طیش میں آکر اسے تلواریں دیں اور لات مار کر شیب میں پھینک دیا۔ تیمور کو انجم کے ہاتھوں نے نیچے گرا کر دبوچ لیا اور شای نے بندوق کے ورنی کندے سے پے درپے ضربیں لگا کر اس کی ٹانگ توڑ دی۔ وہ پچھلانی طرح چلتا چلا تا رہا لیکن کوئی اس کی مدد نہیں آیا۔ یہاں تک کہ انہوں کی تاب نہ لا کر وہ بے ہوش ہو گیا۔ بے ہوشی کے بعد بھی وہ اسے مارتے رہے۔ حالانکہ ان کا ارادہ اُسے جان سے مار دینے کا تھا۔

انجم اور معرونین کے جان کے بعد ضروری تھا کہ انجم کے ہاتھوں اور شای کو گرفتار کر لوں مگر اس کی نوبت نہیں آئی۔ وہ تینوں اپنی ضمانت قبل از گرفتاری کراچیکے تھے۔

کھلاڑی جسمانی طور پر معذور ہو جائے تو اس کی دنیا اندھیر ہو جاتی ہے۔ تیمور کے ساتھ بھی ایسا کچھ ہوا۔ اس کے تمام خواب اس کی پٹلی کے ساتھ ہی چکنا چور ہو گئے۔ کچھ روز پہلے وہ لوگوں کے کدھوں پر سوار تھا اور اس کی آنکھوں میں کامرانی کے سنے سنے سنے تھے۔ اب وہ ایک پرکٹے

پرکٹے کی طرح نام نہاد کی طرح رہتا ہے۔ تیمور نے اسے پکڑ لیا اور اسے اپنے کمرے کے اندر لے گیا۔ تیمور نے اسے پکڑ لیا اور اسے اپنے کمرے کے اندر لے گیا۔

سیارہ ڈائجسٹ کی حسب روایت ایک اور عظیم پیشکش

شائع
ہو گیا
ہے۔

والدین نمبر

● ایک تاریخی دستاویز جو انشاء اللہ یقیناً ہر گھر کی کامیابی اور فلاح کا ذریعہ بنے گی۔

● جس میں قرآن اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں:

● والدین کے فضائل، آداب، حقوق، فرائض اور ان کے شایان شان مستند مواد اور محکم استنباط پر مبنی واقعات اور دیگر مواد کو یکجا کر دیا گیا ہے۔

قیمت: 160 روپے

ہر گھر میں پیار و محبت
کی تحریک کا آغاز کیجئے

خود بھی پڑھیے اور دوسروں
کو بھی پڑھائیے

سیارہ ڈائجسٹ - 240 مین مارکیٹ ریوارز گارڈن لاہور

فون: 042-37245412

Digest.pk

منسوخ کرنا چاہتا ہوں۔

سردار اشوک نے کہا ”مجھے معلوم تھا تم مجھ سے اس سلسلے میں ملو گے۔ ضمانت قبل از گرفتاری کرنا آج کل آسان نہیں ہے اور یقیناً تمہارا خیال ہوگا کہ یہ ضمانت میں نے کروائی ہے لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں اس معاملے میں پڑا ہوں اور نہ پڑوں گا۔“

میں نے کہا ”سردار صاحب! مجھے معلوم ہے آپ کی مجرم کی پشت پناہی نہیں کر سکتے ہیں وجہ ہے کہ میں نے آپ سے یوں کھل کر بات کی ہے۔“

وہ بولا ”ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگ شک کر رہے ہوں۔ تیمور میرے بیٹے کا حریف ہے اور ہر دوڑ میں ان دونوں کے درمیان سخت مقابلہ ہوتا ہے۔ لوگوں کے ذہن میں آسکا تھا کہ میں نے تیمور کو مقابلوں سے خارج کرنے کے لیے اُس کی ٹانگ تڑا دی ہے تم اس معاملے میں کھل کر تحقیق کرو اور شافی سمیت کسی بھی شخص سے رعایت نہ کرو۔ جو بھی سچ ہے وہ سامنے آجائے گا۔“

سردار اشوک رائے سے مل کر میرا ذہن صاف ہو گیا اور میں نے فیصلہ کر لیا کہ شافی کو ضرور گرفتار کروں گا۔ وہ اس سے پہلے بھی ایک دو بار من مانی کر چکا تھا اور لوگوں سے کہتا پھرتا تھا کہ وہ کسی تھانے پکھری کو نہیں ماننا۔ اُس کے لیے سب کچھ سردار اشوک رائے ہے۔

لڑکوں کو ڈنچی کرنے کے بعد انجم کے جڑوں بھائی تو کہیں غائب ہو چکے تھے تاہم شافی ڈلہڑی میں ہی دھناتا پھرتا تھا۔ میں نے اُسے گرفتار کرنے کا پروگرام بنایا۔ گرفتاری کے لیے اس کی ضمانت منسوخ کرنا ضروری تھی۔ میں عدالت سے رجوع کرنے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ صورت حال اچانک تبدیل ہو گئی۔ معلوم ہوا کہ یقین میں صلح ہو گئی ہے۔ تیمور اور انعام کے خلیفوں نے تیمور کو معاف کر دیا ہے۔

ہلے میں لڑکوں کے علاج معالجے کے لیے ان کے والدین کو بھاری رقم دے دی گئی ہے۔ دونوں لڑکے غریب گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے اور ایسے گھرانے کی ضرورتوں کے قدام ہوتے ہیں۔ ان کی مجبوری کو سامنے رکھتے ہوئے انجم کے گھرانوں نے دولت کا سہارا لیا تھا اور یہ معاملہ دفع دفع کر دیا تھا۔ انجم کے بھائی تو پہلے ہی غائب ہو چکے تھے۔ اب انجم کو بھی ڈلہڑی سے باہر بھیج دیا گیا تھا۔ یہ جسمانی ضرر کا کیس تھا اور قابلِ راضی نامہ نہیں تھا۔ میں چاہتا تو اب بھی قانونی کارروائی کر سکتا تھا مگر جب عدلیٰ ہی سسٹم پڑ گئے تھے تو کیس سے جان نہ نکلتی تو کیا ہوتا۔

چندہ میں روز ہسپتال میں رہنے کے بعد تیمور واپس ڈلہڑی کی پرانی آبادی میں اپنے گھر آ گیا۔ اب وہ ایک بدلا ہوا تیمور تھا۔ اُس کے ہاتھوں میں جیسا کہیاں تھیں اور چہرے پر ہمیشہ کی فکرت لکھی ہوئی تھی۔۔۔۔۔ پھر ایک روز مجھے بلال شاہ کی زبانی پتہ چلا کہ تیمور نشہ کرنے لگا ہے اور باپ سے اس کا جھگڑا ہوا ہے۔۔۔۔۔ اس کے بعد بھی وقتاً فوقتاً تیمور کی بے راہروی اور گھروالوں سے اس کے لڑائی جھگڑے کی خبریں ملتی رہیں۔ آخر ایک دن یہ خبر ملی کہ باپ نے اُسے گھر سے نکال دیا ہے۔ ایک دفعہ پہلے بھی اُسے گھر نکالا گیا تھا مگر اُس وقت حالات مختلف تھے۔ اُس کے پرستاروں نے اُسے ہاتھوں ہاتھ لیا تھا اور اُسے مقابلے کے لیے تیار کرنے کے لیے ہڈی چوٹی کا زور لگایا تھا۔ اب وہ ایک بد نصیب نوجوان تھا جس کے سامنے تاریکی کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ تاریکی میں تو اپنا سایہ بھی ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ تیمور کے چاہنے والے بھی ایک ایک کر کے پیچھے ہٹ چکے تھے اور جو وہ گئے تھے وہ اس کی بدھتی ہوئی بے راہروی دیکھ کر ڈور ہو گئے تھے۔ تیمور اب ایک بالکل دلا ہوا لڑکا تھا۔ ایک دن تھانے سے کسی کام کے

دو گاڑیاں ہزار میں داخل ہوئیں۔ یہ بطور چھت کے کاریں تھیں۔ کوئی پردہ بیس لڑکے لڑکیاں ان پر لدے ہوئے تھے۔ یہ سب کنگ کالج کے طلباء تھے۔ وہ اکثر اسی طرح ڈیوڈی کی سڑکوں پر ہلکا کرتے رہتے تھے۔ دونوں کاریں تیمور کے قریب آ کر اچانک ٹک گئیں۔ اگلی کار میں ڈرائیونگ سیٹ پر انیس بیس سالہ سردار شیکھر بیٹا تھا۔ اس کے گلے میں سونے کا لاکٹ تھا۔ آنکھوں پر سیاہ چشمہ تھا اور گھونگھریالے بال ہوا میں لہرا رہے تھے۔ اس کے ساتھ ایک لڑکی بیٹھی تھی۔ لڑکی کو دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ وہ انجم تھی۔ ایک دفعہ تھانے میں میری اس سے ملاقات ہو چکی تھی۔ اس وقت وہ ٹوپی والا برقعہ پہن کر آئی تھی۔ اور میں صرف اس کا چہرہ ہی دیکھ سکا تھا۔ اب وہ سر تا پا نظر آرہی تھی۔ لمبے بال شالوں پر بکھرے تھے۔ دوپٹہ رشتی کی طرح گلے سے لپٹا ہوا تھا اور جرسی کی آستینیں کہلوں سے اوپر تک اڑی ہوئی تھیں۔ میں اور کانشیل تیمور سے کافی دور کھڑے تھے اور دیسے بھی ایک سائیڈ پر تھے۔ کارسواروں میں سے کسی کی نظر ہم پر نہیں پڑ سکی۔ وہ کچھ دیر تیمور کے قریب ٹک کر ہارن بجاتے اور ہنسی مذاق کرتے رہے۔ پھر سڑک پر ٹائروں کے نشان چھوڑتے اور گاڑیاں لہراتے ہوئے آگے نکل گئے۔

یہ مگر مجھے سوچنے کی دعوت دے رہا تھا۔ کنگ کالج کے لڑکوں لڑکیوں کا تیمور سے ٹھٹھا کرنا تو سمجھ میں آتا تھا مگر تیمور کی محبوبہ کا سردار شیکھر کے پہلو میں پایا جانا حیران کن تھا۔ یہ انجم ہی تھی جس کی وجہ سے تیمور اس حال کو پہنچا تھا۔ بجائے اس کے کہ وہ اس کے دشمنوں پر مرہم رشتی اور اس پر ہونے والی زیادتی کی مدافعت کا سوچتی وہ سردار شیکھر کے پہلو میں بیٹھ کر اس کا تماشا بننے دیکھ رہی تھی۔ وہ کنگ کالج کی عام چلتی لڑکیوں کی طرح بے سواں پر اتر آئی تھی یا پھر

لے "ست دھارا" جاتے ہوئے میں نے اسے ایک ہزار میں دیکھا۔ وہ ایک دکان کے کھڑے کے نیچے اوپر جا پڑا تھا۔ لباس کی جگہ جسم پر چھترے تھے اور منہ پر کھیاں۔ جھنسنارہی تھیں۔ شاید میں تو اسے پہچان بھی نہ پاتا۔ میرے ایک کانشیل نے مجھے بتایا کہ یہ ماسٹر حیات کا لڑکا تیمور ہے۔ میری نگاہوں میں پانچ چھ ماہ پہلے کا وہ صحت مند اعلیٰ گھوم گیا جو معمولی سے لباس میں بھی میرے کی طرح چمک رہا تھا اور بڑی شان سے میرے دفتر میں کرسی سے لپک لگائے بیٹھا تھا۔ جیسے حوالاتی نہ ہو کوئی قسمی میر وہ۔ آج وہ گندی ٹلی کے کنارے ایک حقیر کھڑے کی طرح پڑا تھا۔ اس کی حالت پر مجھے ترس آیا۔ میں اس کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں جانتا تھا لیکن ایک بات کا مجھے پورا یقین تھا وہ ارادے کا بہت مضبوط لڑکا تھا۔ یہ اس کے ارادے کی مضبوطی ہی تھی کہ شیکھر سے مسلسل ہارنے کے باوجود اس نے ہمت نہیں ہاری تھی اور ناگ سے محذور ہونے تک اس کے مقابلے میں ڈبا رہا تھا۔ اس کے ارادے کی مضبوطی کا دوسرا ثبوت مجھے گوبند کی گمشدگی والے معاملے میں ملا تھا۔ میں نے تیمور کو کئی روز حالات میں بند رکھا تھا اور اس سے معلوم کرنے کی کوشش کی تھی کہ وہیں کے دوران وہ پندرہ بیس منٹ کے لیے اوپنل کیوں ہو گیا تھا۔ میری انتہائی کوشش کے باوجود تیمور نے زبان کا تالا نہیں کھولا تھا حالانکہ مجھے صاف اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اپنی بہتری کے لیے نہیں، کسی دوسرے کی بہتری کے لیے خاموش ہے۔ حالات میں پوچھ کچھ کے دوران بہت کم ملزم اتنی مضبوطی سے اپنے ارادے پر قائم رہ سکتے ہیں..... اب وہی مضبوط ارادے والا نوجوان حالات کی تیز ہوا میں راکھ کے ڈھیر کی طرح دکھائی دے رہا تھا..... میں اور میرے کانشیل ایک جانب کھڑے تیمور کا جائزہ لے رہے تھے۔ کہ ایک تیز چور کے ساتھ

کو پڑھی مگی تھی۔ وہ تنگ کر بولا۔

"خان صاحب! کیا کہا ہے مگی پہلے آپ نے؟"

"تمہاری بات نہیں کی ہے" میں نے سنجیدگی سے کہا "تم جاؤ سٹری سے چائے کا کھدو۔"

"چائے... چائے میرے لیے تو نہ منگوائیں جناب" انعام خاں نے عاجزی سے کہا "ڈاکٹر نے منع کر رکھا ہے۔ بلال شاہ اٹھتے اٹھتے پھر بیٹھ گیا۔ میں نے کہا "دیکھ لو شاہ جی! اگر تمہارے خون کا اثر ہوتا تو یہ چائے سے الکار کرتا؟ جان پر بھی کیلینا پڑتا تو کیلینا لیکن چائے ضرور پیتا۔"

بلال شاہ نے منہ مٹایا اور اٹھ کر باہر چلا گیا۔ میں چاہتا بھی یہی تھا کہ تنہائی میں انعام خاں سے کل کر بات ہو سکے میں نے اصل موضوع پر آتے ہوئے کہا۔

"تیور کو تم کب سے جانتے ہو؟"

"بچپن سے جناب، ہم پرائمری سکول ہائی سکول اور کالج میں ایک ساتھ رہے ہیں۔"

"تمہارے خیال میں وہ کیسا لڑکا ہے؟"

"وہ میرا دوست ہے جناب، مجھے اس کی تعریف ہی کرنی چاہئے لیکن میں جو تعریف کر رہا ہوں وہ بالکل غیر جانبداری سے کر رہا ہوں۔ وہ دل کا ٹیک لڑکا تھا۔ کسی سے دشمنی نہیں رکھتا تھا۔ اگر کسی کی کوئی بات ناپسند ہوتی تو منہ پر کھد دیتا تھا۔ اپنی فطرتی خوبی تو معافی مانگ لیتا تھا۔ اُسے معلوم تھا گھر میں جوں جوں بھینس بیٹھی ہیں۔ والدہ بیمار ہے اور گھر بوجھ باپ کے بوڑھے کندھوں پر ہے۔ وہ اپنے گھر کے سارے ڈکھ جانتا تھا اور انہیں ڈور کرنا چاہتا تھا۔ اگر کوئی فرق تھا تو وہ سوچ کا تھا۔ باپ کی سوچ یہ تھی کہ بیٹا ملازمت کرے یا دوکانداری سنبھالے جبکہ تیور کے لیے کھیل کا میدان ہی سب کچھ تھا۔ وہ اس میدان میں نام پیدا نہ کرتا اور جیت نہ لاتا۔ وہ صرف سالانہ

یہ کوئی اور معاملہ تھا؟ میں نے سوچا کہ تیور کے دوست انعام خاں سے اس بارے میں پوچھنا چاہئے۔ یہ وہی انعام خاں تھا جو تیور کے ساتھ دہلی ہوا تھا۔ اب وہ صحت یاب ہو کر گھر آچکا تھا۔ وہ تیور کے بہت قریب رہا تھا لہذا اس سے مل کر "انجم" والی آنکھیں ڈور ہو سکتی تھیں۔

میں نے اسی روز شام کے بعد اُسے قہانے بلالیا۔ میں ایک دو گھنٹے کے لیے فارغ تھا اس لیے انعام خاں سے اطمینان کے ساتھ گفتگو ہو سکتی تھی۔ میں نے اُسے سات بجے قہانے بلایا تھا۔ وہ پورے سات بجے ہی پہنچ گیا۔

میں نے کہا "بھئی! وقت کے بہت پابند ہوں تم۔"

بلال شاہ قریب ہی بیٹھا تھا، نور اچکا "آخر خون کس کا ہے جناب؟"

میں نے کہا "اگر خون کی بات ہوتی تو یہ آٹھ بجے سے پہلے نہ پہنچتا اور آتے ساتھ ہی ایک سو ایک بھانے بنا دیتا کہ اتنی دیر کیوں ہوئی ہے۔"

انعام خاں مسکرا کر بولا "آپ کچھ بھی کہیں جناب! میں تو دل و جان سے شاہ صاحب کا احسان مند ہوں۔ انہوں نے خود بیمار ہونے کے باوجود مجھے خون دیا۔ یہ کوئی چھوٹی بات نہیں ہے۔"

میں نے کہا "تم سے کس نے کہا ہے کہ یہ بیمار تھا۔ وہ بولا "میں اُس وقت نیم بے ہوش تھا۔ شاہ صاحب کی آواز میرے کانوں میں پڑ رہی تھی۔ یہ کہہ رہے تھے کہ مجھے تین چار روز سے بخار ہے۔"

میں نے کہا "اس نے تو اور بھی کئی بھانے بنائے تھے۔ بہر حال اس بات کو چھوڑو۔ تمہارا ب کیا حال ہے؟"

میں نے جیلے کا پہلا حصہ بڑی آہستگی سے ادا کیا تھا لہذا بلال شاہ کو کچھ سنائی نہیں دیا (اُس کے ایک کان کی صلاحیت بہت کمزور تھی) اگر وہ نہ لیتا تو وہیں پانی پت کا پتہ نہ لگ جاتا تھا۔ پھر میں بھول گیا

تیمور میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اس سے میل جول
بڑھاتا۔ وہ خود ہی اس کوشش میں لگی رہی اور آخر
کامیاب ہوئی۔ وہ تیمور سے لوٹ کر محبت کرتی تھی
اور۔۔۔۔۔" کچھ کہتے کہتے وہ چپ ہو گیا۔
میں نے کہا "پوری بات کرنی چاہیے یا خاموش
رہنا چاہئے۔"

وہ بولا "میں یہی کہہ رہا تھا کہ وہ تیمور سے بے
پناہ محبت کرتی تھی اب بھی کرتی ہے اور۔۔۔۔۔
شاید ہمیشہ کرتی رہے۔"
"لیکن میں نے تو اسے کل اور ہی لاٹنگ میں
دیکھا ہے۔"

"کیا مطلب ہے جناب؟"
"مطلب یہ ہے کہ وہ سردار شہنشاہی گاڑی میں
اس کے ساتھ بیٹھی تھی اور سنگ کالج کے لڑکیاں
لڑکے ہلاک کرتے ان کے ساتھ جارہے تھے۔"
انعام خاں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ بولا
"جناب! کچھ نظر آرہا ہے وہ کج نہیں اور جو کج ہے
وہ نظر نہیں آرہا۔"

میں نے کہا "وہ کج جاننے کے لیے تو میں نے
تمہیں بلایا ہے۔"

تھوڑی سی کش مکش اور تھوڑے سے تذبذب کے
بعد انعام خاں اس "کج" سے پردہ اٹھانے پر آمادہ
ہو گیا۔ اس نے انجم اور تیمور کے بارے میں جو کچھ
بتایا وہ مختصر الفاظ میں یوں ہے۔

"چھ ماہ پہلے ہونے والی سالانہ ریس میں ہارنے
کے بعد تیمور کافی دل برداشتہ تھا۔ اس وقت اُسے
سہارا دینے والی انجم تھی اور اس کے وہ تمام پرستار
تھے جو کئی برسوں سے اُس کے جیتنے کی دعا میں مانگ
رہے تھے۔ ان میں "ست دھارا" کے کمین بھی تھے
اور ارد گرد کی غریب آبادیوں کے ال۔ بھی۔ وہ سب
کے بلانے پر تیمور کی بھلائی کے لیے لگے اور

دور ہو سکتی تھیں۔۔۔۔۔ پتہ نہیں لگتا کہ کیا منظور تھا وہ اس
واقعہ "فیورٹ" ہونے کے باوجود ریس نہ جیت سکا۔"
میں نے اُس کی آنکھوں میں جھانک کر کہا "کسی
اور کو معلوم نہ ہو تو دوسری بات ہے لیکن تمہیں تو معلوم
ہونا چاہئے وہ ریس کیوں نہیں جیتا۔"

میرے چیتے لہجے کو محسوس کر کے انعام خاں نے
اپنا زخمی پہلو سہلایا اور گہری سانس لے کر بولا "اسپیکر
صاحب! چھوٹا منہ بڑی بات ہو جائے گی۔ میں اس
لاٹنگ نہیں کہ آپ کے قانونی معاملات میں دخل ڈوں
لیکن ایک بات میں ہارے یقیناً ایمان سے کہہ سکتا
ہوں۔ گویند کے قتل یا اُس کی گمشدگی میں تیمور کا کوئی
ہاتھ نہیں۔ وہ ایسا لڑکا نہیں کہ کسی کو نقصان پہنچا
سکے۔۔۔۔۔ ہاں آپ کی اس بات سے مجھے بھی اتفاق
ہے کہ سالانہ ریس میں اُس کے ہارنے کی کوئی خاص
وجہ ہے۔ دوسروں کی طرح میں نے بھی جاننے کی
بہت کوشش کی ہے مگر وہ اس بارے میں بالکل
خاموش رہا ہے اور اب تو اُسے ویسے ہی چپ لگ چکی
ہے۔ نئے نئے اُسے اس قابل چھوڑا ہی نہیں کہ وہ کسی
سے کوئی لاٹنگ کی بات کر سکے۔"

میں نے کہا "یعنی تم بھی یہ بات مانتے ہو کہ
اس ریس کے دوران کوئی گڑبڑ ہوئی تھی۔"

"بالکل جناب! ابھی ابھی تو مجھے لگتا ہے کہ تیمور
کو جان بوجھ کر ہرایا گیا ہے اور ہرایا ہی نہیں گیا ڈراما
دھماکا کر اُس کی زبان بھی بند کر دی گئی ہے کہ وہ کسی
کے سامنے اپنا دوتا نہ رو سکے۔"

میں نے موضوع بدلتے ہوئے کہا "اچھا ایک
بات بتاؤ اور پوری سچائی سے بتانا، انجم سے تیمور کا
میل جول کب شروع ہوا تھا؟"

وہ بولا "یہ دو لاٹنگ سال پہلے کی بات ہے پہل
انجم کی طرف سے ہی ہوئی تھی۔ وہ کچھ کارنگ میں
پڑھتی تھی سالانہ کھانا کھانے کی لگتی تھی۔"

نکل دیا اور وہ اپنے دوست انعام خاں کے گھر اس کی بیٹھک میں رہنے لگا۔ دو ماہ پہلے کی بات ہے۔ ایک رات انجم برقعہ پہن کر اس سے ملنے آئی۔ انعام خاں کے ذریعے ان دونوں کی ملاقات ہوئی۔ انجم تیمور کے پاؤں میں گر پڑی اور دو رو کر اس سے معافی مانگنے لگی۔ اُس نے کہا ”تمہاری بربادی کی ذمہ دار میں اور صرف میں ہوں، میں تمہارے سامنے ہوں مجھ سے اپنی بربادی کا بدلہ لے لو لیکن مجھ سے بے رشتی اختیار نہ کرو“۔ تیمور نے کہا کہ وہ وہاں سے چل جائے اب اُن کی راہیں جدا ہو چکی ہیں۔ وہ بولی میں راہیں ملانے کے لیے آئی ہوں۔ تم جیسے اور جس حال میں بھی ہو مجھے دل و جان سے قبول ہو۔ میں تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں ہم دونوں بالغ ہیں۔ ہم کورٹ میں جا کر شادی کریں گے۔ میرے گھر والے مجھ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ ایک ہار تمہاری شادی ہوگئی تو پھر انہیں داماد کے طور پر تمہیں قبول کرنا ہی ہوگا۔ جواب میں تیمور نے کہا کہ اب وہ اُس کے قابل نہیں رہا۔ وہ بولی، تم میرے پیار کی تو چن کر رہے ہو۔ یہ مجھ سے پوچھو کہ تم کس قابل ہو۔ تم ایک لڑائی نہیں جیت سکے تو کیا ہوں۔ زندگی کی ٹرانی تو تمہارے پاس ہے۔ ہار جیت کے سینکڑوں میدان ہیں جہاں تم اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا سکتے ہو۔ اور تم منواؤ گے بھی۔ آؤ میرا ہاتھ تھام لو ہم کہیں ڈور لکھ جائیں اور نئے عزم کے ساتھ نئی زندگی شروع کریں۔ تیمور نے انجم کی کوئی بات نہیں مانی۔ وہ مان بھی کیسے سکتا تھا۔ وہ ایک بہت بڑی قسم کھا چکا تھا اور قسموں وعدوں کو توڑنا اس کی سرشت میں نہیں تھا۔ اُس نے زندگی میں بہت کم ارادے باندھے تھے لیکن جو بھی باندھے تھے انہیں پورا کیا تھا۔ اب اُسے یہ قسم بھی بھائی تھی..... انجم صرف اسی بات ہی نہیں کہہ سکتی تھی کہ بھائی! وہ کتنی سچی ہے۔ اُس نے جتنی سچی رہی۔

جب تیمور کے والد نے اُسے گھر سے نکالا تو وہ سراپا احتجاج بن گئے۔ مجبوراً ماسٹر حیات کو اپنا فیصلہ واپس لینا پڑا۔ انہی دنوں کی بات ہے ایک روز انجم تیمور سے ملنے کے لیے ست دھارا آئی۔ وہ دونوں ایک چشمے کے پاس راز و نیاز میں مصروف تھے کہ شیکھر نے انہیں دیکھ لیا۔ وہ حقیقت وہ انجم کا تعاقب کرتے ہوئے ہی وہاں تک پہنچا تھا۔ انجم اور تیمور کو ایک ساتھ دیکھ کر اس نے تیمور کا مذاق اڑایا اور کہا ٹو ایک ہار ا ہوا ٹو کا کس منہ سے کنگ کالج کی سب سے خوبصورت لڑکی کو فتح کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ طعنہ تیر کی مانند تیمور کے دل میں پھوست ہو گیا۔ تیمور اور شیکھر میں تلخ کلامی ہوئی اور شیکھر تیمور کو کھڑے یہ فقرہوں کا نشانہ بناتے ہوئے واپس چلا گیا۔ اُس روز تیمور نے انجم کے سامنے قسم کھالی کہ وہ جب تک شیکھر کو ہر انہیں لینا انجم کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھے گا۔ تیمور کی دگوں میں افغان خون تھا۔ وہ جس قبیلے سے تعلق رکھتا تھا وہاں لوگ وعدہ بھانے کی خاطر خون کے دریا بہا دیتے ہیں۔

تیمور اپنی قسم پوری کرنے کی قابلیت رکھتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس دفعہ وہ شیکھر کو ضرور ہرا دے گا۔ مشق کے دوران اٹھارہ میل کی دوڑ میں وہ جو ٹائم لے رہا تھا اُس سے بھی اعزاز ہوتا تھا کہ اس دفعہ شیکھر اور تیمور میں بہت کانٹے کا مقابلہ ہوگا لیکن پھر وہ واقعہ ہو گیا جس کی کسی نے توقع نہیں کی تھی۔ انجم کے بھائی الکلیڈ سے واپس آئے اور آتے ساتھ ہی انہوں نے اُسے آڑے ہاتھوں لیا۔ ”شادی“ سے اُس کی ٹانگ ٹوڑ دی گئی اور وہ محظور ہو کر ہسپتال کے وارڈ میں چالیٹا۔ ہسپتال سے فارغ ہونے کے بعد تیمور کی زندگی ایک نئی ڈگر پر چل گئی۔ وہ مایوسی کی انتہا کو چھو رہا تھا اور اُس کے سامنے ایک تاریک ہستی دکھائی دے رہی تھی۔ اور کچھ نہیں تھا۔ بائیں نے اب ہاتھ اُسے گراہے

اللہ کے پہلے دین کے پیغمبر جو حیات و کائنات کی بنیاد ہیں

سیارہ ڈائجسٹ

کا
عظیم الشان اور روح پرور



قیمت: 175 روپے ایڈیشن شائع ہو گیا ہے

اپنی سابقہ روایات کے شایان شان یہ نمبر پیغمبرانِ خدا کی
حیات جاوداں ان کے معجزات اور ایمان افروز واقعات پر مشتمل
ایک متاعِ بے بہا اور جامع دستاویز ہوگا۔

ایجنٹ حضرات فوری طور پر اپنے آؤدر سے مطبع فرومائیت

سیارہ ڈائجسٹ: 240 مین مارکیٹ ریواڑ گاؤں ملاہور۔ فون: 37245112

Digest.pk

”لیکراگلی“ پہنچے تھے اور ڈھولان پر خون کے دھنوں کا محاسبہ کیا تھا۔ وہاں پر پائی جانے والی کچھ شہادتوں سے شبہ ہوتا تھا کہ یہاں کسی گاڑی کو حادثہ پیش آیا ہے۔ میری نگاہوں کے سامنے پلاسٹک کے وہ ٹکڑے گھوم گئے جو کسی بمپر کا حصہ تھے۔ میں نے تباہ شدہ گاڑی کے بمپر دیکھے اور میکینڈ کے ہزاروں حصے میں مجھے اندازہ ہو گیا کہ یہ وہی گاڑی ہے (بعد میں اس بات کی تصدیق بھی ہو گئی کیونکہ بمپر کے وہ ٹکڑے ابھی تک میرے پاس موجود تھے) نجانے کیوں مجھے احساس ہونے لگا کہ اس تباہ شدہ گاڑی اور تیمور کی زندگی میں آنے والے ٹیپ و فراز میں گہرا تعلق ہے۔ گاڑی کے چلا ہونے کی وجہ معلوم ہوتی تو تیمور کی زندگی کے سب سے تاریک گوشے سے نقاب اٹھ سکتا تھا۔ جہا کا قاصد الہادی سے قریباً 20 میل ہے۔ میں نے اپنی جیب لی اور ملے کے تین ارکان کے ساتھ سہ پہر کے وقت جہا پہنچ گیا۔ جہا کے نواح میں نواب ریسائی کی رہائش گاہ کسی محل سے کم نہیں تھی۔ نواب عرصہ تین سال سے بیمار تھے۔ کاروبار اور زمینوں کے سارے معاملات نواب کے چند سالہ بیٹے اور بیگم مہرانو کے سپرد تھے۔ بیگم مہرانو کو میں نے ایک مرجہ کسی فنکشن میں دیکھا تھا۔ اس کی عمر تین سال سے زیادہ تھی۔ غالباً تین تینیس کے قریب۔ لیکن اس عمر میں بھی اس کا حسن آنکھوں کو خیرہ کرتا تھا۔ بڑی بھرپور اور شاداب صورت تھی وہ۔ نواب ریسائی کو کوئی عجیب قسم کا عارضہ تھا۔ نامعلوم وجہ سے انہیں بخار ہو جاتا تھا۔ اندرون اور بیرون ملک ان کا بے تحاشا علاج ہوا تھا لیکن نہ تو کسی بیماری کا پتہ چلا تھا اور نہ بخار میں افادہ ہوا تھا۔ ویسے سنا تھا کہ اب کچھ عرصے سے ان کی حالت بہتر ہے۔ میں نواب کو سالانہ شاداب دیکھنے کے لیے آیا ہوں۔

اس کی عین ساجس کرتی رہی لیکن تیمورس سے مس نہیں ہوا۔ دوسری طرف سرور شیکمر نے عرصے سے انجم پر نگاہ رکھی ہوئی تھی لیکن درود جہات تھیں جن کی بناء پر وہ اس سے دور تھا۔ ایک تو انجم مسلمان تھی، دوسرے تیمور سے شقی ہو چکی تھی۔ اب تیمور کے پیچھے ہٹنے سے شیکمر کے لیے میدان صاف ہو گیا تھا اور وہ آزادانہ انجم پر ڈورے ڈالنے لگا تھا۔ انجم نے بھی اورے ڈالنے کے لیے ہاتھ پیرا میلے چھوڑ دیئے تھے لیکن یہ بات نہیں تھی کہ وہ شیکمر کی طرف جھک گئی تھی۔ وہ صرف تیمور کو ہوش دلانا چاہتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ شاید رقابت کا جذبہ اس کے بجھے ہوئے دل میں محبت کا شعلہ جگا دے۔ وہ شیکمر گروپ کے لوگوں کے لڑکیوں کے ساتھ گھومتی تھی اور سینے میں گہرا ڈکھ چھا کر ہونٹوں پر مسکراہٹیں سجائے ہوئے تھی۔

جس روز انعام خاں سے میری ملاقات ہوئی اور اس نے مجھے تیمور اور انجم کی پریم کہانی کے بارے میں بتایا اس سے دو روز بعد ایک اہم واقعہ رونما ہوا۔ جس دریا نما پہاڑی ٹالے کا میں نے ذکر کیا ہے اس کا پانی ستمبر اکتوبر میں اتر جاتا تھا۔ اس دفعہ پانی اترنا تو ایک تباہ شدہ کار کا ڈھانچہ برآمد ہوا۔ یہ ڈھانچہ ست دھارا سے ایک فرلانگ کی دوری پر تھا۔ خبر ملتے ہی میں موقع پر پہنچا۔ یہ ایک چھوٹی سی ٹوسٹر گاڑی تھی۔ اس کی چھت بوقت ضرورت تہہ بھی کی جاسکتی تھی۔ تاہم جس وقت گاڑی دریا میں گر گئی چھت کھلی ہوئی تھی۔ بلندی سے گر کر گاڑی کا کچھو کچھ چکا تھا۔ مچھلے لوجوان ڈھانچے کو رستے ڈال کر دریا سے باہر کھینچ رہے تھے اور اب چاروں طرف سے اس کا جائزہ لے رہے تھے۔ موقع پر یہ خبر گرم تھی کہ یہ گاڑی چند ماہ پہلے جہا شہر کے نواب ریسائی کے پاس تھی۔

گاڑی دیکھتے ہی میں نرمی راج چمک گیا۔ میرے ذہن میں وہ منظر تازہ ہو گیا۔

Digest.pk

میرا استقبال کیا۔ اُن کی زبانی پتہ چلا کہ نواب صاحب کچھ ٹیسٹ وغیرہ کروانے کے لیے دہلی گئے ہوئے ہیں۔ نوابزادہ بھی لن کے ساتھ تھا۔ میں نے بیگم صاحب کو بتایا کہ الہدٰی کے نزدیک دریا سے ایک لکڑی کا کارکا اُحانچہ ملا ہے جس کے پارے میں کہا جا رہا ہے کہ وہ نواب صاحب کی ملکیت رہی ہے۔ اس اطلاع پر بیگم صاحب بُری طرح چمک گئیں۔ اُن کی خواہشورت آنکھوں میں حیرت کے ساتھ خوف کی جھلک بھی نظر آئی۔

وہ بولیں "ہاں..... اس سال موسم بہار میں ہماری بیوی ٹوسٹر چوری ہو گئی تھی۔ ہم نے یہاں پولیس سٹیشن میں پوچھ بھی درج کرایا تھا۔ میرا خیال ہے یہ وہی ٹوسٹر ہوگی..... بیورنگ کی۔"

"جی ہاں..... یہ وہی گاڑی ہے۔"

"مصلحتی گاڑ..... وہ کیسے یا میں گری ہوئی کیسے"

میں نے کہا "مگر نے کا تو مجھے معلوم نہیں بیگم صاحب ہاں ملنے کی وجہ پانی کا اُترتا ہے۔ آج صبح چند لوگوں نے اُس کا اُحانچہ دریا میں دیکھا ہے۔"

"اور گاڑی تو بالکل برباد ہو چکی ہوگی..... ہاؤ سیڈ..... ہمیں بہت دکھ ہوا اس بخور پر۔ وہ بہت پرانی گاڑی تھی۔ میرے خیال میں 1912ء کی رجسٹرڈ تھی۔ مجھے پرانی چیزیں بہت اچھی لگتی ہیں۔ آئی تھنک اولڈ از گولڈ۔"

بیگم صاحب جھوٹ نہیں بول رہی تھیں۔ انہیں واقعی پرانی چیزوں سے محبت تھی۔ کوشی کی نشست گاہ عجائب خانہ نظر آرہی تھی۔ قدیم فرنیچر، قدیم تصویریں، قدیم طرز آرائش یہاں تک کہ بیگم صاحب نے جو جیولری پہن رکھی تھی وہ بھی وکتور یہ عہد کی لگتی تھی لیکن چونکہ وہ خود ہی تولی تھیں اس لیے ان ساری کرم خوردہ چیزوں کے درمیان ان کی راج رہی تھیں۔

گاڑی کی بات کر کے ایک طرح سے ہم

صاحب نے معاملہ ہی ختم کر دیا تھا لیکن میں اتنی جلدی اس خواہشورت عورت کا پیچھا چھوڑنے والا نہیں تھا۔ میں کرید کرید کر سوال پوچھتا رہا کہ کار کب چوری ہوئی، کیسے ہوئی اور اس کی تلاش کے لیے کیا کچھ کیا گیا..... میری جرح بیگم صاحب کو پسند نہیں آرہی تھی اور وہ میرے طویل سوالوں کے بڑے مختصر جواب دے رہی تھیں۔ مجھے اندازہ ہوا کہ اگر میں نے تھوڑی دیر اور سوال جواب کا سلسلہ جاری رکھا تو وہ پختہ لال کر مجھ پر جھپٹ پڑیں گی۔ بیگم صاحب ہونے کی وجہ سے وہ خاصی مقررہ نظر آتی تھیں اور لگتا تھا کہ تیز مزاج بھی ہیں۔ گنگو کے دوران میری نگاہ محترمہ کی کلائی پر پڑی اور میں فصطک کر رہ گیا۔ انہوں نے ایک بہت پرانے ماڈل کی گھڑی بائیں رکھی تھی۔ ڈائل کا فریم اور سنہری پین سیاقی مائل ہو چکا تھا لیکن گھڑی کا شیشہ بالکل نیا تھا اور جم جم کر رہا تھا۔ میری آنکھوں کے سامنے فوراً وہ شیشہ آ گیا جو چھ ماہ پہلے مجھے جانے حادثہ سے ملا تھا اور جو باب دفتر میں میری میز کی دراز میں پڑا تھا۔ مجھے اپنی گھڑی کی طرف گھورتے پا کر بیگم صاحب ایک دم الٹ ہو گئیں اور گھڑی والا ہاتھ اوٹ میں کر لیا..... آج صبح دریا سے برآمد ہونے والے کار کے ڈھانچے کی میں اچھی طرح تلاشی لے چکا تھا۔ اس تلاشی میں جو سب سے اہم چیز برآمد ہوئی تھی وہ سنہری بالوں کا ایک گچھا سا تھا۔ ان بالوں کو دیکھتے ہی اندازہ ہو جاتا تھا کہ یہ کسی مرد کے ہیں اور غالب کسی انگریز صاحب کے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک ٹوٹی ہوئی مالا کے چند سبز موتی بھی ملے تھے۔ یہ موتی صاف طور پر کسی عورت کی موجودگی کی طرف اشارہ کرتے تھے۔ اب اس سنہری گھڑی کا نیا ٹوپلا شیشہ دیکھنے کے بعد مجھے سو فیصد یقین ہو گیا کہ جس وقت بیوی ٹوسٹر کو برباد کر دیا اس میں بیگم صاحب خود تھیں۔ میں سوچا کہ میں نے

Digest.pk

تھا کہ وہ انگریز کون تھا اور اس کا نام کیا تھا۔ ایک طرح سے میں نے اندھیرے میں تیر چلایا تھا اور یہ تیر سیدھا بیگم صاحبہ کے کچے میں لگا تھا۔

وہ ایک سمجھ دار عورت تھی۔ بڑی جلدی سے اس نتیجے پر پہنچ گئی کہ اب انکار فضول ہے اور اس سے بے احتیادی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ چند لمحے اپنے خوبصورت ہونٹ کانٹے رہنے کے بعد اس نے کہا "اسپیکٹر! بہتر ہے ہم اندر چل کر بات کریں۔"

میں نے کہا "نہیں! آپ خواتین کو کوئی تکلیف نہ دیں آپ مصروف ہوں گی میں آپ کے وکیل سے بات کر لوں گا۔"

وہ گڑ بڑا کر رہ گئی پھر ایک دم اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ میں لگا جیسے چلپاتی دھوپ میں بارش برسنے لگی ہے۔ لوہا جتنا سخت ہوا اتنی جلدی ٹوٹ جاتا ہے۔ بیگم صاحبہ بھی جتنی مضبوط نظر آتی تھیں اندر سے اتنی ہی کمزور تھیں "پلیز اسپیکر! میرے ساتھ آؤ میں۔۔۔ میں تم سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

کوئی اور اسپیکر ہوتا تو اپنا ریٹ بڑھانے کے لیے کہتا "ہات تو اب عدالت میں ہوگی بیگم صاحبہ لیکن میں نے ریٹ بڑھانا تھا اور نہ اس روٹی سسکتی عورت پر دھاوا ڈالنا تھا میں اٹھ کر اس کے ساتھ چل دیا۔

وہ موسم کی طرح نرم ہو رہی تھی۔ میں نے معمولی تپش دکھا کر اس کی "زبان" کو پھلایا۔۔۔ پھر جب ایک بار وہ بولنے پر آئی تو بولتی چلی گئی۔ اس نے وہ راز میرے سامنے اگل دیا جسے وہ چھ ماہ سے سینے میں چھپائے ہوئے تھی۔ وہ ایک عورت کا سینہ تھا اس میں اتنا گہرا بلی تھی۔ کوئی اس گہرائی کی تہ تک پہنچ سکا ہے نہ پہنچ سکے گا۔ مگر وہ خود اس گہرائی کو میرے سامنے ظاہر کرنے پر مجبور ہو گئی۔ اس نے بھیگی ہوئی آنکھوں اور لڑکھڑاتی ہوئی زبان کے ساتھ اقرار کیا "تم ایک ایسے بولنے والے ہو کہ تم۔۔۔ میں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتی۔ یہ

اب بیگم صاحبہ کو تقریباً مشتعل کر دیا تھا۔ وہ بولیں "سودی اسپیکر! تمہیں اس سلسلے میں کچھ اور پوچھنا ہو تو میرے وکیل سے مل لو، میں اسے تمہارے بارے میں فون کر دوں گی" اس کے ساتھ ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

میں بدستور اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ وہ برآمدے کی طرف چند قدم اٹھانے کے بعد یک لخت میری طرف گھومیں اور مجھے گھورنے لگیں "کیا بات ہے تم جاتے نہیں ہو؟" انہوں نے بڑے تلخ لہجے میں کہا۔ "میرا خیال ہے ابھی ہماری بات ختم نہیں ہوئی۔" میں نے اطمینان سے کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ مجھے پھاڑ کھانے پر آمادہ تھیں۔ فتنے کی وجہ سے سانس تیز چل رہی تھی اور جسم کے خوبصورت نشیب و فراز اب بھی نمایاں ہو گئے تھے۔ میں نے کہا "میرا ناقص خیال یہ ہے کہ آپ کی نو سو گھنٹہ چوری نہیں ہوئی تھی، اسے چھ ماہ پہلے فیکرا گل کے قریب آپ کے ہاتھوں حادثہ پیش آیا تھا اور جس وقت یہ حادثہ پیش آیا آپ کے ساتھ انگریز صاحب بھی موجود تھے۔۔۔۔۔"

میرے ان چند الفاظ نے بیگم صاحبہ کے سر پر بم کے پے در پے دھماکوں کا کام کیا۔ وہ پھٹی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگیں۔ کوئی لوکر انہیں اس حالت میں دیکھنا تو سمجھتا شاید بیگم صاحبہ نے میرے روپ میں فرشتہ اجل کا دیدار کیا ہے۔ وہ دھیمے قدموں سے واپس لوٹیں اور دھپ سے کرسی پر بیٹھ گئیں۔ میں نے تپائی پر رکھے ہوئے جگ سے پانی کا گلاس بھرا اور ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "لیجئے۔۔۔۔۔ پی لیں۔" انہوں نے لڑاں ہاتھوں سے پانی کا گلاس پکڑ لیا۔ پھر جیسے چونک کر اسے واپس تپائی پر رکھ دیا۔ میں نے "انگریز صاحب" کا ذکر گول مول انداز میں کیا تھا کہ مجھے کچھ یاد نہیں

نعرہ اُس کی گفتگو کی ابتداء تھا جو میرے اور مہربانو کے درمیان قریباً ایک گھنٹہ جاری رہی۔ اس گفتگو سے میں نے جو کچھ اُخذ کیا اُس کے خلاصہ یوں ہے۔ سات آٹھ ماہ پہلے تنگ مہربانو کی زندگی میں ایک مرد آیا تھا۔ وہ ایک انگریز فوٹو گرافر ایڈی تھا۔ ایڈی پہاڑی علاقوں کی تصویر کشی کے سلسلے میں لوہاب رییسائی کے گھر میں ہی مقیم تھا۔ وہ ایک جوان سالہ وجہ مرد تھا۔ دوسری طرف مہربانو بھی اپنے سراپے میں کشش کا ایک جہاں آباد رکھتی تھی۔ کوئی دیکھ کر کہہ ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ ایک چندر سالہ لڑکے کی ماں ہے۔ ایڈی اور مہربانو نہ چاہتے ہوئے بھی ٹکاوں کے طلسم میں گرفتار ہو گئے۔ یہ بڑا طوفانی قسم کا عشق تھا۔ مہربانو ہمیشی پار سادھوت اس طوفان کی لپیٹ میں یوں آئی کہ سندھ بندہ کھو بیٹھی۔ کوئی سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ وہ اپنے گھر میں ٹھہرے ہوئے مہمان کی محبت میں گرفتار ہو گئی ہے اور پیار شوہر کے سر ہانے بیٹھ کر کسی اور دنیا میں کھوئی رہتی ہے۔ وہ مریض کی ایک ایما لود صبح تھی۔ لوہاب رییسائی اپنے صاحبزادے کے ساتھ پٹارہ گئے ہوئے تھے۔ انہیں وہاں کسی انگریز ڈاکٹر سے ملنا تھا۔ دوسری طرف مہربانو کو عشق کے پر لگے ہوئے تھے اور وہ سب کچھ بھول کر اونچی ہواؤں میں اُڑ رہی تھی۔ ایڈی ان دنوں فوٹو گرافی کے سلسلے میں لہہڑی گیا ہوا تھا۔ شوہر اور بیٹے کے گھر سے جاتے ہی مہربانو اپنے محبوب سے ملنے کے لیے بے تاب ہو اُنھی۔ اس نے سیاہ برقعہ پہنا تو سہل گاڑی نکالی اور علی الصبح منہ اندھیرے لہہڑی روانہ ہو گئی۔ ایڈی اور مہربانو کی ملاقات لہہڑی کے ایک ہوٹل میں ہوئی۔ وہاں کچھ دیر اپنی ”بے تلبیاں“ کم کرنے کے بعد دونوں ”ست دھارا“ جانے کے لیے لکل کھڑے ہوئے۔ ایڈی نے ”ست دھارا“ کے قریب ایک پرانا ڈاک بنگلہ کھڑے پر کھڑا تھا اور ایڈی بھی

ڈھولپ کرنے کے لیے لیہارٹری بنا رکھی تھی۔ وہ مہربانو کو اپنی لیہارٹری دکھانے ڈاک بنگلہ لے جا رہا تھا کہ ٹیکراگی کے قریب ایک خطرناک موڑ پر پھسلن کی وجہ سے اُن کی گاڑی بے قابو ہو کر سنسان ڈھلوان پر جا گری۔ ایڈی اور مہربانو دونوں گاڑی کے اندر پھنس گئے اور گاڑی کی لیول لائن میں آگ بھڑک اُنھی۔ یہ بڑے نازک لحات تھے۔ ڈی ایڈی اور مہربانو گاڑی کے نیچے دبے ہوئے مدد کے لیے چلا رہے تھے اور گاڑی کسی بھی لمحے دھماکے سے اُڑنے والی تھی۔ یہی موقع تھا جب پسینے میں شرابور ایک نوجوان اُھلیٹ نے سڑک پر سے نشیب میں جھانکا۔ وہ چند لمحے شدید متذبذب میں کھڑا رہا، کبھی پیچھے دیکھتا تھا اور کبھی مدد کے لیے چلاتے ہوئے مرد و زن کی طرف۔ اُن کی سانس دھونکی کی مانند چل رہی تھی۔ پھر اُس کی نگاہ گاڑی کے پونٹ سے چھوٹی ہوئی چنگار یوں پر پڑی۔ وہ صورت حال کی نزاکت جان گیا۔ چھلانگ لگا کر وہ نشیب میں آیا اور بھاگتا ہوا گاڑی تک پہنچ گیا۔ اُس نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر ڈی ایڈی اور مہربانو کو گاڑی تلے سے نکالا اور پتھروں کی لوٹ میں لے گیا۔ بھک بھک کی آوازوں سے گاڑی میں آگ لگ گئی اور بارش کے سبب تھوڑی دیر میں ٹھنڈی ہو گئی۔ ایڈی کا ایک کتہہ چپکنا چور ہو چکا تھا۔ چہرے اور سر پر بھی گہرے زخم آئے تھے۔ دوسری طرف مہربانو بھی جزدی طور پر زخمی ہوئی تھی۔ اُھلیٹ جس کا نام تیمور تھا مدد کے لیے اپنے دیگر ساتھیوں کو بلانا چاہتا تھا مگر ایڈی اور مہربانو نے اُسے سختی سے منع کر دیا۔ مہربانو ایک ذہین عورت تھی۔ اس نازک صورت حال میں پھنس کر اُسکا ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اُس نے تیمور سے درخواست کی کہ چارہ شدہ گاڑی کو دھکیل کر دریا میں بھٹک دیا جائے۔ تیمور اب تک سارے کتہے تک پہنچ چکا تھا۔ وہ جمہا کی

انعام جگر کی کمی جی کی دست کی ادب

تھا۔ تاہم چند ماہ پہلے وہ ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں زخمی ہوا تھا اور ویسے بھی آڈٹ آف پریکٹس رہنے سے کچھ مونا ہو چکا تھا۔ امکان تھا کہ وہ اس ریس میں پانچویں چھٹے نمبر پر ہی آسکے گا۔ دوسری طرف تیمور کے ریس جیتنے کے امکانات بھی بہت کم تھے۔ دلچسپی کی بات صرف یہ تھی کہ دیکھیں تیمور ٹیکسٹر کو ہرانے میں کامیاب ہوتا ہے یا نہیں۔۔۔ اس ریس میں سب سے "لیڈرٹ" سردار فیملی کا ہی ایک نیا لڑکا درشن کمار تھا۔ وہ کنگ کالج میں سیکنڈ ایئر کا سٹوڈنٹ تھا۔ کالج کی گراؤنڈ میں ریس کا آغاز ہوا۔ ریس کی لمحہ بہ لمحہ صورت حال جاننے کے لیے سردار اشوک رائے نے مختلف مقامات پر ٹیلی فون سروں کا انتظام کر رکھا تھا۔ ٹیلی فون کے ذریعے جو اطلاع کالج گراؤنڈ میں پہنچتی تھی وہ لاکھ پتیکروں کے ذریعے تمام تماشاخیوں تک پہنچادی جاتی تھی۔ میں اور سب اسپیکر ہاشم بھی یہ اطلاعات سننے والوں میں شامل تھے۔ ریس کے آغاز ہی سے سردار فیملی کا لڑکا درشن کمار آگے نکل گیا تھا اور امید یہی تھی کہ آخر تک آگے رہے گا۔ ریس کے تیسرے میل سے وہ پرانے حریفوں یعنی ٹیکسٹر اور تیمور میں سخت مقابلہ شروع ہو گیا۔ وہ ہر صورت میں ایک دوسرے کے ساتھ رہنا چاہتے تھے تاکہ فیصلہ کن مرحلے میں جیتنے کی پہری کوشش کر سکیں۔ سردار گاؤں تک تیمور آگے تھا لیکن ٹیکر اگلی تک پہنچے پہنچے ٹیکسٹر آگے نکل گیا اور تیموری کے ساتھ اپنا فاصلہ بڑھانے لگا۔ یہاں سے "ٹنٹک لائن" داخلی میل کے فاصلے پر تھی۔ اس داخلی میل کے راستے میں ٹیکسٹر اور تیمور میں جان لیوا مقابلہ ہوا۔ جب کھلاڑی ہاپتے کاپتے ہوئے کالج گراؤنڈ میں داخل ہوئے تو تماشاخی یہ دیکھ کر اپنی نشستوں سے اٹھ چل پڑے کہ ماضی کے دو حریف دوڑ میں ایک بار پھر سب سے آگے ہیں۔ وہ ایک

دوسرے کو ہرا دینے کے ایسے شدید جذبے سے دوڑ رہے تھے کہ پہلے سے لگایا ہوا ہر اندازہ غلط ثابت ہو گیا تھا۔ درشن کمار جسے ٹیکسٹر سمجھا جا رہا تھا تیسرے نمبر پر آ رہا تھا۔ وہ ہامت لوجوان جس نے چار سال اپنی جیت کا انتظار کیا تھا اور پانچویں بار اس مقابلے کو جیت کر بھی ہار دیا تھا۔ ایک بار پھر اور شاید آخری بار یہ ریس جیتنے کی کوشش کر رہا تھا۔ تیمور کے حمایتی اٹھ چل اٹھ چل کر اُسے دلا دے رہے تھے۔ گراؤنڈ میں کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے اس وقت گراؤنڈ میں موجود بیشتر لوگوں کی ہمدردیاں تیمور کے ساتھ ہو گئی ہیں۔ وہ اُسے جیتنے دیکھنا چاہتے تھے۔ قریب دو سو گز کی دوڑ میں زبردست مقابلہ ہوا۔ ایک مرتبہ ٹیکسٹر اور تیمور بالکل برابر ہو گئے۔ لیکن آخری لمحوں میں تیمور پھر آگے نکل گیا۔ اُس نے یہ مقابلہ جیتا اور بے دم ہو کر گراؤنڈ میں گر پڑا۔ ان گنت لوگوں نے اُسے کندھوں پر اٹھالیا اور خوشی سے ناچنے لگے۔ الہادی کی تاریخ میں جیت کا وہ منظر یادگار تھا۔ فرط جذبات میں اٹھ چل کود کرنے والوں میں جہاں تیمور کے دوست اور اُس کے سیکٹروں پرستار شامل تھے وہاں اُس کا باپ ماسٹر حیات بھی تھا۔ جو خواب کئی برس پہلے اُس نے دیکھا تھا وہ آج اُس کے بیٹے نے پورا کیا تھا اور یوں پورا کیا تھا کہ آدھا الہادی مسرت سے جھوم اٹھا تھا لیکن اس جیت کی قیمت بیٹے کو کیا ادا کر لی پڑی ہے یہ بھی سن لیجئے۔ تیمور کی ٹانگ میں ایک بار پھر فریکچر ہو گئے۔ دوڑ جیتنے کے بعد وہ تقریباً بے ہوش ہو گیا تھا۔ بعد میں اُس نے بتایا کہ اُس کی ٹانگ میں شدید درد ہوتا تھا۔ اُسے فوری طور پر ہسپتال پہنچایا گیا۔ ٹانگ کے ایکسرے وغیرہ ہوئے بعد میں یہ ایکسرے دہلی پہنچائے گئے۔ انگریز سرجن سخت حیران ہوا کہ ایسی ٹانگ کے ساتھ صرف لوجوان ہوا گا۔۔۔ بلکہ اٹھارہ

پردے میں رہا گو بند ہے۔ گو بند کی گمشدگی ایک بالکل ہی علیحدہ معاملہ ثابت ہوا۔ تیمور انجم اور سردار شیکھر وغیرہ کے قتلے سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس واقعے میں وہ نکوار مردار ڈوگر فوجی ملوث تھا جسے علاقے کے لوگ شاہی کہتے تھے۔ ڈیہڑی کے اندھیروں آنکھوں میں اوجھل اوجھل روشنی دکھائی دیتی تھی کہانی میں آپ کو آئندہ ماہ سناؤں گا۔

انجم سے شادی کے بعد تیمور کی ٹانگ کا علاج معاملہ ہوتا رہا۔ کچھ عرصے بعد وہ ٹھیک سے چلنے لگا لیکن جیسا کہ میں نے بتایا ہے اس آخری ریس کے بعد وہ کبھی دوڑ نہیں سکا۔ جمہا کے نواب ریسائی اور ان کی بیگم تیمور پر بہت مہربان تھے۔ انہوں نے تیمور کو پاؤں پر کھڑا ہونے میں بہت مدد دی۔ جمہا کے فیشن اہل علاقے میں تیمور نے سیاحوں کے لیے نوادر کی ایک دکان کھول لی۔ اس دکان کو چلنا ہی تھا کیونکہ دکان کو رونق بخشنے والے اہم اور مستقل خریداروں میں نوادر کی دیوانی بیگم مہربانو بھی شامل تھی۔ وہ پہانی چیزوں کی دیوانی تھی۔ شاید اسی لیے اُسے اپنے پرانے شوہر سے ایک ہار پھر والہانہ محبت ہوگئی تھی اور یہ کوئی مصنوعی محبت نہیں تھی۔ وہ دل و جان سے اُسے چاہتی تھی۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس محبت نے کبھی اپنے شوہر سے بے وفائی کی ہوگی اور نہ آئندہ کسی نے کہا ہوگا..... نواب ریسائی کی خوش قسمتی تھی کہ اسے مہربانو جیسی بیوی ملی تھی اور مہربانو کی خوش قسمتی تھی کہ اُسے تیمور اور میرے جیسے ”راز دار“ مل گئے تھے۔ قدرت اکثر پہلی غلطی معاف کر دیتی ہے۔ مہربانو کی چند روزہ بے وفائی کی طرح یہ راز بھی ہمیشہ راز ہی رہا کہ تیمور اپنی زندگی کی ”سیکڑ لاسٹ“ سالانہ ریس میں کیوں ہار گیا تھا اور پہلے دوسرے نمبر پر آتا وہ انیسویں نمبر پر کیوں چلا گیا۔

میل کی دوڑ بھی جیتا ہے۔ سرجن کالوں کو ہاتھ لگانے لگا اور بولا کہ یہ غیر معمولی واقعہ ہے..... تیمور اس کے بعد کبھی دوڑ میں حصہ نہیں لے سکا۔ وہ اُس کی زندگی کی آخری دوڑ تھی۔ تاہم اس دوڑ میں اس نے وہ سب کچھ حاصل کر لیا تھا جس کے لیے انسان ساری زندگی دوڑتا ہے۔ اُسے جیت کی دائمی خوشی حاصل ہوئی تھی۔ مگر انقدر انعامات ملے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ اس نے اپنی محبت جیتی تھی۔ اس نے اپنے اور انجم کے سر سے اُس قسم کا بوجھ اتار دیا تھا جو یوں تو ایک لفظ تھی لیکن وزن میں اہلیہ کا پہاڑ تھی۔ شاید کچھ پڑھنے والوں کو ایک نوجوان کا قسم کھانا اور اُسے پہنا کرنے کے لیے سب کچھ فائدہ پر لگا دینا عجیب محسوس ہو لیکن زندگی میں ایسے لوگ ملتے ہیں انہی دیوانوں کی دیوانگی سے دنیا کا حسن قائم ہے۔

پہاں سردار اشوک رائے اور اس کے بیٹے سردار شیکھر کی تعریف نہ کرنا زیادتی ہوگی۔ انہوں نے نہ صرف ہار کو کھلے دل سے تسلیم کیا کہ بلکہ سردار اشوک رائے نے تیمور کو خصوصی انعام بھی دیا۔ یہیں پر بس نہیں ہوئی۔ سردار شیکھر اس سے بھی دو قدم آگے بڑھا۔ وہ جانتا تھا کہ انجم اور تیمور ایک دوسرے سے والہانہ محبت کرتے ہیں اور انجم اگر چند روز کے لیے اُس کے نزدیک آئی تھی تو وہ صرف تیمور کو دکھانے اور چلانے کے لیے۔ اُس نے تیمور اور انجم کو ملانے کے لیے اپنا کردار ادا کیا۔ انجم کے انگلیٹ پلٹ بھائی اُس کے گھر سے دوست تھے۔ اُس نے انہیں سمجھایا بجھایا اور اس بات پر آمادہ کر دیا کہ وہ اپنی بہن کی خوشیوں کی راہ میں دیوار نہ بنیں۔ کچھ کوشش نواب ریسائی کی طرف سے بھی ہوئی اور یوں انجم اور تیمور کے درمیان حائل رکاوٹیں ایک ایک کر کے مٹا دی گئیں۔

اس کہانی کا ایک کدوا شروع ہے آخری

Digest.pk



آسانہ کنول

اب وہ چلی اور بھول سی نظر نہیں آتی بلکہ ابھی خاصی سارٹ بین کے آتی ہے اس کی اس تہریلی کو محسوس کر کے میں تو خوش ہو گئی تھی حالانکہ شاید میری ہی جڑیں کٹ رہی تھیں۔ میں پوری توجہ سے کام کرنے لگی تھی پھر بھی کچھ نہ کچھ ہوتا رہا۔ میں نوکری جانے کے خوف سے اتنی اپ سیٹ رہنے لگی کہ نہ چاہتے ہوئے بھی غلطیاں ہونے لگیں۔

ایک دفتر میں ملازمہ بھرتوں کی کہانی قسمت کی دہائی اب تک اُن پر میری ساری تھی

وہ میری دوست نہ سہی ابھی خاصی واقف کار تو تھی۔ ہی ایک ہی آفس میں ہونے کی وجہ سے ہمارے درمیان ابھی درگنگ ریلیشن شپ تھی۔ چونکہ دوسری خواتین میں اس نے ایک دوسرے کا ہاتھ بٹانے اور ساتھ دینے کی کوشش کرتی تھی۔ میرے اندر ہلکے

ازلی نرمی اور بزدلی بھری ہوئی تھی۔ اس لیے میں زیادہ آگے بڑھ کے اس کا ہر اچھے بُرے کام میں ساتھ دیتی، کبھی کبھار اس کی چھوٹی موٹی مدد بھی کر دیتی۔ عجیب سی بات تھی وہ ساماؤت جھگڑائی کی سی تھی۔ اک

Digest.pk

پراسراریت میرے لیے معمر ہوتی جا رہی تھی۔ ایک دن ودانی صاحب نے اچانک مجھے اپنے کمرے میں بلا لیا۔ "مس جویریہ۔۔۔" ودانی صاحب گویا ہوئے۔ "لیس سر؟" میں نے ادب سے کہا۔ "پیٹھے پلیز"

"لیس سر۔" میں ان کے سامنے واپس کرسی پر بیٹھ گئی۔ "سر کوئی خاص بات؟" میں تھوڑی سی تشویش میں جلتا تھی۔ "آپ کتنے عرصے سے اس کہنی میں ہیں؟" انہوں نے پوچھا۔ "سر تقریباً دو سال سے۔" "آپ کو کوئی شکایت ہے ہمارے رویے سے یا اپنے کام سے؟" انہوں نے پوچھا۔ "نہیں سر۔ میں اپنے کام سے مطمئن ہوں۔" وہ سوچ میں پڑ گئے۔

"ایک خاتون اکاؤنٹس لیپارٹمنٹ میں کام کر رہی ہیں کپیڈر کا سارا کام وہ کرتی ہیں۔ یہ ایک فائل میرے پاس آئی ہے اسے ذرا آپ خود دیکھ لیں۔ یہ غالباً کمپنی کی نئی سائٹ سے متعلق پیپر ہیں جو آپ نے صدیقی صاحب کے ساتھ تیار کر کے اکاؤنٹس میں بھیجے تھے۔" "لیس سر۔" میں نے فائل کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ اتنا بہترین کام کرتی ہیں پھر اس میں اتنے بڑے ہلڈ رکھے ہو گئے؟"

میرے پاؤں تلے سے زمین کھلی۔ "سر، میں ابھی دیکھ لیتی ہوں۔" میں نے اسی وقت ساری فائل چیک کی۔ ایک دو صفحات پر مجھے شک گزرا۔ "سر میں اسے ذرا دوبارہ چیک کر سکتی ہوں۔ میں نے اس کی کاپی بنا رکھی ہے۔ ایک سیکنڈ میں وہ کاپی لا کر دیتی ہوں۔ آپ خود چیک کر لیں۔" میں اپنے کیمین میں پہنچی تو منیبہ میرے کیمین میں موجود تھی۔ میں ذرا سا ٹھٹھک گئی۔ نہ جانے کیوں مجھے اس پر شک سا گزرا۔ جیسے وہ کچھ تلاش کر رہی تھی۔ "وہ میں نہیں دیکھنے آئی تھی۔" وہ گھبرا کر بولی۔ "کوئی کام ہے؟" میں نے اس سے پوچھا۔ "ہاں کچھ فائل مل رہے تھے۔"

میں نے اس سے پوچھا۔ "پھر اسے پائل ہوں۔" انہیں ملے۔ میں

خاصا جو داس نے بھول سا بنا رکھا تھا۔ اپنے نو پر پیسے خرچ کرنا وہ ویسے بھی حرام سمجھتی تھی یا شاید حالات اجازت نہیں دیتے ہوں گے۔ میں نے کئی دفعہ کرپڈنے کی کوشش کی مگر وہ بے اعتنائی سے کچھ نہیں کہہ کر چپ ہو جاتی۔ کئی دفعہ اس کے گھر جانے کو کہا مگر وہ بات ٹال جاتی۔ ہمہ وقت وہ کسی سوچ میں گم رہتی۔ میں اکثر سوچتی کہ وہ کافی زیادہ ضرورت مند ہے حالانکہ اس نے کبھی گھریلو حالات کا تذکرہ بھی نہیں کیا تھا۔ میں اسسٹنٹ منیجر کے عہدے پر کام کر رہی تھی اور وہ اکاؤنٹس ڈیپارٹمنٹ میں تھی۔ میرا رابطہ براہ راست چونکہ کمپنی کے چیئرمین صاحب سے ہوتا تھا۔ ودانی صاحب میرے کام سے بے حد خوش تھے۔ میں بھی اپنی فیملی کو سپورٹ کر رہی تھی۔ چھوٹے بہن بھائی سکولوں میں تھے والد صاحب ریٹائر ہو چکے تھے۔ والد کی ریٹائرمنٹ پر جو پیسے ملے وہ دو بہنوں کی ناوی اور بھائی کو باہر بھیجے پر لگا دیے۔ ابھی میرے سیت تین بیٹیاں باقی تھیں گھریلو حالات زیادہ بہتر نہیں تھے اس لیے مجھے نوکری نا پڑی۔ چھوٹی بہن پڑھ رہی تھی اور میرے پیارے بھائی نے وہی کیا جو اکثر سپورٹ کرتے ہیں۔ یوڈھے والدین کو بھول کر اپنی زندگی سنوارنے میں لگ گیا۔ اس نے کبھی فون کیا نہ اطلاع ہی دی۔ کچھ ہی عرصے بعد اس نے وہاں شادی کر کے ہم سے بالکل ہی تعلق توڑ لیا۔ والدہ تو صدمے میں چلی گئیں۔ سارا وقت بیٹے کی یاد اور اس کی جدائی میں گھلتی رہیں اور ہم سب ماں کو سمجھانے میں لگے رہے۔ انہیں سمجھاتے کہ ہمارے ساتھ وہی ہوا ہے جو بیشتر لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور یوں مجھے اپنے والدین کا سہارا بننا پڑا۔ شادی کی عمر نکلتی جا رہی تھی۔ والدین کو یہ غم بھی کھائے جاتا اور میں بے حد دکھی ہوتی رہتی تھی کیا کر سکتی تھی۔

میں منیبہ کی بات کر رہی تھی۔ وہ اس کی

"ہی۔"

"لو کے۔ اور وہ مس منیبہ ان کے کہیں میں بیٹھتی ہیں؟"

"ہیں سر۔"

"لو کے آپ جائیں اور آئندہ کوشش کریں کہ اپنے اور گردلوگوں پر نظر رکھیں۔ مجھے آپ کے کام پر شک نہیں ہے۔"

میں ہا ہر آ کر سوچنے لگی۔ مجھے یاد آنے لگا کہ آج کل منیبہ اور صدیقی صاحب کے درمیان کافی فریک لس ہے۔ منیبہ بھی اب پہلے سے کافی بدلی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ اب وہ جملی اور مجھول سی نظر نہیں آتی بلکہ ابھی خاصی سارٹ بن کے آتی ہے۔ اس کی اس تہذیبی کو محسوس کر کے میں تو خوش ہو گئی تھی حالانکہ شاید میری ہی جڑیں کٹ رہی تھیں۔ میں پوری توجہ سے کام کرنے لگی تھی پھر بھی کچھ نہ کچھ ہوتا رہا۔ میں نوکری جانے کے خوف سے اتنی اپ سیٹ رہنے لگی کہ نہ چاہے ہوئے بھی غلطیاں ہونے لگیں اور کچھ لوگ شاید یہ ہی چاہتے تھے۔ مگر درانی صاحب کو ابھی تک مجھ پر یقین تھا اس لیے نوکری چل رہی تھی۔ 6 مہینے اسی آگے بھولے میں گزر گئے۔ پھر ایک دن بالآخر صدیقی صاحب درانی صاحب کے پاس جا پہنچے۔ ان کی خواہش تھی کہ چونکہ مس جویر یہ کام کو اچھے سے سنبھال نہیں پا رہی ہیں اس لیے ان سے ذمہ داریاں لے کر منیبہ کو دے دی جائیں، وہ اپنے کام سے زیادہ وفادار ہیں اور بہتر کام کرتی ہیں۔ مگر ان صدیقی صاحب چونکہ 25 فیصد شیراز کے مالک بھی تھے لہذا وہ فیصلہ بھی کر سکتے تھے۔

"میں سوچتا ہوں اس بارے میں، مگر منیبہ صاحبہ کو اتنی بھاری ذمہ داری دے دینا بھی آسان نہیں۔" درانی صاحب نے کہا۔ پھر ان صدیق صاحب نے کہا "اس بارے میں میں ان تمام باتوں سے

چلتی ہوں۔" وہ یہ کہہ کر جلدی سے چلتی بنی۔ میں نے اپنا دروازہ کھولا۔ شکر ہے مجھے وہ قائل مل گئی۔ شاید وہ اسی کی حاش میں آئی تھی۔ میں فوراً قائل لے کر درانی صاحب کے پاس پہنچی۔ انہوں نے دونوں قائلوں کو مل کر چیک کیا تو انہیں سمجھ آ گئی۔ "مس جویر یہ آپ کی کوئی ذاتی پر خاش تو نہیں مس منیبہ کے ساتھ۔"

"نہیں سر، ایسا تو کچھ نہیں۔" میں نے جلدی سے صفائی پیش کی۔

"لو کے آپ جائیں۔" انہوں نے ہدایت کی۔

میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ آج تو بالکل نوکری جانے والی تھی۔ شکر ہے اپنی غلطی سے بچ گئی لیکن کتنی دیر سوچتی رہی کہ منیبہ نے ایسا کیوں کیا؟ میں نے تو ہمیشہ اس کا ساتھ دیا اور اس کا بھلا چاہا ہے۔ ویسے بھی اب بھلائی کا زمانہ ہی نہیں۔ میں نے احتیاطاً اپنی چیزیں اور کاغذات لاک کرنے شروع کر دیئے۔ پھر جیسے یہ سلسلہ چل نکلا۔ کبھی کسی کام میں لگتی کبھی کسی کام میں کی۔ اکثر درانی صاحب کے سامنے میری پیشی ہونے لگی۔ "مس جویر یہ کیا ہو گیا ہے؟ آپ تو بہت مہنتی خاتون ہیں آپ کا کام بھی درست ہوتا ہے پھر اب کیا ہوا۔ اکثر غلطیاں لگنے لگی ہیں۔ آپ کی توجہ کہیں اور ہے شاید۔" درانی صاحب نے تو بار بار طریقے سے ہی کہا مگر میں بے حد شرمندگی محسوس کر رہی تھی۔ "سر آئی ایم سوری۔ میں اپنی پوری کوشش کر رہی کہ ایسا نہ ہو لیکن میں اب تک سمجھ نہیں پاتی کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟"

"ایک بات بتائیے۔۔۔۔۔" درانی صاحب سوچے بولے۔ "کوئی ایسا شخص جو جان بوجھ کر آپ کے کام میں گڑبڑ کر رہا ہو؟" کچھ دیر کے لیے مجھے محسوس ہوا کہ وہ میرے ہمدرد ہیں۔ "مگر چونکہ میں ایسا کچھ جانتی نہیں اس لیے کسی نے بارے میں کیا کہہ سکتا ہو۔"

"آپ غفران صاحبہ کے تحت ہیں؟"

ہے۔" دانی صاحب غصے میں آگئے۔ "وہ ایک لائق خاتون ہے اور وہ اپنے کام کو بہت اچھے انداز میں چلا رہی ہیں۔ مجھے ان سے کوئی شکایت نہیں۔ اس آفس میں ان کے کام کی خرابی صرف آپ کی لوداس لڑکی کی وجہ سے ہوئی، میں یہ بات جانتا ہوں کبھے آپ۔ آپ یہ بات فائل کریں کے آپ مس منیب سے نکاح کر رہے ہیں یا نہیں؟"

"سر میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا، میرے شیڈرڈ کی نہیں۔"

"جو بھی ہو آپ کو نکاح کرنا ہی ہوگا ورنہ آپ کی اس آفس میں کوئی جگہ نہیں۔" دانی صاحب نے دھوکہ انداز میں کہا۔

اب صدیقی صاحب پریشان ہو گئے کچھ دیر چپ رہنے کے بعد گویا ہوئے۔ "ٹھیک ہے مگر ایک شرط پر۔"

"شرط وہ کیوں؟"

"آپ کو بھی مس جویریہ سے شادی کرنی پڑے گی۔"

"وہ کیوں؟" دانی صاحب زور سے چلائے۔

"کرنی پڑے گی ورنہ میں بھی آپ کی پہل کھول دوں گا۔"

صدیقی نے دھمکی دی۔ "تم جانتے ہو میں شادی شدہ ہوں۔"

"دانی صاحب اس بات پر بخیر ہو گئے۔"

"شادی شدہ ہیں پھر کیا ہوا۔" صدیقی نے بے چارگی سے کہا۔

"ٹھیک ہے میں اس بات پر سوچوں گا۔"

"نہیں سر نہیں فوری فیصلہ جیسے میرے لیے کیا آپ نے۔"

"صدیقی سے ڈھٹائی سے کہا۔"

"ٹھیک ہے میں کھل جاؤں گا مگر پہلے تم منیب سے نکاح کر۔"

اور یوں منیب صدیقی کو گھر واپس مل گئی۔ اور میں جویریہ دانی ایگزیکٹو ہیڈ میں شامل ہو کر دانی صاحب کی شریک حیات بن چکی ہوں۔

قسمت بھی کبھی یوں بھی بدلتی ہے۔

انجان تھی۔ اچانک دانی صاحب کاپی اے ایک لیٹر لے کر میرے پاس آیا۔ "کیا ہے یہ، جاوید صاحب؟" میں نے پوچھا۔ "میڈم یہ دانی صاحب نے دیا ہے۔ آپ کے لیے۔" میں نے کانپتے ہاتھوں سے لیٹر کھولا۔ میری ترقی کردی گئی تھی دانی صاحب نے مجھے منیجر بنا کر فیکٹری کے آفس میں بھیج دیا تھا، ساتھ میں چک اینڈ ادراپ کی سہولت بھی دے دی تھی۔ گاڑی گھر سے لاتی اور لے جاتی۔ فیکٹری میں کسی کو بھی مجھ سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ ہیڈ آفس میں منیب کو صدیقی صاحب کا اسٹنٹ بنا دیا گیا مگر اسے کپیڈر کے علاوہ کچھ پتہ نہیں تھا۔ صدیقی صاحب اس کے سارے کام کرتے۔ آفس میں بھی وہ اکیلے ایک ہی کیمین میں کام کرتے تھے۔ کئی لوگوں نے انہیں عجیب حرکات کرتے دیکھا۔ ایک دن تو حد ہی ہو گئی جب دانی صاحب کو اچانک صدیقی صاحب کے کیمین میں جانا پڑا۔ وہیں صدیقی صاحب اپنی اسٹنٹ کے ساتھ قابل امتزاج حالت میں موجود تھے۔ ورنہ پر بیٹھا گاڑ دانی صاحب کو نہ روک سکا تھا اور صدیقی صاحب کا نو تو بدن میں لہو نہیں کی مثال بن گئے تھے۔ دانی صاحب نے اپنا حصہ ضبط کیا اور صدیقی صاحب سے کہا کہ وہ ان کے آفس میں آجائیں۔ کچھ ہی دیر بعد دھواں دار ہاتوں کا سلسلہ باہر نکلا۔ تمام درگزر پریشان اور ہراساں کھڑے تھے۔ جہاں ان کی سمجھ میں آئی وہ یہ تھی کہ صدیقی صاحب نے ایک شریف لڑکی کو دھنلا پا ہے لہذا اس سے شادی کر لیں ورنہ بہت بدنامی ہوگی اور صدیقی صاحب نے جہاں دانی صاحب پر اثرات کی بوجھا کر دی۔ اس نے کہا "آپ بھی تو مس جویریہ کے ہمد ہیں انہیں آفس میں بلائے ہیں۔ ان کو پرموٹ کیا، منیجر بنا دیا آپ نے ایک بلا لائق خاتون کو تاجیذا عہدہ دے دیا۔ میری بات پر کوئی غور نہیں دی۔"

"صدیقی صاحب آپ کے کہنے کا کیا سہا"

Digest.pk



یاراں دا ویلا

غزوہ مزاح

اقبال بسم

ماسی کا مطلب ہے..... ماسی غصہ کی گرم چھل کی سوتلی نہیں لگی بہن..... لیکن یہ گھروں میں کام کرنے والی یا دالیوں کو پتہ نہیں اتنا بڑا رتبہ کس شوہر کی دشمن یا دشمنیوں نے دے رکھا ہے معمولی سی حیثیت کی ماسیوں کو لان کی ماؤں کی بہنیں بنا دیا ہے بلکہ ننڈیں بنا کے انہیں سر جھاڑنے کے لیے سر پر چڑھا رکھا ہے.....

غزوہ مزاح کی چاشنی لیے شگفتہ اور چھلی تحریر

تعریف کی اور اُچھل کر کہنے لگا۔
"ارے قیری ماسی تو..... اوہ سوہی..... میری
بھئی تو مجھے اپنا رب کہتی ہے،" کیا.....؟ رب کہتی
ہے؟" دوستوں نے غصہ سے پتہ نہ چاہا۔
"اے..... کیا ہے؟"

ماسی یا ماسیاں صرف ایک حال میں خوش رہ سکتی
ہیں اور وہ ہے "شادی ہال" کہ وہاں کھانے کو کھلے
"کھا بے" ملتے ہیں۔

ایک ماسی کے شوہر نے اپنے دوستوں کے
سامنے اپنی شریک حیات، آپس حیات کی خوشبو

Digest.pk

”وہ کس طرح.....؟“

میں جب بھی شراب پی کر گھر میں داخل ہوتا ہوں تو میری بیوی مجھے دیکھتے ہی اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہتی ہے ”ہائے لوے میرا دیا..... اب فیر پی کے آ گیا ایس (آف میرے اللہ آج پھر پی کر آ گئے ہو.....)۔“

اسی طرح ایک اسی نے اپنی نئی پڑوس کے سامنے اپنے اعلیٰ قسم کے نمبر ٹاکنے کے لیے اپنے شوہر کی اعلیٰ قسم کی تعریف کی۔

ارے بھئی میرے شوہر تو مجھے اپنا ”جان“ کہہ کر پکارتے ہیں۔

”جھوٹ بالکل جھوٹ.....“ قریب کھڑی ہوئی اس کی جھوٹی بیٹی نے شور مچا دیا اور کہنے لگی۔

”ٹوٹیلی تو اپنی جان صرف ”مائی“ کو کہتے ہیں۔“

ایک دیہاتی میرے دوست سے ہار ہار کہہ رہا تھا ”میں اپنی مائی کے گھر جا رہا ہوں میں اپنی مائی کے گھر جا رہا ہوں“ میں بھی قریب ہی کھڑا ہوا سن رہا تھا لہذا میں نے شراعت کے طور پر پوچھ لیا (وہ کہاں رہتی ہے؟) جواب ملا جلو موڑ۔

وہ تو سرحدی علاقہ ہے وہاں وہ کیا کرتی ہے؟ میں نے دیہاتی کے ”کیلے پن“ کا نا جائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تو جواب ڈرا سا سچی سے ملا۔

”ہاں سرحدی علاقہ میں رہتی ہے اور وہاں پر دشمنوں کی گردنیں مروڑتی ہے..... تم نے بھی اپنی گردن مروڑانی ہے؟“

دیہاتی کا جواب سن کر میں نے اسی لمحے اپنی گردن پر ہاتھ پھیرا اور جب ڈاٹھلی ہو گئی کہ میری گردن اپنی جگہ پر ہی قائم ہے، دوسرا دھڑکن پھیل رہی تو دل ہی دل میں اللہ سوچنے کا شکر ادا کرتے ہوئے دیہاتی کی طرف خشکیں نظروں سے دیکھا تو ٹائل ہوتا ہی میرے لیے چیلنج بن گیا لہذا اسی وقت میں نے دیہاتی سے ایک سوال اور جڑ دیا ”کتنے.....؟“

”میں نے فوجیوں کی کبھی کتنی نہیں کی۔“ جواب

آیا اور میں نے اسی وقت دوسرا محفل سا جواب گھڑا

”یعنی اتنے زیادہ ہیں؟ تمہاری مائی ہے یا.....؟“

”کیا مائی ہے؟“ پیٹڈو نے ذرا تیز گئی سے پوچھا۔

”مائی.....؟ میری ماں کی بہن اور کون.....؟“

میں نے ذرا سنبھل کر جواب دیا۔

”تو پھر یہ فوجی کیا ہے؟ میں نے فوجیوں کی کتنی

کبھی نہیں کی..... کبھے.....؟“

”ادیار میں نے تمہاری مائی کے فوجی جوان

پوچھے ہیں۔“

”ادیاں میری مائی دے فوجی یعنی میری مائی

کے ہتر؟ اس کی اولاد؟ اوئے شہریو..... کسی بہت بخولی

ہو بلکہ بکے ”لاخولی“ ہو.....“

چلو گئی..... دیہاتی نے مجھے شادی بیاہ میں

ڈھول پیٹنے والوں میں شامل کر دیا ہے، مگر میرا سوال

دہیں تھا۔ میں نے اپنی جان بچانے کی گھر میں صرف

اتکا کہا۔

”کتنے.....؟“ اور جواب میں دیہاتی نے مجھے

گھورتے ہوئے کہا: ”دس۔“

بس بھئی بس زیادہ بات نہیں سیٹھ صاحب میں

نے دس کے جواب میں فکری گیت کا مصرعہ جڑ دیا اور

پیٹڈو مجھے پھٹی پھٹی نظروں سے گھورتا ہوا خاموش ہو گیا

سو مجھے بھی اپنے منہ پر ٹیشو ڈال یا تولیہ رکھنا پڑا۔

مائی کا مطلب ہے..... ماں شادی گرم چھاں کی

سو تلی نہیں سگی بہن..... لیکن یہ گھروں میں کام کرنے

والی یا والیوں کو پتہ نہیں اتنا بڑا رزق کس شوہر کی دشمن یا

دشمنیوں نے دے رکھا ہے معمولی سی حیثیت کی

ماسیوں کو ان کی ماؤں کی بہنیں بنا دیا ہے بلکہ تدریس

ہنا کے انہیں سر جھاڑنے کے لیے سر پر چڑھا رکھا ہے

شاید اس لیے کہ ہوم فستری اس کے شوہر اور بہنوں کو یعنی

اپنی خواتین کے لیے ہے۔ لہذا اس نے انہیں کر سکتیں اسی

Digest.pk

ابھی حرا چمکتی ہوں اور اس نے اسی وقت آپا دیکھنا
گیا دھڑ سے دوسری کو اپنا ہاتھ گھما کر ڈاز سے پھینک دے
مارا اتفاق کہنے دوسری تو اچانک تھوڑی سی پیچھے ہٹ کر
رہنے لگی دھڑ پھر سے فحاشی لگن اس کے پیچھے ہی کھڑی
ہوئی پہلی اس پھینک دے میں آگئی۔ اب تو سہ فرقی
پتھاپائی کی جگہ عروج پر تھی اور ان کے فٹل میلہ
دیکھنے والوں کے فٹل کے فٹل اس فٹل قول سے بھر پور
لفظ امداد ہوتے ہوئے تالیاں پیٹ رہے تھے۔

ایک ماسی نے اپنی غربت کا شہد کی کھینوں پھر
عوامی کھینوں کی طرح بھاں بھاں کا رونق افروز دونا
دوتے ہوئے ایک بڑی ہی دلچسپ بات بتائی کہنے
لگی۔ میری ساسو ماں "بج گاں"..... کی طرح ہر
وقت منہ مارتی رہتی تھی ایک مرتبہ اس نے میرے
شوہر کی کسی بات سے خوش ہو کر تعریف کی اور پھر اس
موقع پر اسے اپنی طرف سے پیدا بھی دی۔

"جاوے ہترا..... تیرے پاس بہت دولت ہو،
حیرا ہاتھ اوپر رہے نیچے نہ ہو، اور اس کا ہاتھ واقعی ہی
اوپر رہا کہ وہ ایک پرائیویٹ دفتر میں کیٹنر جالگا،
دن بھر دولت اس کے ہاتھ میں بھگڑا لاتی لیکن شام
ہونے سے پہلے پہلے اس کے ہاتھوں میں رقص بھگڑا
کرنے دان دولت کا رقص اور سولو ڈانس ختم ہو جاتا
تھا کہ ختم "مڈ" میں وہ خرق ہو جاتے تھے اس کا
مطلب یہ ہوا کہ "اس کا ہاتھ اوپر ہی رہتا تھا نیچے
نہیں آتا تھا اس کا ہاتھ اس وقت نیچے آتا تھا جب
اسے "تن خواہ" یا پھر "خولہ لاتی تھی"۔

ایک اور ہی گورہ ماسی نے بتایا کہ ان کے گھر پر زکوٰۃ
دینے والے سرکاری کلرک آئے اور اس سے قادم پر
انگوشا لگوانے سے پہلے ایسا ہڑ دینے لگے جیسے وہ مجھے
کلی ہزار روپے زکوٰۃ دیں گے اور جب اس نے اپنا انگوشا
قادم پر گاڑ دیا تو میری خدمت عالیہ مکہ..... میں..... غصے
کے ساتھ زکوٰۃ ایک..... کا لون نہایت نفرد غرور

لیے انہوں نے شوہروں کی بہنوں کو گھروں کی
لوکرانیاں دوسرے لفظوں میں ماسیاں بتادیا ہے یا
پھر اس خطرے کے پیش نظر کہ ان کے شوہر ماسیوں پر
بگڑتی ہوئی یا جیتی ہوئی نظر نہ رکھیں انہیں ماسی کا
خطاب دے دیا ہے لیکن فائدہ تو انہیں پھر بھی نہیں ہوا
کہ ماسی کی بیٹی کے بقول ہزار پردے ڈالنے کے
باوجود شوہروں کی جان تو صرف ماسیاں ہی ہیں، آپ
کو پتہ ہی ہوگا کہ لفظ "ماسی" طریقہ طور پر بھی استعمال
کیا جاتا ہے۔ جی ہاں جیسے دو بڑے بیویوں کے درمیان
جنگ ترکی، قبرص اور یونان چھڑ گئی، مہمان کی لفظی
گولہ باری ہو رہی تھی کہ تیسری پڑوسن بیچ میں دم سے
کو بڑی اور بیچ بچاؤ کرانے لگی جب تیسری نے ایک
خاتون کو "بھیا" مارتا دے کلا دے میں لے لیا اور
دونوں کو الگ الگ کرنے کی کوشش کی تو دوسری نے
نشانہ باندھ کر پہلی کو اس کے ابھرتے ہوئے پیٹ پر
دلتی جھاڑ دی اب تو پہلی کے لیے چیلنج بن گیا کہ وہ
بھی مد مقابل کو دلتی کی ٹوک پر رکھ لے ورنہ سخت قسم کی
توہین عدالت ہوگی لہذا اس نے کلاوہ مارنے والی
عدوت سے اپنی جان چھڑاتے ہوئے تیسری سے
طریقہ جملہ کہہ دیا۔ اورے چھوڑ ماسی کی بیٹی..... تم کہاں
کی ماسی کی بیٹی ہوگی درمیان میں آکھدی ہو؟

لیکن جب تیسری نے ماسی کو چھوڑنے میں ذرا
سی غفلت سے کام لیا تو دوسری نے جھٹکا دے کر
تیسری سے اپنی جان چھڑائی لیکن دوسری کے لیے
اس کا جان چھڑانا عذاب ہو گیا کہ دوسری نے پہلی
کے پیٹ پر ایک شاعرانہ "گک" رسید کر دی اور
ساتھ میں اسے طریقہ جملہ بھی کہہ دیا۔

"ماسی دی ہترا؟"

اب تو تیسری کی بھرکی فل پیٹ سے گھوم گئی کہ
ہائیں..... میں اور ماسی کی ہترا؟ یعنی میں اور کہہ سکتی کی
بیٹی؟ میں کی سکتی کی بیٹی؟ میں کا پتہ پھر تو اس نے

Digest.pk

ہے.....؟ تو پھر میں نے مطلب کو سمجھنے کے لیے اپنے کمرے سے کانوں میں انگل پھیری..... اب ظاہر ہے کان میں انگل پھیرنے سے کان ہی کو مزہ آتا ہے انگل کو نہیں سو میرے بھی کانوں کو مزہ آنے لگا تھا اس لیے ماسی کی آواز بھی صاف ہوتی تھی۔ اب جب کانوں کی موٹر سائیکل کی طرح اچھی طرح "ٹیوننگ" ہو گئی تو آنے والی آواز بھی کلیئر ہو گئی ماسی کی آواز اب بھی مسلسل آرہی تھی۔

"نی ماسی یاد راں داویلا ہو گیا اے"
لیکن اس جملے کا مطلب "اُم غلم فلا" ہی تھا
سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ
"ماسی کہنا کیا چاہ رہی ہے؟"

لہذا اس جملے کا مطلب سمجھنے کے لیے میں نے سگی ماسی خلد بخلد حقیقی خلف اس ہی ماسی سے مدد لی۔

"ماسی مئی یہ ماسی کیا کہہ رہی ہے؟"
"وے پتر، یہ ماسی چائے پینے کی بڑی شوقین ہے میرا خیال ہے اس کا جسم نچوڑا جائے تو اس کے جسم سے خون کی جگہ بھی چائے ہی نکلے گی اور اس وقت یہ مجھے یاد کر رہی ہے کہ دن کے گیارہ بجتے والے ہیں لہذا چائے بنائی جائے اور جب تک میں ماسی کو "اچھا" کی آواز نہیں دوں گی اس کی یہ کیسٹ شپ دیکھاؤں پر لگی ہوئی یونہی چلتی رہے گی اور جب تک میں اس کے آگے چائے رکھ نہیں دوں گی اور یہ صوب صوب کی آواز کے ساتھ پی نہیں لے گی یہ برتنوں کو دھونے کے لیے "چو کے" پر یونہی بیٹھی ہوئی آوازیں نکالتی رہے گی۔ اس کے بعد بھی یہ ہاتھ زیادہ اور کام کم اس وقت تک کرتی رہے گی جب تک دن کے دو نہیں بچ جاتے اور جب دیکھے گی دو بجتے والے ہیں اور اب روٹی کے گی تو قافٹ ہاتھ دھوئے گی اور کھانا کھانے کے لیے ویٹرے"

کے ساتھ پیش کر دیا جس سے دس گلو آنا بھی شاید پورا نہیں آتا تو دیگر اخراجات کا کیا بنے گا؟ میری ذکوہ کشی والوں سے ہاتھ جوڑ کر گزارش ہے کہ وہ اپنا لوٹ واپس لے جائیں میرے اخراجات "ماسی گیری" سے ایسے جیسے تیسے پودے ہوتے جاتے ہیں۔ اس لیے میں نے ہیک میں دیے ہوئے ایک ہزار روپے کے نوٹ کو ہوا نہیں گنے دی گویا اس لیے وہ اب تک گڑبگ ہے بالکل نیا گود ہے۔ بلکہ میک اپ زدہ ہے۔ اسے واپس لے جائیں مجھے خطرہ ہے اس ایک ہزار کے نوٹ کی بنا پر میری کردلوں کی جان نہ چلی جائے کہ اس نوٹ کو چرانے کے لیے بے شمار اکوچہ اپنی غربت مٹانے کے لیے میرے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔"

ایک ماسی میری سگی ماسی کے گھر میں بھی کام کرتی تھی وہ روزانہ صبح دس بجے کے قریب میری ماسی کے گھر آتی تھی اور دو بجے کے قریب "کھانا لال" یا پھر "ڈکار" کر لے جاتی تھی ایک روز ماہولت صبح ہی اپنی ماسی کے گھر مہمان بن کر وارد ہو گیا اور اپنی ماسی مئی سے اپنے سر پر پیار لے کر ادھر ادھر کی ٹھیک ٹھاک مارنا شروع کر دیں ہم ہاتھ کرتے چلے جا رہے تھے کہ اچانک میری ماسی مئی کے گھر میں کام کرنے والی ماسی کی آواز میرے کانوں کے دھانوں یا پھر دلوں اطراف کے مانگیوں یا مائیک تک پہنچی.....

"ماسی..... نی ماسی..... یاد راں داویلا ہو گیا اے۔"
پہلی بار تو میں نے اس کی آواز پر کچھ توجہ نہیں دی۔ سنی مان سنی کر دی تھی لیکن وہی آواز جب مسلسل آنے لگی تو میرے "کمرے" سے کان "ڈنگی" کے کان کی طرح موسم کا حال جاننے کے لیے کمرے ہو گئے لیکن مطلع اب آلود ہونے لگا۔ ہلکے بادلوں میں سے پکلی سی لیکن کھٹکناٹی ہوئی سی آواز محسوس ہونے لگی، آخر جب کچھ سمجھ نہ کی کہ ماسی کہہ کیا رہی ہے یا کہنا کیا چاہتی ہے اس کا مطلب کیا

سیارہ ڈائجسٹ

منشائع ہو گیا ہے

* کی ایک اور عظیم نیم ایمان افروز پیش کش

شرک و شرک کی 63 زندگی کے دور و قرون پیر ہونے والے سینکڑوں ہجرت پر مشتمل

معجزات علی

ان معجزات کے ذریعے قیمت: 175 روپے

و تعداد انسانوں کے لیے راہ ہدایت روشن ہوئی اور
 دنیا سے انسانیت پر چھائی ہوئی کھرو جہالت کی تاریکیاں سمٹتی چلی گئیں۔

ایک ایسا عظیم دستِ نبوت اور شاہکارِ دین و دہان کی خوشنہ ہے جو انور سے مستطیر

518 ہجرت پر مشتمل نقیہ کا ایک پیرا کہیں نہ دیکھیں اور یہیں نہ فرما

بس آپ انھیں..... ایسی مشکل میں صرف میں
ہی آپ کے کام آسکتا ہوں..... بس آپ فٹ
انھیں..... انھیں انھیں..... آپ کی مشکل کا حل صرف
اور صرف میرے پاس ہے..... اور کسی کے پاس
نہیں۔ یہ میری ماسی جی تو بس باتیں کرنا جانتی ہے
عتل کوئی بھی نہیں..... آپ اتنی دیر سے
ماسی..... ماسی..... پکارے چلی جا رہی ہیں کہے چلی
جا رہی ہیں ماسی جی یادیں داویلا ہو گیا ہے۔
مگر اس کو اثر ہی نہیں..... آپ کی آواز کی
طرف کوئی توجہ ہی نہیں دے رہا، حد ہو گئی ہے.....
آپ انھیں..... اور بس میرے ساتھ چلیں، میں نے
ماسی کے کندھے کو دروازہ سمجھ کر کھٹکھا یا اور پھر
کندھے ہی سے پکڑ کر اسے کھڑا کر دیا ماسی اٹھتے
اٹھتے کہنے لگی۔

”کہہ رہا تھا ہے“ اور میرے ساتھ چل پڑی لیکن
دروازے سے باہر نکلتے نکلتے ایک بار پھر کہنے لگی۔
”دیرا کتے جاتا ہے؟“ (بھائی کہاں جاتا ہے؟)
گھر نہ کریں..... ماسی..... آپ میرے ساتھ
چلیں..... بس آجائیں، اور میں اسے دروازے سے
باہر لے گیا، باہر لے جا کر اسے سڑک کے کنارے
تختی سلگتی دھوپ میں کھڑا کر کے کہا۔

”لیس ماسی..... آزادی کے ساتھ یہاں
کھڑے ہو کر اپنے آنے والے ”یاروں“ کا انتظام
کریں اور ماسی ہکا بکا ہو کر میرا منہ دیکھنے لگی اور جب
میری اون دن دیکھاڑ ٹاپ کی ”کرتوت“ کی خبر
واپس ماسی جی کے گھر میں پہنچی تو پھر اگلی کہانی نہ
پوچھئے۔ چلتے چلتے اتنا بتا دوں کہ ماسی نے میری ماسی
جی کو لوکری چھوڑ دینے کی دھمکی دے دی تھی لیکن
بعد کی اطلاع کے مطابق ماسی آج بھی میری ماسی جی
کے لیے سوڑے کی کھلی سریش اور کھلی ہے۔“

میں نے اپنی ماسی کی پوری بات سن کر ادب
کے ساتھ عرض کیا۔

ماسی جی اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کی
اس ماسی کے ساتھ تھوڑا سا مذاق کرنا چاہتا ہوں۔

اجازت ہے۔ میری ماسی جی نے بلا سوچے
سمجھے اکبر بادشاہ کی طرح اپنی اتار گلی کو چھیڑنے کی
اجازت دے دی اور میں نے بھی اپنی ماسی جی کے
حضور میں کورٹش بجالاتے ہوئے اس کے اعتراضی
عزم پر فوری عمل کیا۔ اور اسی وقت کمرے یا چو کے کی
طرف اپنے قدم بڑھا دیئے یہاں ماسی فارغ بیٹھی
ہوئی ”جسم توڑ“ انگڑائیاں لے رہی تھی۔ اسے
مودبانہ تہذیب کے ساتھ سلام عرض کیا اور عرض کی۔
”ماسی..... آپ یہ ایکسرسانز نہ کریں اور یہ

سب فضولیات چھوڑ دیں..... اور پہلے اپنا حال
احوال سنا لیں..... کیسی ہیں؟ ماسی اس اخلاق سے
بہت تو نہیں تھوڑی سی متاثر ہوئی اور اسی خوشی میں
اس نے میرا بھی حال دریافت کر لیا کہنے لگی۔

”وہاں تیرا کیہ حال اے.....؟“ میں نے جوابا کہا۔
”بہت اچھا حال ہے آپ سنا نہیں کسی گزر رہی
ہے؟“ جواب میں برا سامنہ بنا کر کہنے لگی۔

بس جی میں ٹھیک ہوں..... اس کے ساتھ ہی
اس نے مزید کچا چھٹہ کھول دیا، کیا ٹھیک ہوتا ہے جی
مہنگائی نے جان کڈھ لی ہے بس میری اکھیاں تے
اللہ دل گڈیاں نے۔ ہاں جی تو ہی ہم غریباں کے دن
سنوارے گا پیسے پیسے نوں رستی ہوں، اللہ کدے تے
ساڈی دی سنے گا، ماسی نے فوراً ہی مجھ سے ”نوٹ“
توڑنے کے لیے مجھے اپنی غربت کی کہانی سنا دی لیکن
ماسی کی طرح میں بقول تھنے کچے بتوں سے نہیں کھیلا
تھا لہذا میں نے بھی اسی لیے لمبی چھوڑی۔

اچھا اچھا..... جب..... میں نے جملہ احوال
چھوڑ دیا تو پھر کڑک کر کہا..... ”ماسی.....؟“

پھلوں کا بادشاہ..... آم

ہمدرد خیریت

آم کی کاشت کا ماحول کھلانے کے باوجود ہم اس کی پیداوار میں میکسیکو اور انڈونیشیا جیسے ممالک سے پیچھے رہ گئے ہیں حالانکہ پاکستانی آم کا ذائقہ اور کوالٹی کے اعتبار سے کوئی جانی نہیں۔

پودوں پر کھلے پور کی منفرد مہک آپ کے دماغ کو تروتازہ کر دیتی ہے۔ اُن طوں آم کے پودے پور سے لٹکے ہوئے ہوتے ہیں اور چاروں طرف پور کی

اپریل، مئی، میں اگر آپ صبح کی نماز کے بعد چھل قدمی کے لیے شہر سے نکل کر نزدیکی کسی گاؤں میں جائیں، جہاں آم کے باغات ہوں، تو آم کے



Digest.pk

پیداوار ہے۔ تیسرے نمبر پر پاکستان چوتھے نمبر پر برازیل ہے۔ اور اٹھ یا جو کہ خود کو اصل وارث کہتا تھا، پانچویں نمبر پر ہے۔ بھرپور غذائیت کی وجہ سے آم کے پھل کی پوری دنیا میں بہت مانگ ہے۔ صرف امریکہ بہادر سالانہ تقریباً تین سو ہزار ٹن سے زائد آم درآمد کرتا ہے۔ اس کے علاوہ چین، ہانگ کانگ، نیڈر لینڈ، یو اے ای، فرانس، ملائیشیا، یو کے، سعودی عرب، جرمنی، سنگا پورہ وغیرہ ایسے ممالک میں شامل ہیں جو آم بڑی تعداد میں درآمد کرتے ہیں۔ حکمرانوں کی نااہلی کی وجہ سے پاکستان اور ہندوستان پیچھے رہ گئے اور باقی ممالک نے آم کو باقاعدہ ایک انڈسٹری کے طور پر اپنایا اور اپنے ملک کے لیے کثیر زر مبادلہ کمایا۔

وطن عزیز میں ہر سال آم پر سیمینار ہوتے ہیں۔ حکومتی عہدے دار بڑی بڑی تقریریں کرتے ہیں۔ بڑے بڑے دعوے کیے جاتے ہیں مگر جب آم کا سیزن شروع ہوتا ہے تو کاشت کار روایتی ٹھیکے دار اور مل میں کے چکر میں پڑ کر ”گھن چکر“ ہو جاتا ہے۔ آم کی زیادہ پیداوار اور ایکسپورٹ کے لیے چند تھاپوز پیش خدمت ہیں۔

1۔ زرخیز اور قابل کاشت زمینوں کو رہائشی کالونیوں میں تبدیل کرنے پر مکمل پابندی لگائی جانی چاہئے۔ آم کے مرکز ضلع ملتان کو ڈی ایچ اے سمیت تمام نئی رہائشی کالونیوں سے پاک علاقہ قرار دیا جائے۔

2۔ ضلع کی سطح پر جنگو ریسرچ سنٹر بنائے جائیں۔ ان سنٹرز میں جنگو کو ایلیفینڈ افسروں کے علاوہ جنگو گروورز کو بھی نمائندگی ملنی چاہئے۔

3۔ جمبیر آف کامرس کی طرف پر جمبیر آف جنگو گروور قائم ہونی چاہئے۔ جنگو ریسرچ سنٹر اس جمبیر کے ماتحت ہونا چاہیے۔ اس جمبیر کو بھرپور حکومتی تعاون حاصل ہونا چاہیے۔ ضلع کی سطح پر جمبیر کا باقاعدہ دو سالہ ایجنڈا ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ اس

خوشبوئی خوشبو ہوتی ہے۔ چند روز بعد جب اس پور میں دانہ لگ جاتا ہے تو قاتلو پور خود بخود زمین پر گر جاتا ہے اور صرف دانے رہ جاتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ جتنا پور شاخوں پر لگتا ہے دانے اس سے کم لگتے ہیں کیوں کہ اگر پور پور ہی دانوں میں تبدیل ہو جائے تو موٹی موٹی شاخیں بھی پھل کی وزن دار ہونے پر ٹوٹ جائیں۔ مثلاً اس ڈانٹے اور غذائیت کے لحاظ سے پھلوں کا بادشاہ کہلانے والے ”آم“ کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ مختلف تاریخی حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ آم کا درخت ہندوستان میں شروع سے پایا جاتا تھا۔ چار ہزار سال سے پہلے کی تاریخی اہمیت کے حامل اس درخت کے پھل کو سکرٹ زبان میں ”Amra“ کہتے ہیں۔ 640

صدی عیسوی میں Hsian-jiang نامی سیاح ہندوستان سے واپسی پر آم اپنے ساتھ لے گیا اور اس طرح پہلی بار آم باہر کی دنیا میں متعارف ہوا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ چندھویں صدی عیسوی کے آخری سالوں میں مغل بادشاہ اکبر اعظم نے پہلی بار ایک باقاعدہ باغ کی بنیاد رکھی جس میں تقریباً ایک لاکھ آم کے درخت ترتیب وار لگائے گئے۔ آج دنیا کے کافی سارے ممالک میں آموں کے باغات موجود ہیں۔

انٹرنیٹ پر موجود آم کے باغات کا رقبہ اور پھل برآمد کے اعداد و شمار کا جائزہ لیں تو حیران کن نتائج سامنے آتے ہیں کہ آم کا اصل وارث ہندوستان (بشمول پاکستان) آم کی کاشت اور برآمد میں دنیا کے دیگر ممالک سے پیچھے رہ گیا ہے۔ حالانکہ ڈاکٹہ اور کواٹی میں پاکستانی آموں کا کوئی ثانی نہیں۔ پھر بھی میکسیکو اور اٹلی ویشیا اس وقت آم کے باغات اور پھل کی برآمد میں پہلے نمبر پر ہیں۔ دوسرے نمبر پر فلپائن ہے جس کو یہ عزت بھی حاصل ہے کہ وہ دنیا کا سب سے بڑا ترین آم (Elephant) اس ملک کی

بھیڑوں کے لیے خصوصی ہوٹل

نئے اور بلیوں کے بعد اب جاپان میں بھیڑوں کے لیے بھی خصوصی ہوٹل قائم کیا گیا ہے۔ Guest Sheep Hotel House کی اس شامہرملات میں بھیڑوں کے علاوہ دوسرے تمام جانوروں کا داخلہ ممنوع ہے جہاں پالتو بھیڑوں کے مالکان شہر سے باہر جانے کی صورت میں اپنی بھیڑوں کو یہاں ٹھہرا سکتے ہیں۔ اس ہوٹل کے مالکان کا کہنا ہے کہ دنیا بھر کے امیر افراد میں بھیڑ پالنا ایک فیشن بننا جا رہا ہے اور اس ہوٹل کا مقصد انہیں بہتر سہولیات فراہم کرنا ہے۔

(مرسلہ: فرقان احمد - کراچی)

8۔ حکومت کی طرف سے جیٹو گردور کے لیے ایکسپورٹ کے پیچیدہ نظام کو آسان کیا جائے تاکہ عام کاشت کار بھی اپنے آم بیرون ملک بھیج سکیں۔ اس کے علاوہ پہلی بار آم ایکسپورٹ کرنے پر کاشت کار کو سہولیات دی جائیں۔

9۔ آم کے باغات کے علاقوں میں شوگر ملیں نہیں لگنی چاہئیں۔ رجیم یار خان جو باغات کے لیے مشہور تھا وہاں آبی زیادہ شوگر ملیں ہائڈرو لوگوں نے لگا دی ہیں کہ باغبانوں نے باغات کٹوانے شروع کر دیے ہیں۔

10۔ آم کے میزن (چار ماہ) کے لیے پی آئی اے کو ہدایت ہونی چاہیے کہ وہ کراچی، ملتان اور رجیم یار خان کے لیٹر پورٹ پر روزانہ کی بنیاد پر کارگو جہاز (C-130) مہیا کرے کیوں کہ آم کی سیلف لائف کم ہوتی ہے 91 کے لیے آم کے علاقوں میں ڈار لائن کی سہولت ہونی چاہیے۔ اس وقت صرف کراچی، لاہور، اسلام آباد اور مل آباد سے

جیمبر کا باقاعدہ دفتر اور سہولیات مہیا ہونی چاہیے۔

4۔ ضلعی سطح پر جیٹو سینٹر ہونے چاہئیں۔ یہ سینٹر آم کے علاقوں کے علاوہ پورے ملک کے چھوٹے بڑے شہروں میں ہونے چاہئیں۔

5۔ ٹھیکے دار کی نسبت باغ کا مالک آم کے پھل کی کاشت بہتر طریقے سے کرتا ہے اور کوالٹی کا خاص خیال رکھتا ہے مگر مالی وسائل نہ ہونے کی وجہ سے کاشت کار مجبور ہو کر پودے پر کھڑا پھل سرمایہ دار کو سستے داموں بیچ دیتا ہے۔ اس لیے آم کے میزن میں باغبانوں کو دن و نڈ و سکیم کے تحت زرعی قرضے آسان شرائط پر جاری کیے جائیں تاکہ ٹھیکے دار اپنے سرمایہ کی وجہ سے باغبانوں کا استحصال نہ کر سکے۔

6۔ آم کے باغات کے علاقوں میں زرعی ادویات (برائے پھرے) کے لیے حکومتی سطح پر جیمبر آف جیٹو گردور کے ذریعے سنٹرز بنائے جائیں جہاں کاشت کاروں کو زرعی ادویات نقد و آسان اقساط پر مہیا کی جائیں۔ پرائیویٹ سیکٹر یہ کام کر رہا ہے مگر ادویات کا معیار انتہائی ناقص ہے۔ ان پر حکومتی چیک اینڈ بیلنس نہ ہونے کے برابر ہے۔ حرید برماں کچھ ملٹی نیشنل کمپنیوں نے آم کے درخت کے لیے ایسی دوا تیار کی ہے جس سے مذکورہ درخت اپنی بساط سے زیادہ پھل دیتا ہے۔ یہ غیر فطری عمل ہے جو کہ درخت کے لیے نقصان دہ ہے۔ اس دوا کی استعمال سے درخت کی اوسط عمر کم ہو جاتی ہے اور وہ بے کار ہو کر پھل دینا ختم کر دیتا ہے۔ ایسی غیر فطری ادویات پر مکمل پابندی ہونی چاہیے۔

7۔ آم کا میزن مئی سے لے کر اگست تک ہوتا ہے ان چار ماہ میں ایکسپورٹ پروڈیوٹن جیٹو کا ایک افسر آم کے ضلعوں میں قائم آف جیٹو گردور میں تعینات کیا جائے تاکہ جیٹو گردور کے آم کو برآمد ملک بھیجا جاتے ہیں اور اس کے لیے کیمرہ بند کر دیا جائے۔

شوز کا اہتمام کیا جائے جس میں ڈاکٹرز کی خدمات حاصل کی جائیں جو انسانی جسم کے لیے آم کی افادیت پر روشنی ڈالیں۔

16۔ جس طرح "Popeye the Sailor" کارٹون طالت کے لیے پالک کا استعمال کرتا ہے، "Humty Dumty" انڈے کی افادیت کو ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح بچوں میں آم کی چاہت بڑھانے کے لیے یگو سپر مین کارٹون ذرائع ابلاغ میں تحارف کرایا جائے۔

17۔ شروب ساز کمپنیوں کو ہدایت دینی چاہیے کہ وہ یگو فلیور انرجی ڈرنک بھی تحارف کرائیں۔

18۔ حکومتی سطح پر صدر پاکستان، وزیراعظم پاکستان، چیئر مین سینٹ، سپیکر قومی اسمبلی، وفاقی وزراء، آرمی چیف، چیف جسٹس سپریم کورٹ دنیا کے تمام ممالک میں اپنے اپنے ہم منصب افراد کو پاکستانی آم تحفے میں بھیجیں۔

19۔ جس طرح ہاکی پاکستان کا قومی کھیل ہے۔ چنیل قومی پھول ہے۔ اسی طرح آم کو قومی پھل کا درجہ دیا جائے اور پاکستان کے قومی بجٹ میں آم کا گھس شامل کیا جائے۔

20۔ ملنگان لے کشمیر لے مزدور لے قائد ڈے مدائے کی طرح آم کے میزن (مٹی سے اگت) کے پتوں میں سے کوئی ایک دن منتخب کیا جائے جس کو یگو ڈے کے طور پر قومی سطح پر منایا جائے۔ اسی طرح ہر دن ممالک میں قائم سفارت خانوں میں بھی ہر سال یہ دن منایا جائے۔ اس دن پاکستان اور ہر دن ملک یگو شوز منعقد کرائے جائیں۔

مندرجہ بالا تجاویز سے پاکستانی آم کو عالمی سطح پر پذیرائی حاصل ہوگی اور آم کی ایکسپورٹ میں اضافہ ہوگا۔ جس سے کثیر زرعیات میں ملے گا۔

کارگو سروس مہیا ہے۔

11۔ یگو پراسینگ پٹس کے ذریعے آم کی مہلات لائف بڑھائی جاسکتی ہے لہذا حکومتی سطح پر آم کے ملاقوں میں پلانٹس تعمیر کیے جائیں تاکہ عام کاشت کار بھی اس سہولت کا فائدہ اٹھا سکیں۔

12۔ ہر دن ملک پاکستانی سفارت خانوں میں آم میزن کے دوران جمیئر آف یگو گروورز کا نمائندہ عارضی طور پر تعینات کیا جائے جو ہر دن ملک آم کی ترسیل میں مدد فراہم کرے اور غیر ضروری تاخیر سے بچا جاسکے۔

13۔ ہر دن ممالک میں آم کے میزن میں یگو شو منعقد کرائے جائیں۔ آم کا میزن چونکہ گرمیوں میں ہوتا ہے اس میزن میں یو،پ، امریکہ، کینیڈا، روس وغیرہ میں موسم خوشگوار ہوتا ہے اس لیے یہ شوسٹازت خانوں کی عمارت کی بجائے عوامی مقامات پر کرائے جائیں۔ اس شو میں سفارت خانوں میں تعینات افسروں کے عزیز و اقارب اور دوستوں کے علاوہ عام لوگوں کو بھی مدعو کیا جائے تاکہ پاکستانی آم کی شغاس ہر خاص و عام تک پہنچے۔ شو کے بعد آم شو میں شامل افراد کو مفت دیئے جائیں جیسے تاکہ لوگوں کو ان کا عادی بنایا جائے۔ اس تمام شو میں جمیئر آف یگو گروورز کا نمائندہ اپنی خدمات سرانجام دے سکتا ہے۔

14۔ ہر دن ممالک میں قائم سفارت خانوں میں علیحدہ یگو سٹور بنائے جائیں تاکہ ایکسپورٹ عارضی طور پر اپنا آم اس میں سٹور کر سکیں۔ اس کے علاوہ آم کے میزن (چار ماہ) کے لیے ہر دن ممالک میں حکومتی سطح پر مختلف شہروں کے شاہنگ سٹورز میں دکانیں کرایہ پر حاصل کی جانی چاہئیں جہاں صرف پاکستانی آم فروخت کیا جائے۔

15۔ یگو کی افادیت کے بارے میں انٹرنیٹ اور ایکسٹرا نیک میگزین کی مشینیں ہر ممالک میں

لو شائہ اختر

کسی کی ڈفلی پر میرا راگ

وہ تو جیسے میرا ذہن پڑھ چکا تھا "فون بند نہ کرنا بہت ڈکھ سے بتا رہا ہوں کہ کل ایک شادی میں ہارات اس لیے واپس چلی گئی کہ غریب والدین سچ کو "مارنگ شوڈ" کے مطابق سنا نہیں سکے اور Reception بھی دیا نہیں تھا۔

سکرکمر کی کہانی، ہماری نئی نسل کے اپنی اقتدار سے دور ہونے کا ایسے

کھٹی بھٹی رہی۔ بچانے والا بھی کافی مستقل مزاج بندہ ہی تھا ورنہ بندہ بھی سوچ لے کہ کہیں کوئی واش روم میں بھی ہو سکتا ہے۔

فون کی گھنٹی بار بار بج رہی تھی۔ میں نے اُس وقت صلوٰۃ السبح شروع کی تھی اور عموماً اس میں پندرہ سے بیس منٹ ضرور لگ جاتے ہیں۔ بہر حال



Digest.pk

”اوہیلوا“ عجیب طنزہ گروی تھی مجھے اس لوہیلو سے بڑی چڑ ہے۔ اور وہ تو جیسے مجھ سے خار کھائے بیٹھا تھا ”اب اس کے بعد میرا تعارف نہ مانگنا لیکن مجھے تم یہ بتاؤ کہ یہ تم لکھاری اسنے متعلق کیوں ہو، خود تو کو تم بدھ بنے رہتے ہو اور قوم کو کیا کیا درس دے رہے ہو، کیسی کیسی آسان ترکیبیں تمیں ڈراموں میں جو انان ملت کو بے راہ رو کرنے کی۔“

”دیکھو بھئی ا مجھے ڈرامہ نگاری کا کوئی شوق نہیں تم ان ڈرامہ لکھنے والوں کا سر کھاؤ نا، میں تو افسانہ نگار ہوں۔ کوشش تو یہی ہوتی ہے کہ اصلاح کا کوئی پہلو کیا جائے“ میں نے معذرت خواہانہ رویہ اپنا لیا تھا۔

ادھر سے ایک تفسیر آمیز قہقہے کی آواز آئی ”بہت ہی اچھے گڈ وری گڈ، ڈرامے دیکھے نہیں کبھی۔“

”ہاں! دیکھتی ہوں اور ان پر تنقید بھی کرتی ہوں“

”تنقید اپنے ٹی وی لائونج میں بیٹھ کر، یہ بھی کوئی تنقید ہے۔ یہ تو منافقت ہے ذرا میدان میں نکلو اور لکھو کہ بیڈرامے ہمارا سہا س کر رہے ہیں۔“

اور میں واقعی سوچ میں پڑ گئی۔ مجھے یاد آیا کافی عرصہ پہلے ایک ڈرامہ جنگل آتا تھا جس میں بھینسیں چودی کرنے والوں نے بھینسوں کے پاؤں چادروں میں لپیٹ دیئے تھے تاکہ گھرانہ اٹھایا جاسکے۔ اور گھر کے بزرگوں نے اعتراض کیا تھا کہ یہ اب نئی نئی راہیں بھاد رہے ہیں ڈاکے ڈالنے کی۔

تو آج کیا ہو رہا ہے۔ اخلاق پر ڈاکے ڈالنے کے سارے انتظام ہو رہے ہیں۔ مجھے پرانے خیالات کی مالک ہونے کا طعنہ بھی مل سکا ہے لیکن واقعی میرا ذہن اس طرف جھک رہا تھا کہ اصلاح معاشرہ کے لیے کچھ تو کیا جائے۔

ایک ڈرامے میں ہر دن جس سے شادی

بہر حال نہ مکمل کر کے اور دعا کے بعد میں نے فون اٹھایا، نمبر تو دیکھا بھلا تھا۔ مگر آواز کچھ نا مانوس سی لگی۔

”گڈ مارنگ۔“ میں حیران کہ کون ہے، میں نے حسب عادت السلام علیکم کہا۔ تو ذرا جھنجھلائی ہوئی آواز آئی۔ ”گڈ مارنگ کا جواب بھی گڈ مارنگ ہی ہوتا ہے“

”آپ کون ہیں۔ ذرا تعارف تو کرا دیں۔“ میں نے پوچھا تو جیسے بھڑکا چمٹا ہی چھڑ گیا۔

”اوہیلوا! خود پچھاؤ ایک تو تم لکھاری اوت پٹانگ ڈرامے لکھ کر سادی قوم کی مت مار رہے ہو اور پھر کہتے ہو تعارف کرواؤ۔“

مجھے بڑے ترور کی ہنسی آئی ”آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں افسانہ نویس ہوں ڈرامہ نویس نہیں۔“

”تم میں سے کسی کے بھی سر پر سیگ نظر نہیں آئے مگر ہو تو ایک ہی قہقہے کے چنے چنے۔ بڑی رعب دار آواز تھی۔“

”دیکھو بھئی تم جو بھی ہو اس وقت تو مجھے اجازت دو۔ مجھے ایک کلاس اینڈ کرنی ہے اللہ حافظ۔“

”ہائے ہائے! پھر بات ہوگی“ اس نے اللہ حافظ کے جواب میں ہائے کہہ کر پھر مجھے تھپڑ دے مارا۔ سب کام کرتے میرا دماغ اس بات پر الجھا رہا کہ یہ کون تھا؟ نمبر جانا پیچا سا تھا مگر آواز اور لہجہ عجیب بے گانہ سا۔

دوپہر کو کھانا کھا کر مجھے تھوڑا لیٹنے کی عادت ہے۔ ابھی میں بیڈ پر لیٹی ہی تھی کہ پھر فون بج اٹھا۔ ریسید اٹھا کر میں نے السلام علیکم کہا تو پھر وہی آواز۔

”گڈ آفٹرنون! میں قہقہے تو نہیں ہوا۔“

”جہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ فرمائیں کیا بات ہے اور پلیز اب بتائی دیجئے کہ آپ کون ہیں؟“ میں نے بات آرام سے کی خود کو دھڑک رہی جھنجھلا رہی۔

اور پیار سے فرمایا اور میں رو پڑی "میں سکول نہیں جاؤں گی" لہاجی امی کی طرف دیکھ کر سسکائے اور امی بولیں "ٹھیک ہے پھر تمہاری پڑھائی کا سلسلہ بند ہو جائے گا۔ سوچ لو، امتحان اور ہے ہیں۔ پڑھنا نہ پڑھنا اب تمہاری مرضی ہے۔ کیا صرف ایک برقعہ نہ پہننے کی ضد میں علم سے محروم رہ جانا چاہتی ہو؟" یہ سرزولش جس میں گہرا پیار تھا۔ مجھے پریشان کر گیا۔ امی کو پتہ تھا مجھے سکول سے شغف ہے اور انہوں نے بڑے آرام سے میری کمزوری پر ہاتھ دکھا "سوچ لو پتا صبح تک تمہارے پاس کافی وقت ہے" اور میں صبح جب سکول جانے کے لیے یونیفارم پہن کر ناشتہ کرنے کے لیے نکلی تو نہ جانے کس صدی کا پرانا برقعہ وہی جناب سب نے کابل کی پٹھانوں کو پہنے دیکھا ہے میرے سامنے رکھا تھا اور میں نے آرام سے وہ برقعہ اوڑھا اپنے لڑکپن کے جذبات کو جھکی دے کر سلا دیا اور آج میں جو کچھ ہوں۔ اپنے والدین کی اس وقت کی تربیت اور بے حد گہرے احساسات سے بھرے پیار کی بدولت ہوں۔

صرف ایک بات نوٹ کیجئے میں اور باپ دونوں کی ذہنی مطابقت بہت ضروری ہے، آج اگر ماں کسی بات سے روکتی ہے تو والد صاحب دیوار چین بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور یوں بیچے عموماً والدین کے اس رویے سے ناجائز فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں۔ بچا والدین کے رویوں کا وہ فرق ہے جو اچھے شہری بننے میں رکاوٹ ڈال رہا ہے۔

دو دن گزر گئے، نون بھی خاموش تھا اور میں بھی سوچوں میں گم تھی کہ کام والی لڑکی اندر آئی "آج پھر کوئی جوڑا پارک میں بیٹھا ہوا ہے آنٹی جی" اس نے کہا اور واپس مڑ گئی۔

مسئلہ دراصل یہ ہے کہ میں گہری پارک کے ساتھ سے گزرتی ہوں تو لڑکی مجھے دیکھ کر نظر آجاتے ہیں۔

کرنا چاہتی ہے یا دوسرے الفاظ میں ہیرو کے شغف میں جلا ہو چکی ہے۔ ماں اس پر انکار کرتی ہے کیونکہ وہ ہیرو صاحب کن کے Status پر پورے نہیں اترتے تھے۔ ماں کے منع کرنے کے باوجود وہ لڑکی اس سے شادی کر کے ماں کو فون کرتی ہے "ملا! ہم نے شادی کر لی ہے"۔ یہاں پر میں تصور دار ماں کو بھی سمجھوں گی۔ جس نے اپنی بیٹی کو یہ تعلیم بھی نہیں دی کہ اچھائی کس چیز میں ہے اور بُرا کیا ہے۔ کیا صرف ٹیلیس ہی اچھا ہونے کی بنیاد ہے؟ اور جو ماں صرف اور صرف ٹیلیس دینے کے چکر میں مصروف رہ کر بچوں کی تربیت پر توجہ نہیں دے سکتی۔ اس کو ہم سب کیا کہیں گے۔ اور آج یہ گھر گھر کا ایہ ہے۔

آئیے آپ کو بتاؤں ماں کیا ہوتی ہے۔ وہ جو اپنا من مار کر اولاد کے مستقبل کو سنوارتی ہے۔ خود پڑھی لکھی نہ ہونے کے باوجود اپنی اولاد کو پڑھا لکھا کر ایک اچھا انسان دیکھنا چاہتی ہے۔ جو انہیں بہترین انسانوں کی کہانیاں سنا کر ان کی رگوں میں اچالے بکھیرتی ہے۔ اور اپنا سب کچھ بچہ اور کرنے کے بعد جب اولاد کو راہ راست پر لانے کے لیے کبھی سختی بھی کرتی ہے تو اس کا انداز مہربانیاں لیے ہوتا ہے۔

اُس دن بھی باجی نے امی سے کوئی بات کہہ دی اور امی سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔ اس کے بعد انہوں نے مجھے بلایا اور کہا کہ تم کل سے برقعہ پہن کر سکول جاؤ گی۔ میں تو جناب مجھے سے اکثر گئی لیکن وہاں بھی نولادی ہاتھ تھے۔ جائے پناہ لہاجی کو بچھ کر ان سے لپٹ کر رو دی۔ لہاجی ابھی مجھے برقعہ نہیں پہننا۔ بڑے لاڈ سے میں نے لہاجی کا ہاتھ پکڑا، بڑے مان کے ساتھ کیونکہ وہاں میری زیادہ شنوائی تھی لیکن نہ جی اصول تو اصول ہوتے ہیں نہ پتا! آپ کی اچھائی کہہ رہی ہیں وہی ٹھیک ہے" لہاجی نے بڑی نرمی

جائے، پلیز آپ لوگوں کو نہ روکا کریں۔“

”ہا ہا“ دوسری طرف سے زبردست تہقہ بلند ہوا۔ ”تو آپ بھی جام شہادت نوش فرمانا چاہتی ہیں یعنی بتا رہی ہیں کہ آپ یعنی“ میں بھی کچھ ہوں۔“

”ہات سنو! خدا را میری باتوں کو غلط مطلب نہ دو۔ میں تو کچھ بھی نہیں ہوں۔ یہ تو اللہ کی کرم نوازی ہے کہ وہ مجھے امت دیتا ہے۔“ میں نے فون بند کر دیا۔ اب اگر لوگوں سے ڈر کر ٹکی کرنا ہی چھوڑ دیں تو پھر ٹکی پود کو الزام تو نہ دیں۔

میں نے جب ڈراموں پر غور کرنا شروع کیا تو لرز کر رہ گئی۔ سوشل فون نے ہمیں جاہی کے دہانے پر لاکھڑا کیا ہے۔ فری چارج اور سستے کال رٹس اور رات رات بھر کے لیے فری Massages ہم تو اس وقت ایک گہری کھائی کے کنارے پر کھڑے ہیں۔ ماں باپ کو کچھ خبر نہیں کہ بچے رات رات بھر کیا کر رہے ہیں۔ ایک ہمارے والدین تھے کہ انہیں ہمارے بڑ بڑ کی خبر ہوتی تھی۔ مجھے چونکہ کہانیاں لکھنے کا شوق تھا تو اس لیے بچوں کے رسالوں کے لیے کہانیاں لکھتی تھی اور میری پیادری ماں جو خود بڑھی لکھی تھیں۔ میرے پاس آ جاتیں ”اب سناؤ کیا لکھا ہے“ اور کئی مرتبہ میرے لکھے جملے کو ایک بہتر جملہ بنا دیتی تھیں اور یقیناً جانیں اُن کے اس طرز عمل نے مجھے بہت زیادہ اعتماد دیا۔

کالے رنگ کی لٹش کرتی پچاڑ گیٹ کے سامنے کھڑی تھی۔ کالے شیشوں والی اس گاڑی میں بھلا کون تھا۔ جی لٹل میچوں کی نئی جوڑی، تھوڑی دیر بعد گاڑی کا شیشہ نیچے ہوا اور مکڈونلڈ کے ڈبوں اور جوس کی بوتلوں والا لفافہ شاہ کر کے باہر پھینک دیا گیا۔ بھلا پچاڑ کا اخلاقیات سے کیا تعلق لیکن میں تو جھلا اٹھی۔ فوراً جا بھگے ان کا شیشہ۔ یا۔ شیشہ نیچے ہوا۔ میں نے دودھ بھرا کر لیا ”بھلا ہم لوگ پیے

میں اُسی وقت باہر نکلی اور چلتی ہوئی پارک میں چلی گئی۔ عشق و عاشقی چل رہی تھی۔ میں اُن کے قریب چلی گئی۔ ”اسلام علیکم“ میں نے حسب عادت سلام میں ہل کی۔ انہوں نے چونک کر میری طرف دیکھا، میں نے لڑکی سے سوال کیا۔ ”آپ کون سے سکول میں پڑھتی تھیں اور اس وقت یہاں کیا کر رہی ہیں؟“

اس دُغل اور محسوسات پر لڑکے نے میری اطلاع کے لیے لب کھولے ”جی یہ میری مگسٹر ہے۔“

”بیٹا! کیا آپ اپنے یا اس لڑکی کے گھر میں اس طرح بیٹھ کر باتیں کر سکتے ہیں اور میں نے آپ سے نہیں اس بچی سے سوال کیا ہے۔“

”جی جی کرتی“ بچی جو بمشکل چودہ پندرہ سال کی تھی۔ کچھ بول نہ سکی ”بچے میری ایک بات یاد رکھو لڑکی کی عزت ایک شیشہ کی طرح ہوتی ہے جس میں ایک بار دراڑ آ جائے تو کبھی ٹوٹ نہیں سکتی۔ میں نہیں جانتی آپ کہاں سے آئی ہیں اور کون ہیں لیکن یاد رکھو والدین کی عزت آئندہ آپ کے ہاتھ میں ہے جو ہے تو انہیں عزت بخش دیں اور چاہیں تو انہیں رسوائی کے گہرے گھڑ میں دھکیل دیں۔“

میں نہیں جانتی ان پر میری باتوں کا اچھا اثر ہوا یا نہیں لیکن وہ لڑکی سکول کی طرف چلی گئی۔

فون کی گھنٹی بج رہی تھی میں نے اندر آ کر فون اٹھایا تو وہی نمبر اور وہی آواز۔

”مگڈ ایونگ! بہت اچھے اب تو آپ مصلح کی پلیٹ اپنے گیٹ پر لگا دیں، واہ آج تو بڑا کارنامہ سرانجام دے دیا۔“

”بھئی ایک تو مجھے آپ کی سمجھ نہیں آرہی۔ یہ اصلاح کا کام تو میں کافی عرصہ سے کر رہی ہوں اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے یہ قوت عطا کی ہے۔ حالانکہ میرے اپنے بچے مجھے اس بات سے روکتے ہیں کہ“ اسی کہیں لوگ آپ کو روکنے لگے۔

Digest.pk

بات ہے اور یہ تعلیم بڑے خوبصورت اعداد میں ٹی وی سکرین ہماری ٹو جھان نسل تک پہنچا رہی ہے۔

والدین میں ڈیڑھی ہم آہنگی بالکل نہیں۔ البتہ کہاں ہے؟ دراصل یہ بات معلوم کرنا بہت ضروری ہے۔ میں سائیکاٹرسٹ تو ہوں نہیں کہ کچھ بتا سکوں لیکن اصل بات یہ ہے کہ ہمارے مرد نے اپنے زوجہ کی بلندی کے لیے عورت کو میٹر می تو بتا لیا اور اُسے ملازمت کرنے کی اجازت دے دی لیکن وہ جو برتری کا احساس مرد میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے وہ ایک فرق طریقے سے اولاد کے ساتھ برتاؤ کرنا شروع کر دیتا ہے۔ یہاں سے اختلاف جنم لیتا ہے اور وہ اولاد کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے کے الیب سی اور میکڈونلڈ کا سہارا لیتا ہے۔

"ادیلوا" فون کی چیز آواز سن کر میں ہلکی اور فون اٹھایا تو وہی انتہائی ناپسندیدہ طرز خطاب۔

"جی ارشاد" میں نے سو دہانہ عرض کرنے کی کوشش کی تو ادھر سے پھر ایک خوفناک دھاڑ سنائی دی "وہ ڈرامہ دیکھ رہی ہیں آپ Tug of War between the Parents"

میں فوراً سمجھ گئی یہ کس ڈرامے کی بات ہے "جی یقیناً میں دیکھ رہی ہوں"

"تو پھر اس کے متعلق کیا خیال ہے ذرا بیان کرنا" وہ تو جیسے میرے سے ادھار کھائے بیٹھا تھا۔

"دیکھئے صاحب! اس میں والدہ صاحبہ انتہائی مضحکہ خیز طریقے سے اپنے بھانجے صاحب کا ساتھ بھانے کی کوشش کر رہی تھیں" میں نے جواب دیا تو ادھر سے ہنس بھرا تہقہ اُبل پڑا۔ "چلیں آپ نے اپنی جنس کی بھی کسی قطعی کو پکڑا تو اب بتادیں والدہ صاحب کا کردار کیسا ہے۔"

"انتہائی قابل تحریف۔ لیکن بیٹی کی بہت کے سامنے کیا کہیں؟" وہ بھی کہنے لگی "آج کل کے ظاہر ہے

دے کر یہاں صفائی کرواتے ہیں اور یہاں کوئی گند نہیں پھینکتا۔ آپ پلیز اس کو اٹھا لیجئے۔" لوجی بھارو کے مالک کی عزت نفس یہ کام کیسے کرنے دیتی۔ انہوں نے سڑکراپنی بے حد سارٹ سلو لیس "لوتیک شرٹ" پہنے گرل فرینڈ کو دیکھا شاید کہہ رہے تھے کیا کروں لیکن وہ بھی مجھے دیکھ رہی تھی۔ اس نے چشم محبت سے کچھ اشارہ کیا۔ بھارو کا مالک نیچے جھکا اور وہ گند والے پکٹ اٹھا کر گاڑی کا دواڑہ بند کر کے بیٹھ گیا۔ "شکر یہ بیٹا! اب اپنی زندگی کو بھی گندا ہونے سے بچا لیتا۔" بہر حال وہ چلے گئے۔ کہاں یہ تو رب ہی جانتا ہے۔

"آئی کیا بچوں کی اخلاقی روحانی پرورش میں والد کا بھی کوئی حصہ ہوتا ہے" یہ میری بیٹی کی ایک دوست مجھ سے پوچھ رہی تھی اور میری لگا ہوں میں اپنے والد مرحوم و مغفور کا سراپا گھوم رہا تھا۔

"کیوں نہیں بیٹی! یہ تو رسول اللہ ﷺ کا بھی فرمان ہے کہ "جس باپ نے اپنے بچوں کی بہترین تعلیم و تربیت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔"

وہ زور سے انس پڑی "لگتا ہے اس دور کے باپ تو اس اعزاز سے محروم ہی رہیں گے کیونکہ ان کی ذمہ داری بچے کو KFC یا Mcdonald لے جانے کی ہے، روحانی اور اخلاقی پرورش کی نہیں۔"

اس کی آواز میں بڑی کاٹ تھی۔ دو بچوں کی ماں اپنے شوہر سے کیا مانگ رہی تھی۔ کاش آج کا ہر باپ یہ سوچ سکے۔

بات تو ڈراموں سے چلی تھی اور میں کہاں جاؤں۔ ہاں تو موہا ٹلر پر رات رات بھر ہاتھیں کرتے دکھاتا تو اکثر ڈرامہ نگاروں کا کمال ہے اور اسی پر بس نہیں اماں جی کے ٹکیر کے نیچے سے بڑے آرام سے چابی نکال کر گیٹ کھول کر باہر نکل بیٹھا اور گھنٹے دو گھنٹے بعد لوٹ آنا اور چابی کو واپس سکر کے نیچے رکھ دیتا بھی بڑی سہول

کی بھابی کے بھائی کی تیسری بیوی کی والدہ فوت ہو گئی تھیں اور تمہیں پتہ ہے اب تو سفید لباس پہننا لازمی ہے۔ جاؤ جلدی سے جوڑا خرید کر لاؤ شام چہ بجے تو جنازہ ہے۔" اور میں سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

میری تو ہمیشہ سے یہی عادت تھی کہ جنازے پر جانا ہے یا ختم قل پر صبح نہادھو کے جو لباس پہنا ہوتا اسی طرح چلے گئے لیکن اب دیکھیں ہم نے "مشرقی اعلیٰ" اپنالیا ہے نا وہاں تو کلن دفن آرام سے ہوتے ہیں۔ وقت مل جاتا ہے کالا لباس پہننے کا۔ ہمارے لیے تو حکم ہے کہ جنازہ جلد سے جلد اٹھالیا جائے۔ یہ لی وی والے ہمیں کس طرف لے جا رہے ہیں۔ بہر حال میں نے اسی قمیص کے ساتھ سفید شلوار دوپٹہ جوڑا اور وہاں جا پہنچی لیکن میں تو بے حد مس فٹ تھی۔ ہر طرف سفید جوڑوں میں لمبوس مرد عورتیں تھیں..... اور میں؟

شاید یہ فیشن بہت ہی پرانا ہو چکا ہے۔ اسی کہا کرتی تھیں کہ خلع کی عزت کرنا۔ جن گھروں میں خلع کو عزت کی سیرگی سے بچے کر لایا جاتا ہے وہاں برکت ختم ہو جاتی ہے۔ اللہ کی رحمتیں ناپید ہو جاتی ہیں اور ہم نے ہمیشہ ان کی عزت کی اور بدلے میں ہمیشہ عزت پائی بھی اور رب کی رحمتیں بھی جنوں لیاں پھر بھر کے بیٹیں لیکن یہاں تو لوگ جھوک کو بھی ذمگی سمجھا جا رہا ہے۔ اُس ڈرامے میں میاں صاحب بیار بھری تعریف کرتے ہیں کہ انہیں اپنی بیوی پر اس لیے بے انتہا پیار آ رہا ہے کہ اُس کو ماسی کی طرح صفائی کرنا پڑی ہے اور اس بیار بھری تعریف پر دلہن بی بی کی زبان بھی پھول برساتی ہے "یکو اس نہ کرو ماسی کی شکل میں میں تمہیں اچھی لگتی ہوں۔" اور میں پھر سوچ میں پڑ گئی۔ ہماری کورس کی نرود کی کتاب میں ہانگل ہماری ماؤں کی تصویر تھی۔ میں اگر کٹہرے دھوتی ہوں تو کیا میں دھو رہی ہوں گا۔ کیا اپنی ماں کو تو کیا میں

میں نے تو بے لاگ تبصرہ کرنا تھا مگر وہ تو اچھل پڑا۔
"رہنے دیں بے لاگ تبصرہ اس کی ماں کی بے وقوفوں والی حرکت بھی قابل غور ہے۔"

"ہانگل ہے، چھان بھنگ کر چلنا ہر انسان کے بس کی بات بھی تو نہیں لیکن اولاد کے معاملے میں یہ بہت ضروری ہے۔ کچھ مہالوں کے آنے کی وجہ سے بات دہیں ٹھہر گئی۔ اور بعض اوقات وقت رُک سا جاتا ہے۔ کئی روز کے بعد کاغذ گم سنبالا تو ذہن ایک اور ڈرامے کے طواف کر رہا تھا۔ جس میں ہر کردار دوسرے کردار سے یا تو جھوٹ بول رہا ہے یا پھر اس کے ساتھ فریاد کر رہا ہے۔ ایک ہی جہت تلے رہنے والے کئی لوگ ہمیں کیا سکھا رہے ہیں۔ ایک دوسرے کی جڑیں کھوکھلی کرتے رہا اور دوسری چیز جو آج کل کے ڈراموں میں دکھائی جا رہی ہے یہ ہے کہ مائیں بچے کی ہر جائز اور ناجائز خواہش پوری کرنے کے لیے کوشاں رہتی ہیں اور جب اس کی شادی کی بات چلتی ہے تو اپنا دوپٹہ اتار کر بیٹے یا بیٹی کے پاؤں میں ڈال دیتی ہیں "میں تمہاری خالہ یا تمہارے ماموں کو یا تمہارے چچا کو یا تمہاری پھوپھی کو زبان دے چکی ہوں۔ اب میری عزت تمہارے ہاتھ میں ہے" اب اس طرح کے دہاؤ کے نتیجے میں جو رشتہ بندھے گا اس کی عمر گنتی ہوگی۔ آپ خود ہی بتادیں۔

فون کی گھنٹی بجے جا رہی تھی اور میرا ذرا برابر جی نہیں چاہ رہا تھا کہ فون سنوں لیکن پھر ریسور اٹھاتا پڑا۔ "آپ کیا ہسائیڈوں کے گھر گئی ہوئی تھیں، کب سے فون کر رہا ہوں" اس کی آواز سن کر میں جھلا سی گئی "تمہارا فون سننے کو جی نہیں چاہ رہا تھا" میں نے صاف دلی سے بیان دیا۔ تو وہ چڑ گیا "اچھا بتاؤ تمہارے پاس سفید کپڑے ہیں یعنی شلوار قمیص دوپٹہ۔" وہ آج غصے میں نہیں تھا "اگر نہیں ہیں تو پھر جاؤ فوراً ایک سفید سوٹ لے کر آؤ تمہاری باجی ان کے

باورجن بن گئی۔ مگر کی صفائی سترائی کرتی ہوں تو کیا میں بھگن بن گئی۔ نہیں بلکہ یہ ایک عورت کی پہچان ہے ایک ایسی عورت کی جو اپنے گھر کو مکمل طور پر خواہش کرتا جاتی ہے۔

آج کی لڑکی کی تصویر بالکل ظلف ہے۔ مگر میں چاہے وہ مجھے بھی زندگی گزار رہی تھی سسرال جاتے ہی اسے سب کچھ مل جاتا چاہئے۔ مائیں بھی تو ہواوے رہی ہوتی ہیں "جو بھی چاہے کرو، ہم تمہارے ساتھ ہیں"۔ لڑکیوں کے نزدیک شادی تو ہوتی ہی پیش موج کا نام ہے اور پھر جب ذرا ظلف حالات ملیں تو آج کی لڑکیاں طلاق کے مطالبہ سے بھی نہیں گھبراتیں، ہاں دے دو مجھے طلاق مجھے تمہارے ساتھ رہنے کا کوئی شوق نہیں۔ دراصل جس عمارت کی بنیاد ہی مضبوط نہ ہو وہ تیز ہواؤں کو کہاں تک سہ سکے گی۔ ہلا گلا ہنگامے برآمد لے پار بنائیں اگر یہ سب نہیں تو زندگی نامکمل ہے اور پھر تو میں میں کا نتیجہ، طلاق۔ طلاق، رب رحیم و کریم کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ عمل ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث ہے کہ طلاق چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز اللہ کے نزدیک طلاق ہے۔ یعنی اس کی اجازت صرف اور صرف سخت حاجت کے وقت رکھی گئی ہے اور حدیث میں ہے نکاح کرو اور طلاق نہ دو اس لیے کہ طلاق دینے سے عرش پٹا ہے۔

اور آج ہمارا میڈیا کیا سکھاتا ہے "خاوند کو اتنا تنگ کرو کہ وہ طلاق دینے پر مجبور ہو جائے" اور بیٹی صاحبہ فرماتی ہیں "بہت اذیت ہے اپنے خاوند کو کس مٹی کا بنا ہے کوئی اور ہوتا تو اب تک سب قسم ہو چکا ہوتا ہے۔"

طلاق، جس سے عرش پٹے کی حدیث آج بھی ایک مذاق بن رہی ہے۔ اللہ ہمیں راہ ہدایت عطا فرمائے۔

فون کی گھنٹی بج رہی تھی اٹھایا تو "آمین" کی آواز اور تھوڑا سا تسخروالا لہجہ "کسی پلیٹ فارم پر کڑے ہو کر بڑا اچھا لکچر دے سکتی تھیں آپ! بہر حال پراخت اچھا پڑا ہے۔ آج تو طلاق اور پھر طلاق کو ایسے دکھایا جا رہا ہے کہ لڑکیوں کے دہنوں میں یہ چیزیں راسخ ہو جائیں۔ یعنی مذاق بن چکا ہے اور آپ جانتی ہیں نا اللہ کے فرمان کا مذاق اڑانے کا نتیجہ کیا ہے؟"

میں خوفزدہ ہو گئی۔ "خدا کوئی نئی بات منہ سے نہ نکالنا۔ ہمیں تو صرف اور صرف اپنی قوم کے لیے ہدایت کی دعا مانگنی ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے آپ بیٹھیں اور دعا کریں لیکن ان لوگوں کو یہ بھی بتادیں کہ وہ جو مفسد ہوئے جن پر عذاب آئے وہ سب اللہ کے فرمانوں کو جھٹلانے والے تھے۔"

"اچھا دیکھو آج تو اپنا تعارف کروادو" میں نے موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا تو وہ اس پڑا "موتہ پرست خاتون امتاؤں کا کسی دن پائے۔"

اور میں سوچ میں پڑ گئی۔ خرابی کہاں سے شروع ہو رہی ہے۔ سورۃ نور کی ایک آیت ہے "اپنا بناؤ سنگھار ظاہر نہ کرو" ہم کیا کر رہے ہیں۔ عورت کو خواہشورت، جوان لڑکیوں کو خواہشورت ترین بنا کر ہر اشتہار کی ذیقت بنا دیا گیا ہے۔ سڑکوں پر لگے بیسٹرو ٹی وی پر چلے اشتہار کیا ہم اللہ کے احکام کی کھلی خلاف ورزی نہیں کر رہے۔ یہ تو اللہ کے احکام کے خلاف ایک جنگ ہے اور سوچیں کہ ہم اللہ کے غضب کو کس طرح دعوت دے رہے ہیں؟

"ذرا مارنگ شوڈ پہ آجائیں نا" میں نے جھنجھلا کر فون اٹھایا تو وہ تو جیسے میرا ذہن پڑھ چکا تھا "فون بند نہ کرنا یہ تو اللہ سے تار رہا ہوں کہ کل ایک شاہی محل اوقات اس لیے واپس چلی گئی کہ

ہے، قصور وار کون ہے؟

مارنگ شوڈ میں اچھے شوڈ بھی ہیں۔ اچھی باتیں بھی بتائی جا رہی ہیں لیکن بعض شوڈ اتنی صبح ہوتے ہیں خصوصاً اسلامیات اور اخلاقیات کا درس دینے والے کے شاید جو ان لسل اس وقت سو رہی ہوتی ہے۔ کم از کم میرے ارد گرد تو ایسا ہی ہے۔ وہ بھی جو گھروں میں کام کرتی ہیں ان کے بچے بھی اور ان عورتوں کے بھی جو منہ اندھیرے اٹھ کر درس قرآن سننے آتی تھیں اور روتی ہیں کہ ان کے بچے صبح اٹھتے ہی نہیں۔ نماز نہیں پڑھتے، کچھ سنتے ہی نہیں۔

اور میں سوچتی ہوں، ایک وہ وقت تھا..... لہامی (مرحوم) مسجد میں جانے سے پہلے صرف ایک آواز دیتے تھے۔ ”بچھا اٹھ جاؤ، فجر کی نماز کا وقت ہو گیا ہے۔“ اور ہم سب اٹھ کر بیٹھ جاتے تھے۔ نماز اور تلاوت قرآن روز صبح کا معمول تھا۔ اور اس کے بعد کچھ پڑھائی اور پھر ای جان کی تھوڑی عدد۔ ہم کہاں آگئے ہیں؟ میری تو سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ ان عورتوں سے میں صرف یہی کہتی ہوں۔ اللہ سے دعا کرو۔ وہی ہم سب کو ہدایت عطا فرمائے والا ہے۔ مگر کی کہاں ہے؟ والدین کی تربیت میں معاشرے کے اطوار میں یا جی پاد کے اعد کوئی ایسا چیز ہے جو انہیں ذہن اور دل لے لئے جا رہی ہے۔ علامہ اقبال کی طرح میں بھی ماہوس نہیں ہوں کیونکہ یہ مٹی بڑی زرخیز ہے۔ حاصل ایک اچھا بہت اچھا ساقی ہمیں چاہئے۔ وہ قدریں جو بدل چکی ہیں۔ ان قدروں کو پھر سے زندہ کرنے کے لیے ایک مصلح چاہیے۔

اس روز بھی مجھ پہ اُداسی کا دورہ پڑا تھا اور بے وجہ غصہ آرہا تھا، میں اندر ہی اندر کھول رہی تھی۔ بار بار میری فطرس فون کو بھٹکتے لگتیں۔ آج وہ بھی خاموش تھا کہ میری دوست چلی چلائی دھڑ سے

غریب والدین کچھ کو ”مارنگ شوڈ“ کے مطابق سما نہیں سکے اور Reception بھی دیا نہیں تھا۔ سوچو ہم کہاں کھڑے ہیں؟ ہائے۔“ وہ تو یہ کہہ کر فٹا سے فون رکھ کر قایب تھا اور میں مارنگ شوڈ کی بھول بھلیوں میں یہ بھی بھول چکی تھی کہ چولہے پہ پڑا سالن بھی میری طرح اندر سے جل چکا ہے۔

”نہیں! میں دقیاؤں میں ہوں۔ میں اکٹڑ مولویوں کی طرح ہرگز نہیں سوچتی لیکن پھر بھی کچھ تو سوچنے کیا بارگاہ کے لوٹ جانے پر اس گھر میں قیامت نہیں آگئی ہوگی۔ اس بچی کے نصیبوں پر طعنے مارے جا رہے ہوں گے۔ ذلت و رسوائی کے طراب میں ڈوبا باپ سرگشتوں میں دیے، یک تک کہاں دیکھ رہا ہوگا کہ یہ تو پہلی بیٹی تھی تین اور بیٹیاں ابھی باقی ہیں اور دنیا کے طعنے، مجھے ادر ہے کہیں وہ کوئی بہت ہی ناپسندیدہ عمل نہ کر بیٹھے۔“

مارنگ شوڈ والو! یہ معاشرہ صرف تمہارا معاشرہ نہیں یہاں وہ بھی رہتے ہیں جنہیں وہ وقت کی روٹی نہیں ملتی، وہ بھی جن کی بچیاں صبح منہ اندھیرے ٹیکسٹریوں اور کارخانوں میں کام کرنے چلی جاتی ہیں اور غمزدہ مائیں ان کی عزت سے داہنوں کے لیے سارا دن دعائیں کرتی رہتی ہیں۔ کہیں تمہارا یہ ایسی مذاق، یہ زعمہ دلی، یہ ہر روز ایک کھٹے کی برین واشک بہت سوں کے لیے سنگین مذاق نہ بن جائے۔ میں مانتی ہوں ہم ٹی وی اپنی تفریح کے لیے دیکھتے ہیں۔ ہم زندگی کی تکلیف وہ حقیقتوں سے کچھ دیر کے لیے دور ہو جانا چاہتے ہیں۔ ہمیں بھی اپنے ماحول کی کشتوں سے فرار چاہئے لیکن کسی کا گھر جلا کے آگ تاپنا کہاں کی انسانیت ہے۔ ڈراموں میں لڑکیاں گھروں سے فرار ہو رہی ہیں۔ اس فرار کا آخری نتیجہ کیا ہے۔ ان ڈراموں کو دیکھنے والی کوئی بھی بیٹی کوئی بھی بہن اپنے گھر اس بلا میں لالہ لائی

Digest.pk

تھے۔ ہم جو ٹیکل ہزارہ کی نسل تھیں ایسی نسل جس کو اس وقت صرف یہ علم تھا کہ کچھ ہورہا ہے کیا، کیوں اور کیسے؟ یہ علم نہیں تھا۔ آج جب مڑ کر دیکھتے ہیں تو اس بات کو سمجھنے میں دیر نہیں لگتی کہ جنہوں نے اُس وقت دل سے اس ہزارے کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ آج کتنے کامیاب ہو چکے ہیں۔ میری نظروں میں جب اس شہید کی لاش آتی ہے جسے میں نے اپنے بچپن میں لسادات کی نذر ہوتے دیکھا تھا۔ تو وہ سارے شہید سامنے کھڑے ہوتے ہیں جو لاکھوں کی تعداد میں تھے۔ وہ جوان لڑکیاں جنہوں نے اپنی مصیبتوں کی قربانیاں دیں۔ وہ مائیں جن کے بچے اُن کی نظروں کے سامنے یزیدوں کی انگوٹھوں میں پھردیئے گئے۔ تو وہ واحد شہید جو میں نے پانچ سال کی عمر میں دیکھا تھا۔ حج کر مجھ سے پوچھتا ہے کہ کیا ہمارے خون کی لالچ رکھنے والا کوئی بھی نہیں۔ اس شہید کی کہانی ایسی انشاء اللہ سناؤں گی لیکن ابھی تو مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ اظہار کی وہ چھاپ جو ہماری صرف چیزوں پر نہیں ہماری آنے والی نسلوں کی ہستیوں پر بھی بڑھتی جا رہی ہے۔ اُس کو روک لیں۔ اس ملک کو جس مقصد کے لیے حاصل کیا گیا تھا۔ واضح طور پر نئی نسل کے سامنے وہ مقصد لایا جائے۔ نئی وی کے بہت اچھے پروگرام ایسے طریقے اور ایسے وقت پر آنے چاہئیں جب ہمارے بوڑھے نہیں تو جوان بھی اُن کو روک سکیں۔

مارنگ شہر کے متعلق کافی شور اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ہر مذہب میں صبح عبادت کے ساتھ ہوتی ہے۔ ایک ہم ہیں جو اذخول باجوں اور رقص و موسیقی کے ساتھ اپنی آنکھیں کھولتے ہیں۔ اللہ کرے یہ تبدیلی جو آ رہی ہے ساری قوم کے لیے مثبت نتائج لے کر آئے۔ آمین

”یا اہلی خیر۔ کیا ہوا؟“ میرا دل ہول اٹھا۔ اتنی مسکین طبیعت والی حسنا اور اتنا فضا۔

”خیر ہی تو نہیں ہے نا۔“ وہ ٹیلی ویژن پر دکھائے جانے والے اشتہارات کو کوس رہی تھی۔

”لو جی یک نہ شدہ شدہ میں بھی تو اسی الاؤ میں دھک رہی ہوں۔“ میں نے پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ڈکھ سے میرا پور پور جل رہا تھا۔ جو ملک ہم نے گلہ کے نام پر حاصل کیا تھا اُس میں ہر طرف اظہار کی چھاپ نظر آ رہی ہے اور ہمارے سیاستدان اپنی اپنی بیٹھک سہائے شیشہ لپا رہے ہیں۔ میرا جی چاہتا ہے اتنا چلاؤں اتنا چلاؤں کہ یا تو سب کو جگا دوں یا خود جل کر خاک ہو جاؤں۔“

یک تخت فون چل اٹھا۔ ریسیور اٹھایا تو وہی استہزائیہ قہقہہ۔ ”اوبے بے۔ آج تو بہت جوش میں تھیں آپ ابھی سے جلنے کے پروگرام بن رہے ہیں آخر کیوں؟“

”دیکھو آج تم نہ ہی بولو تو اچھا ہے۔ میں واقعی ایک آگ میں جل رہی ہوں۔ میرے ارد گرد میری اپنی اگلی نسل جل پھر رہی ہے۔ مجھے اُن کے متعلق سوچ کے ہول اٹھتے ہیں کہ ہم انہیں کن راہوں پر چلا اور کن منزلوں کی طرف دھکیل رہے ہیں۔ چند گھنٹوں کے عوض ایمان بک رہے ہیں۔ ہم اپنے بچوں کے تعلق ہی ٹھیک نہیں کر پارہے جو رخ کو کھلے اور خوش گوش کہتے ہیں۔ یہ تو بڑی معمولی بات ہے اور کیا کچھ کہوں۔ ہمارا اپنا تشخص اپنی اقدار کہاں کھو گئی ہیں۔

آج میں جی بھر کے بولوں گی کیونکہ میں بہت پھوٹی تھی جب ”بٹ کے رہے گا ہندوستان اور لے کے رہیں گے“ پاکستان کے فرے کو بچتے تھے۔

جب ننھے بچے پاکستان کا مطلب کیا؟ والہ اللہ کی صدائیں اُٹھیں۔ میں اس وقت غور کرنے لگی تھی۔

Digest.pk

نعیم بیک

سارے کے پیچھے

کندن شاید نہار ہاتھ اس کے سارے جسم میں قناعت آچکی تھی۔ وہ اٹھی اور اسی طرح ہاتھ روم کی طرف چل پڑی۔ جونکی وہ ہاتھ روم کے قریب پہنچی تو اندر لائٹ آف ہوگئی۔ ابھی وہ سوچ رہی تھی کہ کیا کرے کہ ایک ہاتھ نے اسے جھکے سے اندر کھینچ لیا۔



ایک عورت کی کہانی جو تہائی کاٹا رہی تھی، سسٹمز سے بھرپور شاہکار

کاپتے ہاتھ میں ہستول پکڑے نیچے پاؤں رشتی دروازے کے قریب جا کھڑی ہوئی۔ اس نے آہستہ سے اپنا دائیں کان دروازے سے لگایا اور سننے کی کوشش کی لیکن باہر سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ صرف خاموشی کی ایک گہرائی تھی۔ اس نے اپنے دل کی دھڑکن ضرور سنائی دے رہی تھی۔ اس نے اپنا دوسرا ہاتھ سینے پر رکھا اور کچھ بھر کو سوچا کہ کیا دل باہر بھی آ سکتا ہے۔ وہ کافی دیر تک خاموش وہیں کھڑی رہی لیکن دروازہ دوبارہ نہیں کھٹکتا تھا۔ یہ دوسری دھڑکن تھی جس پر رشتی کو کچھ خوف محسوس ہوا تھا لیکن

Digest.pk

اب جیسے کوئی دابہس چلا گیا ہو۔

رشی نے ایک سکون کا سانس لیا اور دابہس بکن میں آگلی وہ اپنے لیے بیٹھوچ بٹاری تھی جب حدودہ اس زور سے بجا کہ اس کا دل ایک دم بیٹھ گیا تھا۔ رشی نے اپنا بیٹھوچ اور کافی کانگ اٹھایا اور لاؤنج میں چلی آئی۔ دسمبر کی ابھی ابتدائی سردائیں تھیں اور رات کا دوسرا پہر ہی تھا۔ کنڈن لے جاتے جاتے اسے ہار ہار جھبی کی تھی کہ کچھ بھی ہو تم نے دردناک نہیں کھولنا۔ اسے معلوم تھا کہ کنڈن آج کل جس سرکاری فقیہ پروجیکٹ پر کام کر رہا ہے وہ شہر سے باہر مشرق میں مردانگر کے قریب ہی کہیں ہے اور اسے اکثر رات کو درمیانے ہی دابہس آتا ہے۔ کنڈن نے ایک عدد امریکن کمر قہری ایٹی پسل بھی اسے دے رکھا تھا۔ جو اس کے نازک ہاتھوں میں صرف ایک کھلونا ہی دکھائی دیتا تھا لیکن جب کنڈن نے اسے چلانا سکھایا تھا تو اسے لگا کہ یہ پسل تو اسی کے لیے ہی بنایا گیا ہے۔ کنڈن کا معمول تھا کہ جب وہ نیچے پارکنگ میں پہنچ جاتا تو اسے کال کرتا کہ دروازہ کھول دو میں آ رہا ہوں۔ یہ سب احتیاطی تدبیر اسے اپنی فقیہ سرگرمیوں کی وجہ سے کرنی پڑتی تھیں۔

رشی کے منہ سے آہستہ بھاپ کے مرغولے جیسے اس کے سامنے قہر قہراتے ہوئے راک ایجنڈا رول پڑھ کر رہے تھے۔ اس نے اپنی اگلی بھاپ کے درمیان گزاری اور یوں اگلی کو دیکھا جیسے وہ کوئی غیر مرئی شے ہو اور وہ خود بخود مسکرا دی۔

دونوں میاں بیوی فریہ آباد سے قطع رکھتے تھے۔ شادی کے ایک مہینہ کے بعد کنڈن کی دہلی ٹرانسفر پر انہیں یہاں آنا پڑا تھا اور یہ دوسرا ماہ تھا۔ ریس کلب کے قریبی سرکاری لابیوں میں ان کا قیام تھا۔ قسمت ان دونوں کنڈن پر مہربان تھی۔ رشی کی شادی اور وہ بھی پہلا ویکلیوں میں ہوئی کہ رشی بچہ پرانی تھی۔ وہ ابھی کچھ عرصہ پہلے ہی

توانا بیٹھاری سے اٹھی تھی۔ چلنے سوتے خیالات کا ہند ہمیشہ اس کے سر پر سوار رہتا اور ہر ایک وقت ایسا آیا کہ رشی قلعہ سے باہر ہوگی۔ ترقی کے اس دور میں آئندہ کچھ اپنی بیٹی کو توہمات کے حوالے نہیں کرنا چاہتے تھے لہذا انہوں نے رشی کا ملک کے معروف ڈاکٹرول سے نفسیاتی علاج کروایا اور اب رشی کافی بہتر تھی۔ بہر حال ملک کے کہنے پر آئندہ کچھ رشی کی شادی اس کے کلاس فیلو کنڈن سے کرنے پر رضامند ہو گئے۔ کنڈن تو جیسے نہیں ہو گیا اس نے نورماں کی اور شادی ہوگئی۔ کنڈن چاہتا تھا وہ اپنا کیریئر سربراہی دوسراں ملکے میں بنائے اور اس کی یہ دعا بھی قبول ہوگئی تھی۔ اب وہ خواہصیت رشی کا شوہر اور اپنے اندرے کا ایک دسمبرا آئیںر تھا۔

یوں زندگی ایک ڈگر پر دوں دہاں تھی لیکن کنڈن کا مات مجھے تک باہر رہنا خود اسے بھی پسند نہیں تھا لیکن مجھوں ہی تھی۔ البتہ جب بھی وہ باہر جاتا رشی کو خوب تاکید کر کے جاتے اسے معلوم تھا کہ علاقہ کو سرکاری ملازمین کا اور محفوظ ہے تاہم اسے اپنے سرکاری بات پاد آجاتی تھی جب انہوں نے رخصت ہوتے ہوئے رشی کی پہلی کا کنڈن کو کچھ اشارہ کیا تھا۔ احتیاطا اس نے رشی کو کہہ رکھا تھا کہ جب اس او جابا کر تو اپنی بیوی بہن آشاکے پاس کھول باغ میں چلی جایا کر اور رشی ایسا کرتی بھی تھی۔ لیکن اب چند دنوں سے بہت بھر ہو رہی تھی۔ گھر کے سارے کام کاج دن کے تیسرے پہر تک ختم ہو جاتے پھر کچھ نہ کچھ کھا کر رشی ٹی وی دیکھتی۔ شام ہوتے ہی وہ لاؤنج میں لاہر اُدر بھاگ کر ایک سرساز کر لیتی۔ بس اکیلے باہر جانے کی پابندی نے اسے تنہا میں سے مانوس کر دیا تھا۔ دن اس کا پادٹی ڈے ہوتا جب وہ دنوں باہر نکلتے لیکن اب ایک دو ہفتوں سے ایسا نہ ہو سکا تھا۔ وہ آج صبح سے ہی خود کو کچھ زور دینے لگا اس اور تنہا محسوس کر رہی تھی۔ کوئی اسے کہاں پہنچانے جانے والا نہیں تھا۔

Digest.pk

فرزدن..... فرزدن..... پاس رکھے ٹیلی فون کی
تھکنی نے اسے ایک دم چمکا دیا۔

دھڑکتے دل سے رشتی نے رسیور اٹھایا..... ہلو
..... ہلو لیکن رسیو خاموش تھا اور پھر ایک دم اس میں
ڈائل ٹون آگئی جیسے کسی نے بند کر دیا ہو۔

اس نے رسیور کریٹل پر ڈائل دیا اور کافی کا آخری
گھونٹ پینے کے لیے ابھی منہ سے لگایا ہی تھا کہ کسی
نے فلیٹ کے دروازے پر دھماکہ زدہ دھڑکنگ دی۔ رشتی
کے ہاتھ سب سے پہلے قالمین پر گر گیا۔ وہ اچھل کر کھڑی
ہو گئی۔ خوف کی ایک سرد لہر اس کے پودے جسم میں دوڑ
گئی۔ یہ کون ہے جو دروازے کی بھل بھانے کی بجائے
دروازہ ہیٹ رہا ہے۔ اس نے چاروں طرف نظریں
گھمائیں جیسے کسی چیز کو محسوس رہی ہو۔ اس نے جلدی
جلدی صوفے پر، کرسی پر، بچل پر، سامنے رکھے ستر ٹیبل
پر اپنا ہٹل ڈھونڈا لیکن وہ کبھی نظر نہ آیا۔ اسے محسوس ہوا
کہ اس کا ہٹل کھونچکا ہے۔ اب کوئی دروازہ شدت سے
ہیٹ رہا تھا۔ اسے کچھ بھائی نہیں دے رہا تھا کہ کیا
کرے۔ وہ دبے پاؤں چلتے ہوئے دروازے تک آئی۔

”کون.....؟“ رشتی نے دروازے کی طرف
دیکھتے ہوئے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔

”اہرے میں ہوں اور کون.....؟“ یہ کندن تھا۔
رشتی نے ایک گہرا سانس لیا اور لاک کھلی اور
زنجیر تینوں کو بیٹا یا اور دروازے کو کھول دیا۔ سامنے
روشن کوریڈور میں کندن کھڑا مسکرا رہا تھا۔

”تم نے کال کیوں نہیں کیا؟“ خوف کی ماری
رشتی اسے دیکھتے ہی رو پڑی اور لڑتی ہوئی کندن کی
ہانہوں میں جھول گئی۔

رشتی کی جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ وہ صوفے پر لیٹی
تھی اور اس کا نچلا دھڑکیلا سا لگ رہا تھا۔ اس نے
سیدھا ہونے کے لیے صوفے کی پٹی کو پکڑا اور اپنے جسم
کو اوپر کھینچا تو ایک سرخ صدمہ اسے نظر آ گیا۔ اس

نے فوراً اپنے لہاؤ کو چھوا، تو اسے لگا کہ وہ خون سے
تر تھکا ہوا اس نے ایک خوفناک آواز میں کندن کو پکارا۔
اعد ہاتھ روم کی لائٹ جل رہی تھی اور دروازے کے بیچ
لگے دھندلے شیشے میں ایک سایہ روشنی میں حرکت کرتا
نظر آیا۔ رشتی نے سکون کا سانس لیا۔ کندن شاید نہا
رہا تھا۔ اس کے سارے جسم میں خفاہت آچکی تھی۔ وہ
آٹھی اور اسی طرح ہاتھ روم کی طرف چل پڑی۔ جونہی
وہ ہاتھ روم کے قریب پہنچی تو اعد لائٹ آف ہو گئی۔
ابھی وہ سوچ رہی تھی کہ کیا کرے کہ ایک ہاتھ نے اسے
جھکے سے اعد کھینچ لیا۔ وہ چیخی لیکن اس کی آواز جیسے
بچے شاد میں کہیں گم ہو گئی۔ اسے اعد پیرے میں محسوس
ہوا کہ جن ہاتھوں نے اسے پکڑا ہے وہ کندن کے
نہیں۔ کندن نے اسے کبھی یوں سخت ہاتھوں سے نہیں
چھوا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو چھڑانے کے لیے زور
لگایا لیکن بے سود۔ گرفت از حد مضبوط تھی اور اس کے
منہ پر آنے والی گرم سانسیں انجان تھیں۔ سایہ نے اس
کے منہ پر انگلیاں پھیریں تو وہیں سے خون اٹل پڑا۔
رشتی شدید درد سے ہلپلا اٹھی۔

پیچھے ہٹو..... وہ ہلپلاتی ہوئی چیخی لیکن کسی نے
اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

رشتی نے اپنے سخت ناخن پوری قوت سے سائے
کے بازو میں گاڑ دیے۔ ایک قہقہہ سا ابھرا اور گرفت
ڈھیل ہو گئی اور وہ اپنے آپ کو چھڑا کر باہر آگئی۔ سفید
فرش پر سرخ خون کے دھبے جگہ جگہ پھیل چکے تھے۔
اس نے کاہتے ہاتھوں سے جلدی سے آٹا کٹون ملایا
لیکن کسی ایک گھنٹیاں بچتے پر بھی اس طرف خاموشی
ہی رہی۔ رشتی نے فوراً کندن کے آفس ملایا لیکن
وہاں بھی خاموشی تھی اس نے اپنے پیچھے دیکھا تو ایک
ہیولہ سا کیلے قدموں سے اس کی طرف آ رہا تھا۔
صرف اس کے قدموں کے کیلے نشان فرش پر نمایاں
نظر آ رہے تھے۔

Digest.pk

مہٹ سے چھری نکال کر ہاتھ میں لے لی۔ کو خوف سے رشتی میں وحش طاری ہو چکا تھا لیکن وہ فطرت کے باوجود اپنے حواس کو ابھی تک قابو میں رکھنے میں کامیاب رہی تھی وہ کسی قیمت پر اپنے آپ کو سائے کے حوالے نہیں کرنا چاہتی تھی۔ کدیلود میں آ جانے پر وہ اب مسلسل چیخ بھی رہی تھی اور سائے کو لٹکا رہی تھی۔ سامنے والے دلوں فلیٹ خالی تھے لیکن ساتھ والے فلیٹ سے آئی پارکیر آدھ کھلے صدارے سے ہما تک رہی تھیں۔ جو شاید فائر کی آواز سے جاگ گئی ہوں گی۔ رشتی کو یوں دیکھ کر زود سے چھین اور واپس اندر ہما گئیں۔ سایہ اب کدیلود کی مدہم زرد روشنی میں رشتی کے گلے کو پار ہاتھ کا سٹے میں کسی مضبوط ہاتھوں نے رشتی کو پیچھے سے تھام لیا۔

اگلے دن صبح ہسپتال کے کمرہ میں رشتی خواب آور دوائیوں کے زیر اثر سو رہی تھی۔ اس کے شتال ٹیبل اور پیچیدہ چہرے پر کرب کے آثار نمایاں تھے۔ سفید کوٹ میں لمبوں پاس کھڑا ماہر نفسیات اپنے ہاتھ میں ایک رپورٹ لیے کندن کو دکھا رہا تھا۔ آشا اور اس کے شوہر بھی وہیں تھے۔ آئی پارکیر سب کو اپنی بہادری کی داستان سن رہی تھیں۔ جنہوں نے لکھنؤ پولیس کو فون کیا تھا لیکن اسی اثناء میں کندن بھی پہنچ گیا تھا جس نے رشتی کو پیچھے سے تھام لیا تھا۔ بقول آئی پارکیر رشتی کسی الجھان خوف کے تحت خودی کسی سے لڑ رہی تھی اور بلا حذرک فائر کر رہی تھی۔ جب کہ گھر میں نہ کوئی خون تھا نہ اس کے دھبے۔ ہاتھ دم خشک تھا۔ لاؤنچ کی ترتیب و دست خیم ماسوائے کدیلود پر لگا آئینہ گولی لگنے سے ٹوٹا ہوا نیچے گرا پڑا تھا۔ کندن سوئی ہوئی رشتی کے منہ پر پیار سے انگلیاں پھیرتے ہوئے اس کے کان میں سرگوشی کر رہا تھا۔ "سوئی میری جان رشوا..... آئی لو یو..... تم لب اکیلے گھر سے باہر جاسکتی ہو۔"

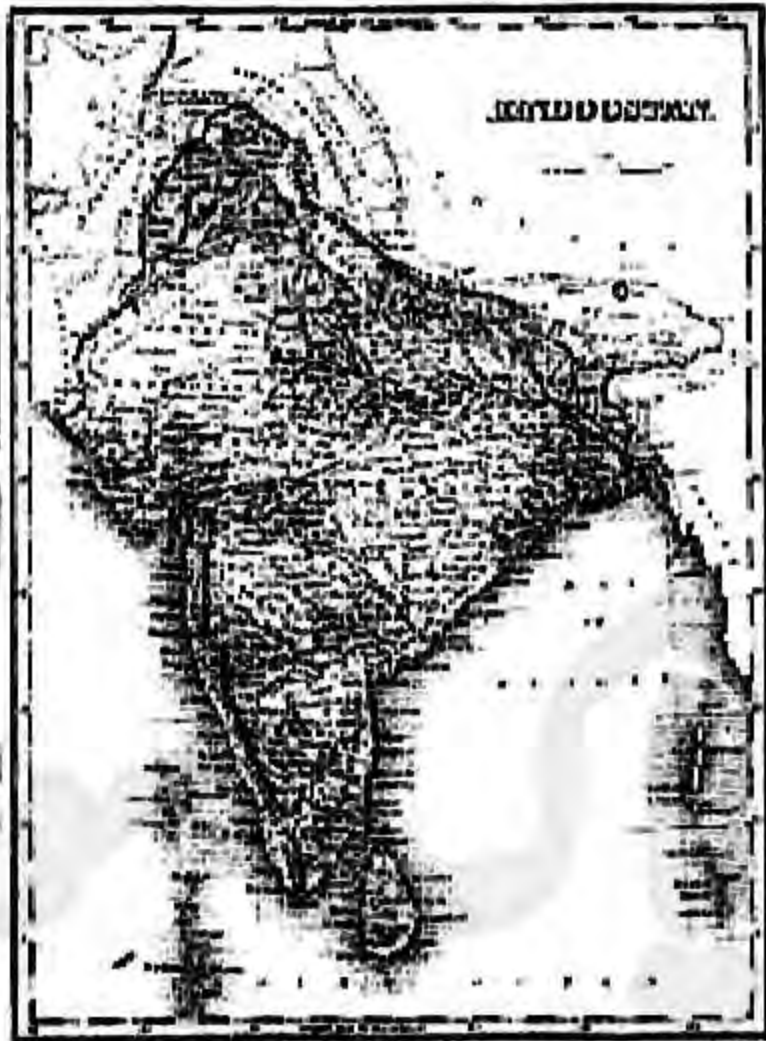
طرف بھاگی۔ جونہی وہ کچن میں آئی پیچھے لاؤنچ کی لائٹس آف ہو گئیں۔ اس نے جلدی سے گوشت کاٹنے والی بڑی چھری اسٹینڈ سے نکالی تو دیکھا بطل سبک مرمر کے سلیپ پر سامنے دھرا تھا۔ اس نے فوراً بطل اٹھایا اور اس کا سیٹھی کلب لون کر لیا۔ چھری کو اس نے فریڈز میں اڑس لیا اور کچن میں ڈک کر سائے کا انتظار کرنے لگی۔ سامنے کھڑکی سے باہر کا منظر صاف نظر آرہا تھا۔ نیچے سڑک پر اکاؤنٹ کارپا آٹو رکشا گزرتی اور آسمان پر مغرب کی طرف زرد رنگ کا آدھ کٹا چاند لٹکی سی وحند میں رات کے آخری پہر میں غروب ہوا جاتا تھا۔ شاید اپنے آخری دلوں میں ہوگا۔ اس نے خوف سے ایک جھرجھری سی لی۔

لےنے میں کچن کی لائٹ آف ہو گئی۔ رشتی خوف سے جھنجھکی ہوئی لاؤنچ کی طرف دوڑی۔ سایہ اس کے پیچھے بھاگا۔ رشتی گھبراہٹ میں پہلے کرسی سے ٹکرائی پھر لی ایجنٹ ٹیبل کا کٹا اس کے پیٹ کے نچلے حصے میں آن لگا اور شدید درد سے وہ ہلکا آٹھی اور حصہ میں پلٹ کر سایے پر فائر کر دیا۔ گولی سامنے دیوار پر لگی اور اس کے ساتھ لٹکا ہوا آئینہ حزام سے زمین پر گر کر کچی کر گیا ہو گیا۔ سایہ اچھل کر سیدھا رشتی کی طرف آ رہا تھا۔ رشتی نے کدیلود سے آنے والی مدہم روشنی میں سائے پر یکے بعد دیگرے تین اور فائر کیے لیکن سایہ بدستور اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اب رشتی کے پاس کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ گھر سے باہر نکل آئے۔ وہ پچھلے قدموں ہلتی ہوئی الجھان چہرے کے ساتھ ہاتھ میں بطل لیے ہال تکبیرے کدیلود میں نکل آئی اس کی آنکھیں شدت خوف سے پھیل چکی تھیں۔ موت اس کے سامنے کھڑی تھی اور وہ بے بس تھی۔ سایہ نے ایک جست لگائی اور رشتی کے سر پر پہنچ گیا۔ رشتی کو یوں لگا جیسے آغوش کی ایک لہر اس کے چاروں طرف گولے کی طرح گھومی ہو۔ اس کے ہاتھ سے بطل مہٹ نکلا اور جاگتا رہا۔

Digest.pk



عارف محمود اہل



ہندوستان میں مسلم ورثہ

مقدس درگاہوں کے نقوش معدوم ہونے کے قریب
بھارتی انتہا پسندوں اور حکومت کی لاپرواہی کی وجہ سے ماضی کا
مقدس سرمایہ خاک میں ملنے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔

یہاں پر سکونت اختیار کرنے کے بعد انہوں نے خود
کو ہندوستانی کہلانا ہی زیادہ پسند کیا۔ پورے
ہندوستان میں بکھری ہوئی ان کی قبریں، اس بات
کی گواہ ہیں کہ وہ واقعی محبت وطن تھے، لیکن مسلم
بادشاہوں کی گنگا جمنی تہذیب سے بھراؤن واقف
نہ تھے۔ ہندوستان میں ہر ایک ایک طرف عدل

ہندوستان پر مسلمانوں نے تقریباً آٹھ سو سالوں
تک حکومت کی اس دوران انہوں نے کہیں پر قلعے
تعمیر کروائے تو کہیں پر سرائے خانے، کہیں پر
مسجدیں بنوائیں تو کہیں پر آبادیاں، ہندوستان کو
انہوں نے ہمیشہ اپنے گھر سمجھا۔ یہ مسلم حکمران
ہندوستان کے باہر سے نہ آئے تھے لیکن ایک بال

Digest.pk

کی اتنی جائیدادیں موجود ہیں کہ اگر یہ جائیدادیں مسلمانوں کو واپس لوٹا دی جائیں تو صرف مسلمانوں کے لئے کئی بڑی یونیورسٹیوں کی تعمیر ہو سکتی ہے کئی ٹیکنیکل اور پروفیشنل انسٹی ٹیوٹ قائم کئے جاسکتے ہیں، کئی ہدیہ کارخانوں کی تعمیر ہو سکتی ہے، ہزاروں لاکھوں مسلمان بہتر روزگار کے مواقع حاصل کر کے باعزت زندگی گزار سکتے ہیں، کیوں کہ راشن پتی بھون کی زمین وقف کے نام سے ہے، وزیراعظم کی رہائش گاہ وقف کی زمین پر بنی ہوئی ہے۔

انگریزوں کو ہندوستان میں شروع میں سب سے زیادہ مسلمانوں کی طرف سے مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا کیوں کہ جس وقت انگریز ہندوستان آئے اس وقت ہندوستان پر مسلمانوں کی ہی بادشاہت تھی۔ لہذا انگریزوں نے جب ہندوستان کی ہاک ڈور پوری طرح اپنے ہاتھوں میں لے لی تو انہوں نے مسلمانوں کو سبق سکھانا اور انہیں طرح طرح سے پریشان کرنا شروع کر دیا۔ اس کے لئے انہوں نے بحالی اراضی قانون Land Resumption Act پاس کر کے وقف کی ان زمینوں سے لکھن وصولنا شروع کر دیا جن پر پہلے لکھن نہیں لگتا تھا۔ اس طرح صرف بنگال میں ان زمینوں سے 1.1 ملین پاؤنڈ کی وصولی ہوئی۔ جن پر پہلے لکھن نہیں لگتا تھا۔ ان میں سے زیادہ تر زمینیں مسلم عظیموں کے زیر استعمال تھیں۔ لیکن انگریزوں کی اس پالیسی کے نتیجہ میں سینکڑوں مسلم گھرانے چلے ہو گئے اور مسلمانوں کے تعلیمی نظام پر اس کا سب سے گہرا اثر ہوا کیوں کہ انہیں انہی جائیدادوں سے عطیے ملنا کرتے تھے۔

ہندوستان کی مختلف ریاستوں اور یونین علاقوں میں 4.9 لاکھ سے زیادہ رجسٹرڈ وقف جائیدادیں ہیں۔ مثلاً مغربی بنگال میں سب سے زیادہ 14,11,200 وقف جائیدادیں ہیں۔ اس کے بعد

جھانگیری مشہور ہے۔ وہیں دوسری طرف اکبر کی عظمت کا بھی کبھی لوہا مانتے ہیں، دارالعلوم کی دور بنی اور علم دہانی کے چرچے بھی مشہور ہیں۔ انہوں نے دنیا جہان کی دولت اپنے لئے ہڈی مرنے کے بعد ظاہر ہے کہ وہ یہ دولت اپنے ساتھ لے کر نہیں جاسکتے تھے۔ لہذا ان کے ذریعے چھوڑی گئی دولت کو ہمارے ہاں کی حکومتوں نے یا تو محکمہ آثار قدیمہ کے حوالے کر دیا، یا پھر جہاں کہیں موقع ملا اسے یا تو خود ہی ہڑپ لیا یا اوروں کے ہاتھوں لوٹا دیا۔

نتیجہ یہ نکلا کہ خلیہ خاندان کی کوئی بہو یا تو کلکتہ ریلوے سٹیشن پر چائے بیچ کر اپنی زندگی گزار رہی ہے یا پھر اس خاندان سے تعلق رکھنے والے افراد بیک ماگ کر اپنی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ کوئی ان کی خبر لینے والا نہیں۔ کیا ان مسلم حکمرانوں نے تاج محل، لال قلعہ، موتی محل، دیوان عام، دیوان خاص اور نہ جانے کن کن ناموں سے عمارتوں کی تعمیر اس لئے کروائی تھی کہ ان کے وارثین وہ دور کی ٹھوکریں کھاتے پھریں گے اور انہیں سر چھپانے تک کی جگہ نہیں ملے گی۔ کیا دہلی کے لال قلعہ میں اورنگ زیب کے درپے سنگ مرمر کے استعمال سے بنائی گئی خوبصورت موتی مسجد کی تعمیر اس لئے ہوئی تھی کہ ایک زمانے کے بعد اس میں تالا لگا دیا جائے گا اور مسلمانوں کو اس میں نماز ادا کرنے تک کی بھی اجازت نہیں ہوگی؟ محکمہ آثار قدیمہ کی زیر نگرانی ملک کی تقریباً تمام مسجدوں کا بھی حال ہے، جب کہ حکومت کو بھی یہ معلوم ہے کہ متعدد مسجد، گردوارہ یا گرجا گھر کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتی۔ بلکہ ان کی تعمیر کا مقصد اپنے اپنے عقیدے کے مطابق ان میں عبادت کرنا ہے۔

ہم اگر صرف دہلی کی بات کریں تو یہاں یہ وقف

Digest.pk

کے اور وقف کی تمام املاک کو ناجائز قبضے سے چھڑوا سکے۔

دہلی میں واقع اولیاء کرام کی درگاہوں پر ناجائز قبضے ہو چکے ہیں۔ دہلی میں ایسے سینکڑوں اولیائے کرام کی درگاہیں ہیں جنہوں نے اپنی زندگی میں لوگوں کے امداد بھائی چارہ اور ہم آہنگی کے جذبات پیدا کرنے کی کوشش کی اور انہیں انسانیت کا درس دیا، دھرم، مذہب، ذات، ملت رنگ و نسل کی کوئی تفریق انہوں نے روا نہیں رکھی۔ ان درگاہوں کے ارد گرد بہت سی ایسی زمینیں تھیں جو خالص ان درگاہوں سے وابستہ افراد کی ملکیت تھیں۔ لیکن بعد میں ان تمام زمینوں پر ناجائز قبضہ کر لیا گیا۔ درگاہوں کی زمینوں پر زیادہ تر قبضہ ان ہندو مہاجرین کے ذریعے کیا گیا جو 1947 میں ہندوستان کی تقسیم کے بعد پاکستان سے ہجرت کر کے دہلی پہنچے تھے۔ اس کے علاوہ ہندو مہاجرین سبھارو دھوا ہندو پریشد جیسی اگنیا پسند ہندو تنظیموں نے بھی وقف کی زیادہ تر جائیدادوں پر اپنا ناجائز قبضہ بھار کھا ہے۔ مسلمان تو بے بس ہے کیوں کہ اس کے امداد نہ تو ملک کی ان اگنیا پسند تنظیموں سے لانے کی طاقت ہے اور نہ ہی یہاں کی حکومت نے سچے دل سے کبھی اس کا ساتھ دیا ہے۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے بہلا کون ہندوستانی واقف نہیں ہے، قطب جینار کی شکل میں آج بھی ان کی یادگار دہلی کے مہرولی علاقہ میں واقع ہے۔ اسی علاقہ میں ان کی درگاہ بھی موجود ہے۔ لیکن 1947 میں ملک کے بٹوارے کے بعد اس درگاہ کا نگران کوئی نہیں رہا۔ اس درگاہ پر پاکستان سے آئے ہوئے ہندو مہاجرین نے قبضہ کر لیا، جس سے درگاہ کی بے حرمتی ہوئی اور درگاہ کے مختلف

دوسرا نمبر اتر پردیش کا ہے، جہاں پر کل 122,839 وقف جائیدادیں ہیں۔ اس کے بعد کیرالہ، کرناٹک اور آندھرا پردیش کا نمبر آتا ہے۔ پورے ہندوستان میں وقف کی تحویل میں کل اداہی 6 لاکھ ایکڑ ہے جن کی کتابی قیمت 6,000 کروڑ روپے ہے (یہ تخمینہ نصف صدی پہلے کا ہے) لیکن ان کی بازاری قیمت کئی گنا زیادہ ہو سکتی ہے۔ (موجودہ بازاری قیمت کے حساب سے ان کی قیمت 1.2 لاکھ کروڑ روپے 12,000 ملین سالانہ ہے) مثال کے طور پر صرف دہلی میں وقف کی جتنی جائیدادیں ہیں ان کی موجودہ بازاری قیمت 6,000 کروڑ سے زیادہ ہے۔ لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ پورے ہندوستان میں پچھلی وقف کی کل جائیدادوں سے سالانہ آمدنی صرف 163 کروڑ روپے ہی ہو رہی ہے۔ آخر کیوں؟ یعنی وصولی کی صرف 2.7 فیصد ہی ہو پا رہی ہے۔ اب وقف جائیدادوں سے سالانہ جتنی آمدنی ہوتی ہے اس میں سے وقف بورڈ کو اپنے انتظام و انصرام کو چلانے کے لئے سات فیصد رقم دے دی جاتی ہے۔

لیکن چند کو چھوڑ کر وقف بورڈ کے زیادہ تر مقاصد کو اب تک بروئے کار نہیں لایا جاسکا ہے۔ اس کے لئے حکومت اور وقف بورڈ کے ملازمین تو امداد ہیں ہی حکومت نے بھی اپنی طرف سے مسلمانوں کو پریشان کرنے کے تمام حربے استعمال کئے ہیں۔ اب مسلمانوں کے ایک طبقے کی طرف سے یہ مانگ بڑھتی جا رہی ہے کہ یو نی ایس سی کی طرف پر ہی اٹھیں وقف سرورسز کمیشن کی تشکیل کی جائے، تاکہ اس کے ذریعے مسلمانوں کے درمیان سے ایسے تعلیم یافتہ افراد کو منتخب کیا جاسکے۔ جو ایک آئی اے ایس آفیسر کی طرح ہی وقف جائیدادوں کے انتظام و انصرام کو بروئے کار لے سکیں۔

دور حکومت میں اپنے سر پر رکھ کر یہاں لائے تھے۔ لیکن اس درگاہ پر 1947 کی تقسیم کے بعد پاکستان سے آنے والے ہندو مہاجرین نے قبضہ کر لیا اور اس درگاہ کے وسیع و عریض احاطہ میں اپنے متعدد مکانات تعمیر کرائے۔ اب اس کے اندر بنی عمارتوں کا کوئی پتہ نہیں اس کے اوپر بھی گھروں کی تعمیر کر لی گئی ہے۔ صرف قدم شریف کی خاص عمارت ابھی محفوظ ہے جسے 1951 میں عدالت نے درگاہ کے سپاہی فوجیوں جی سلیم الدین کو واپس دلوا دیا تھا، جو گردوداہ کی شکل میں استعمال ہو رہی تھی اور یہاں سے قدم شریف کا پتہ اکھاڑ کر پھینک دیا گیا تھا۔

کیلہ کھری میں واقع درگاہ سید محمود بہادر کی بھی کہانی ہے۔ اس درگاہ کا ایک بہت بڑا قبرستان ہے جس پر 16 نومبر 1978 کو دہلی گمرگم نے اسے قبرستان کی شکل میں استعمال کرنے پر پابندی لگا دی تھی۔ اس کے بعد اس درگاہ کے منتظم شیخ الدین نے اس کے خلاف کچھ لوگوں کے ساتھ مل کر 1990 میں عدالت میں عرضی دائر کی اور اس کے بعد شیخ الدین کے صلح کرتے ہوئے ان لوگوں کے نام 1000 گز زمین کز دی اس کے بعد 1992 میں وال چھ نام کے ایک شخص نے عرضی دائر کر کے 250 گز زمین پر دعویٰ کیا۔ دہلی ہدیش کانگریس کمیٹی کے اقلیتی امور کے مندر کے چیئرمین عبدالسیح سلمانی نے ہائی کورٹ میں عرضی دائر کر کے نوٹس جاری کروایا کہ قبرستان کی زمین پر ناجائز تعمیر کے ذریعے کثیر منزلہ عمارت کھڑی کی جارہی ہے۔ لہذا اس غیر قانونی تعمیر پر روک لگائی جائے اور یہ زمین مسلم سماج کو سونپی جائے۔ لیکن اس پر اب تک کوئی تسلی بخش فیصلہ نہیں ہو سکا ہے۔

شیخ علاؤ الدین چشتی 1467-1547ء کی درگاہ

کا دعویٰ مولانا آزاد اور پنڈت جواہر لال نہرو کی مداخلت سے اس درگاہ کو ان مہاجرین کے ناجائز قبضے سے خالی کرایا گیا۔

اسی طرح پرانا قلعہ کے نزدیک کا کا مگر کے این ڈی ایم ایم سی پرائمری سکول کے قریب 1245 میں تعمیر کردہ ہائی فائبر سام صائب (مختفی) کی درگاہ ہے۔ اس درگاہ کے چاروں طرف 5000 گز سے زیادہ زمین خالی پڑی ہے۔ جس پر اب سرکاری سکول کی طرف سے قبضہ کرنے کی کوشش جاری ہے۔ یہاں پر موجود این ڈی ایم سی سکول نے تو اب درگاہ کی زمین کے کچھ حصے کو تار سے گھیر کر اس میں بچوں کا جھولا بھی لٹکا دیا ہے اس کے علاوہ درگاہ کے شمال میں 100 گز زمین پر پھولوں کی ایک نرسری بھی چل رہی ہے۔

پرگتی میدان کے پاس پرانا قلعہ روڈ پر شیخ ابو بکر طوسی حیدری قلعہ عرف مٹا بھر کی درگاہ ایک لوہے کی ٹیلے پر واقع ہے یہاں کے سپاہی فوجیوں نے ہمیں بتایا کہ اس درگاہ کی کل 20 جگہ زمین تھی جو قبرستان کے نام پر تھی۔ 1971 میں ڈی ڈی اے نے اس پر قبضہ کر لیا اور نہایت خوبصورت انداز میں عمارتیں پودے لگا دیئے۔ اب یہ جگہ ایک پارک کی شکل میں موجود ہے۔ جس کو دیکھنے سے بالکل شک نہیں ہوتا کہ یہ پارک درگاہ کی زمین پر ناجائز قبضہ کر کے بنایا گیا ہے۔

دہلی کے پہاڑیچ میں 1376 میں تعمیر کردہ درگاہ قدم شریف اور درگاہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت (سہروردی) موجود ہے۔ اس کے بارے میں کتابوں میں ذکر ملتا ہے کہ اس درگاہ میں ایک پتھر نصب ہے جس پر شیخ اسلام حضرت محمد ﷺ کے قدم مبارک کے نشان ہیں اس قدم مبارک کے پتھر کو شیخ مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے لٹکا دیا تھا۔

نے اس میں دفتر اور گیراج کھول رکھے ہیں۔
 قرول پارک کے مشہور ہنومان مندر کے پیچھے بھولی
 بھاری، لنگ روڈ پر حضرت چشتی کی درگاہ ہے جسے
 1694 میں بنایا گیا تھا اس درگاہ کی گمرانی ایک کشتی
 کرتی ہے۔ جس کے متولی رئیس الدین ہیں۔ ان
 کے مطابق اس درگاہ کی زمین ساڑھے چار ایکڑ ہے
 جس پر ڈی ڈی اے قبضہ کر رکھا ہے۔ اس سے
 مقدمہ جیتنے کے بعد بھی ڈی ڈی اے زمین کو خالی
 نہیں کر رہا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ایک لاکھ روپے
 کے درخت ہم نے لگائے ہیں اتنا پیسہ دیں جب
 زمین پر قبضہ دیں گے لیکن اسنے پیسے سوسائٹی کے
 پاس نہیں ہیں جو دے سکے۔

مندرجہ جگہ کے مقبرہ کے قریب مشرق کی طرف
 جو پارک روڈ ہے اور اس کے مشرق میں کر بلا روڈ
 ہے۔ کر بلا جہاں فتم ہوتا ہے وہیں پر درگاہ شاہ
 مرداں ہے۔ اٹھارویں صدی عیسوی میں درگاہ شاہ
 مرداں کی ایک خاص اہمیت تھی وجہ یہ کہ اس جگہ پر
 مسلمانوں کے چوتھے خلیفہ حضرت علیؓ کے قدم
 مبارک کا نقش ایک سنگ مرمر کے حوض میں رکھا گیا
 ہے۔ دوسری طرف اسی جگہ پر فقیر اسلام حضرت محمد
 علیؑ کی محبوبہ صاحبزادی بی بی فاطمہ کا پتلا، جو
 پتھر کا ہے ایک برج میں رکھ کر محفوظ کیا گیا ہے۔ جو
 بی بی فاطمہؑ کی بجلی کے نام سے مشہور ہے۔ مظاہر دور
 کے آخر میں اس جگہ کی ایک خاص اہمیت تھی یہاں پر
 بادشاہوں اور امیروں نے درگاہ شاہ مرداں کی
 عقیدت میں متعدد تعمیراتی کام کروائے۔ اس کے
 قریب بھی تعمیراتی کام نہ تو محفوظ ہیں اور نہ ہی باقی
 بچے ہیں۔ 1947 کی تقسیم کے بعد یہاں آئے
 ہوئے مہاجرین نے اس پر قبضہ کر کے اس کی

جہاں بھی قبضہ کر لیا۔

220 کے قریب واقع ہے۔ پہلے درگاہ کا ایک بہت
 بڑا احاطہ ہوا کرتا تھا لیکن اب شیخ ملاؤ الدین کے
 مقبرے اور اس سے ملے کسی نامعلوم صوفی بزرگ
 کے مقبرے کے علاوہ کچھ بھی باقی نہیں بچا ہے۔
 وسیع و عریض چار دیواری والے احاطہ میں وسیع دیگر
 عمارتیں اور بے شمار پختہ قبریں سب کی سب برباد کر
 دی گئیں۔ اس پر مکان بنائے گئے ہیں۔ شیخ ملاؤ
 الدین کی درگاہ کے اندر دکان چل رہی ہے اور اس
 سے ملحق ان کے خاندان کے مشہور بزرگ شیخ فخر کے
 مقبرہ کے گنبد کے نیچے ایک قبر موجود تھی لیکن اب
 اس میں بڑھتی کا کام چل رہا ہے۔ یہاں عقیدت
 مند آتے ہیں۔ لیکن انہیں درگاہ کے اندر داخل نہیں
 ہونے دیا جاتا انہیں ڈانٹ اور ڈرا کر ہٹا دیا جاتا
 ہے۔ حالت نہایت خستہ ہے اس میں بڑھتی کا کام
 ہو رہا ہے۔ لکڑی اور اس کا لمبہ پڑا ہے۔

کنات مجلس سے ایک کلومیٹر آگے فتح کوئٹا روڈ
 پر بلاسٹ سکول کے پاس سید حسن رسول نما کی درگاہ
 واقع ہے۔ جس کی تعمیر 1691 میں اورنگ زیب
 کے دور میں ہوئی تھی۔ اندر سے یہ درگاہ نہایت
 صاف ستھری ہے۔ لیکن اس کا باہری حصہ جو چاروں
 طرف سے برآمدے سے گھرا ہوا ہے۔ اس میں 20
 سے بھی زیادہ مسلم خاندانوں کے لوگ رہ رہے
 ہیں۔ اس درگاہ کے احاطہ کو ایک قبرستان کی شکل میں
 قائم کیا گیا تھا جہاں متعدد صوفی بزرگوں کی قبریں
 موجود ہیں ان کی قبریں اور درگاہیں آج بھی خستہ
 حالت میں موجود ہیں وہاں موجود چھوٹی چھوٹی
 درگاہوں کو لوگ رہائش کے طور پر استعمال کر رہے
 ہیں۔ بے شمار پختہ قبریں بکھری پڑی ہیں۔ اس کے
 بہت بڑے رقبہ ڈی ڈی اے کا قبضہ ہے جسے
 پارک بنا دیا گیا ہے اسی پارک میں ناٹھوڈل کے ایک
 اسکول کو کھلا ہے۔

”کیسے ممکن ہے۔۔۔!“

کیپٹن (ر) لیاقت علی ملک

عورت کی محبت میں بہت دم ہے مینہ ندی دے نہ دے زندگی لینے کی اہمیت ضرور دیتی ہے۔ کیونکہ اس کی محبت سے زندگی کسی خیمہ والے کوئی لٹکتی ہے۔ یہ حکمرانوں سے تخت و تاج چھین کر ان کو بچا چڑھا ہے اپنی ہی سلطنت میں بھیک مانگنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ لہذا ایک ملک کے لئے پورے فکروں کو کر دیتی ہے۔



سب ممالک کے گورنر کے شکریہ ادا کرتی ہوں



malik.pap33@gmail.com

http://www.facebook.com

/liqatmalik77red=100

سے

رکھتا ہے۔ دو کتابوں کی تصنیف کے علاوہ ان کے مضامین مختلف اخبارات، رسائل اور جرائد کی ذمیت بنتے

رہتے ہیں اور روزمرہ کے معاشرتی مسائل، معاشی تاہماریوں، نت بدلتی ہوئی اخلاقی اقدار اور ترقی ریزیوں پر

طرز کے نشر چلانا ان کے اہماد تحریر کی انفرادیت اور خاصا ہے۔

(مدیر)

کیپٹن (ر) لیاقت علی ملک نے گورنمنٹ کالج لاہور سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد نومبر 1995ء میں افواج پاکستان میں کمیشن حاصل کیا۔ پاکستان آرمی کے دس سالہ دور میں مختلف عہدوں پر فائز رہنے کے علاوہ اپنی پیشہ ورانہ تربیت میں بھی نمایاں مقام حاصل کیا۔ نومبر 2005ء میں پولیس سروس کا حصہ بنے اور پریزنٹیشن پولیس میڈل (PPM) اور وزیر اعلیٰ پنجاب سے ”بہترین پولیس آفیسر“ کا ایوارڈ ان کے کارہائے نمایاں ہیں۔ اپنی فکری اور پولیس سروس کے دوران بھی انہوں نے علم و ادب سے اپنا تعلق اور واسطہ بالکل اسی طرح استوار رکھا جس طرح سپاہی اپنی بندوبست سے رکھتا ہے۔ دو کتابوں کی تصنیف کے علاوہ ان کے مضامین مختلف اخبارات، رسائل اور جرائد کی ذمیت بنتے رہتے ہیں اور روزمرہ کے معاشرتی مسائل، معاشی تاہماریوں، نت بدلتی ہوئی اخلاقی اقدار اور ترقی ریزیوں پر طرز کے نشر چلانا ان کے اہماد تحریر کی انفرادیت اور خاصا ہے۔

لیڑھی پالی کی خوبصورت تخلیق اندر سے کتنی عجیبہ اور لیڑھی ہوگی، یہ شاید آدم ازل سے آدم آخیر تک معلوم نہ ہو سکے۔ اس صفت نے بھلا اپنی ذات

سے حکمرانی کی، وہاں تن سے من مانی بھی کی۔ تخت و تاج چھوڑ کر بند باس لینے پر مجبور کیا اور چہرے کی ہر ایک صفت سے غور الٹا، کو قلام و قلمدانوں

Digest.pk

کٹھنی میٹھی باتیں..

☆ عیشین بار بار خراب ہو جائے تو اس کا مال بدل دیں
 ☆ آپ کی صحت کا راز سگریٹ نوشی ہے جو آپ نہیں کرتے
 ☆ نوادرات ایک نسل خریدتی ہے دوسری فروخت کرتی ہے تیسری پھر خرید لیتی ہے
 ☆ اگر تصویر دیوار پر لگی ہو تو مصوری کا نمونہ اور اگر اس کے گرد گھوما جائے تو مجسمہ
 ☆ تمام لوگ یہ قوف نہیں ہوتے کچھ غیر شادی شدہ بھی ہوتے ہیں
 ☆ سالوں، بیویوں اور بیوقوفوں سے بحث نہیں کرنی چاہیے
 ☆ احترام مانگا یا جھینا نہیں جانا احترام کر دیا جاتا ہے اور عزت حاصل کی جاتی ہے۔
 (اختیار شیخ / لاہور)

کے انجانے ان دیکھے راستے کی طرف چل نکلتی ہے۔ یہ سستے کی مانند ہوتی ہیں۔ جس کے دو چہرے، حیثیت کی طرح کم قیمت اور کسی کی بھی جیب میں تھوڑا سا وقت گزارنے کے بعد پھر نئی جگہ اور جیب کی تلاش میں کسی نئی سمت چل نکلتی ہیں۔

نیش کی مصیبت، بھین کی آلت، بیوی کی محبت اور ماں کی شفقت اپنی جگہ، مگر وہ کوئی چیز ہے جو راتوں کو اس کو بے قرار رکھتی ہے۔ وہ کونسا آسیب ہے جو اس کو آرام سے رہنے نہیں دیتا وہ کوئی جھین ہے جو اس کو بے قرار رکھتی ہے۔ وہ کونسا ڈکھ ہے جو اس کو مضطرب رکھتا ہے اور وہ کونسا درد ہے جو اس کو راتوں کو جگاتا ہے۔ وہ کونسا ڈکھ ہے جو راتوں کو اسے آہیں بھرنے پر مجبور کرتا ہے۔ وہ کوئی بھانس ہے جس سے اس کے سر کی رو الجھ جاتی ہے، وہ کون سی لگن

رات کو پردے خامدانہ کو نیند کی گولیاں پلا کر سلاتے والی، جب اپنے دردستوں کو ایک ہی وقت دے بیٹھتی ہے تو گلی میں کون ڈھکی ہوا اور کھڑکی کا پردہ کیوں نیچے گرا، یہ کس کو معلوم اب اس صاحب خانہ صبح چائے کی پیالی پی کر کہہ رہے ہوتے ہیں کہ رات نیند بہت اچھی آئی تھی۔ مگر دیوار پھلانگ کر آنے والے، فصلوں میں ملاقات کرنے والے، کمرے بند کر کے دروازے کے راستہ آنے والے، ٹیڈر سے کتاب عشق پڑھنے والے، بکالچ سے پرانی گاڑی کی زینت بننے والے اور اپنی گاڑی میں دوست کے گھبراتے گزرنے والے، سب اس ہوش کا جام پاک محبت کا نام لے کر صبح شام پی رہے ہیں۔ اس میں نہ عمر کی قید ہے اور نہ شادی کی۔ سالہا سال تک آپ کی محبت کے گن گانے والی، آپ کے بغیر زندگی نہ رہنے کی قسمیں کھانے والی، رات رات بھر آپ سے ہانپنے کرنے والی، پہلی رات اپنے خاوند کو پار سائی اور پہلی محبت کی قسمیں کھا کر یقین دلادہی ہوتی ہے۔ اور اگر اچانک کسی ہوٹل پر میٹورٹ یا بازار میں سرور ملاقات ہو جائے، تو کبھی مکمل نا شناسائی یا کچھ کچھ مانوسیت کا اظہار اور دو بچوں کو یہ کہہ کر تعارف کر دیتی ہیں کہ یہ آپ کے ماموں ہیں اور عورت کی خوبی یہ ہے کہ کام پہلے کرتی ہے اور سوچتی بعد میں ہے۔ یہ بیک وقت طوائف اور پارسیا ہوتی ہیں۔ اس لئے امیر زادی، کسی ڈرائیور یا خانہ ماں کے عشق میں جھلا ہو جاتی ہے، چار بچوں کی ماں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ایک نئی زندگی کا آغاز کرنے، کسی فقیر کی دلہیز پر جا بیٹھتی ہے۔ رات بھر کسی سے بات کرنے والی اور پوری زندگی نماز اور قہر ادا کرنے والی، چھانے کب کس ہمسائے کے ڈرائیور کے ساتھ بات کی تارنگی میں والہانہ کلمہ عزت کو چار چاند لگا کر محبت کے نام پر دھماکا

ہے جو اس کی حیا کو قسم کر دیتی ہے اور وہ کوئی چیز ہے جو اس کو اتنی شدت سے اپنی اور بچتی ہے کہ ماں کی عزت، باپ کی بگڑی، بھائی کا نام کچھ بھی اس کے قدموں کو رات کی سیاہی میں دلیلیں پار کرنے سے روک نہیں پاتا اس بات کو ماں ڈکھ کر اس احساس کو اور پھانس کو آج تک کوئی نہیں سمجھ سکا۔ اور زندگی قسم ہو جائے گی مگر انسانیت کی عزت و آبرو کا یہ مسئلہ حل طلب ہی رہے گا۔ دل ٹوٹے یا جاں دوٹھے، جانے والی حیا اور اچھے والے قدم واپس نہیں لوٹتے!

فطری طور پر فیڑی ہونے کی وجہ سے کوئی بھی اس پر اپنی مرضی مسلط نہیں کر سکتا۔ کیونکہ پہلے سے لیڑی ہونے کی وجہ سے مزید بچکے گی نہیں بلکہ ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے اگر کوئی مرد یہ سمجھے کہ وہ اپنی طاقت، قوت اور زور بازو یا فہم و فراست، میرے اور جمہرات اور مال و زر کے زور پر اس کو تابعداری، جی حضوری اور محبت میں مجبور کر دے گا تو یہ صرف خام خیالی اور دیوانگی ہی ہو سکتی ہے۔ یہ صرف اس صنف کی مہربانی ہے کہ وہ آپ کی عزت اور شہرت کو سنبھال کر اور گھر کی دلیلیں تک محدود رکھے۔ ورنہ اس کی مصیبت، دل آویزی اور فطری لیڑی کی بدولت اس کے لسانے پورے جہاں میں زبان زد عام ہوتے ہیں اس کے اپنے مرد کے علاوہ! یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی ایک شخص سے پوری پوری رات بات کرنے والی اور رو کر محبت کا یقین دلانے والی، ختیں ماننے والی، حواریوں پر جا کر لوٹل پڑھنے والی، درود کر ملاقاتوں کی بھیک مانگنے والی اور اپنا گھر بار چھوڑ کر محبت کے نام پر زندگی گزارنے والی، اچانک ایک صبح یہ کہہ دے کہ مجھے تم سے نفرت ہے، اب مجھے کوئی اور پسند ہے اب میں اس سے محبت کرتی ہوں۔ اور پھر اس کی محبت میں اٹھ کر چند سال گزارنے والا ہے۔

جا کر کس مصیبت بھری اذیتاں سے کتنی ہے کہ مجھے تم سے محبت ہے، صرف تم سے محبت ہے۔۔۔۔۔ اتیرے علاوہ میری زندگی میں بھلا کوئی کیسے آ سکتا تھا۔ میری آنکھیں تو ایک عرصہ سے صرف تیری مٹلائی تھیں۔ میری روح صرف تیرے لپ کی شکر تھی، میرے جسم کو صرف تیری پیاس تھی۔ میری سانسوں میں صرف تیری ہاس تھی۔ میرے ہونٹ صرف تیرے لئے ہنسنے کے شکر تھے، میرے لب صرف تیرے لئے وا ہونے تھے۔ میری زبان صرف تیرا نام چنے کے لئے بنی تھی۔ میرے گیسو صرف تیرے کندھوں پر بکھرنے کے لئے دھاڑ رہے تھے۔ میری ٹانگیں صرف تیرے لئے جھپکتی تھیں۔ میرے دل کی دھڑکن تیری لذت تھی۔ میری کرکامل تیرا کیہ اور جسم تیرے لمس کا عیسا تھا۔ میں نے دن کے اُجالے میں، رات کی تاریکی میں، بستر کی سلوٹوں اور اپنی کروٹوں اور ہر ہر سوچ میں تمہیں سوچا اور کھو جاتا تھا۔ اور پھر اس کا ہاتھ قحام کرپ لپ آنسوؤں کی برسات میں کہے، کہ تم میرے ہو۔۔۔۔۔ اہد ہوں سے میرے ہو۔۔۔۔۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ یہ کیسے ممکن ہے؟ ایسی شاطر، دروغ گو اور عیار مصیبت کیسے ممکن ہے۔ مگر مرد ہمیشہ سے جاہل اور جلد باز اس ناقص العقل مخلوق کو ایک بار پھر غم تر سمجھتے ہوئے قاتحانہ انداز میں ایک نیا قلعہ فتح کر لے کے دھم میں ایک قاتحانہ زہر لب سکراہٹ بکھیر کر اس کو گلے لگاتا ہے اور وہ اس کے کندھے پر چھوڑی لگا کر یہ سوچ رہی ہوتی ہے کہ اب کے شادی ہوگی۔۔۔۔۔ اس سے ملاقات کیسے ہوگی۔

دعا اور دھوکہ عورت کی فطرت اور خوش فہمی اور اظہار مرد کی ضرورت ہے۔ مگر مرد کا ایک دوسرے کیسے لگا رہا ہوگا؟

Digestpk

پروفیسر شام رسول

حضرت سلطان بابا گرو



اور پھر جسے وقت تقم کیا ہو۔ ہر شے ساکت ہوگی ہو اور بچے نے لہوں میں خود
کو آنحضرت کی بارگاہ میں پایا۔ جہاں صدیق اکبرؑ فاروق اعظمؑ اور عثمان غنیؓ بھی
موجود تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے بچے سے پہلے خود بیت لی پھر اُسے حضرت علیؓ
کے سپرد کر دیا اور پھر اُس معصوم کی دنیا ہی بدل گئی۔

سلطان العارفين کی زندگی کے ایمان افروز حالات زندگی!

کے ریگستان کے مسئلے پر اختلافات پیدا ہو گئے اور یہ
اختلافات اتنی شدت سے ابھر کر سامنے آئے کہ
علاقے کی فضا پر جنگ کے ہادل منڈلاتے صاف
نظر آ رہے تھے۔ ہزاروں دلوں کو ستور کے مابین صلح

گیارہویں صدی ہجری کا زمانہ تھا۔ سلطنت
ہندوستان کی مسند پر مظہر فرماں روا شاہجہاں جلوہ
افروز تھا۔ ملتان، سلطنت دلی کا ہی ایک حصہ تھا۔
ملتان کے ناظم اور صوبہ کے راجہ کے درمیان برکات

Digest.pk

جوتی کے لیے قاصدوں اور الجھیوں کی آمد و رفت جاری تھی مگر وقت کا ہر لمحہ ایک خونریز جنگ کی سمت پیش رفت ظاہر کر رہا تھا۔

مروٹ کا راجہ وڈاڈاپے دربار میں بیٹھا، ساتھیوں کے صلاح مشورے میں مشغول تھا کہ ایک شخص اچانک حیرتیز قدم اٹھاتا دربار میں داخل ہوا اور راجہ کی سمت بڑھنے لگا۔ فحشتر اس کے کہ درباری اور خود راجہ، لوہار کے عزائم سے ناخبر ہوتے۔ اس نے یکا یک تلووار بلند کی اور دوسرے ہی لمحے راجہ کا سر تن سے جدا ہو کر زمین پر آن پڑا۔ لوہار شخص نے مہرتی سے ایک ہاتھ میں راجہ کا سر تھا اور دوسرے ہاتھ سے تلووار کے جوہر دکھاتا راستے میں آنے والی مزاحمتوں کو دور کرتا مہرتی سے دربار سے باہر نکل آیا، جہاں اس کا گھوڑا اپنے سوار کا منتظر تھا۔ اگلے ہی لمحے وہ گھوڑے کی پشت پر سوار تھا اور گھوڑا برق رفتاری سے سرپٹ نکل کی مخالف سمت دوڑنے لگا۔

ملتان کی فوج جو کہ مروٹ کی جانب پیش قدمی کر رہی تھی، اس نے جب ایک حیرت انگیز سوار کو ہاتھ میں انسانی سر تھا اسی طرف حیرت سے بڑھتے دیکھا تو ٹھٹھک کر وہیں ڈک گئی۔ سوار نے نزدیک پہنچ کر راجہ کا کٹا سر ملتان کے ناظم کے قدموں میں ڈال دیا جو لشکر کے ہمراہ ہی تھا۔ ناظم سمیت پورے لشکر پر راجہ کا کٹا سر دیکھ کر حیرت طاری ہو گئی اور وہ آنکھیں بندھاں ہو کر کبھی وڈاڈاپہ کا سر دیکھتے اور کبھی اپنے سامنے کھڑے اس نوجوان سوار کو دیکھتے، معاملاتی لشکر سکتے کی اس عارضی کیفیت سے اٹلا اور فتح کے پُر زور نعروں سے اپنی مسرت کا اظہار کرنے لگے۔

وہ نوجوان جس نے راجہ وڈاڈاپہ کا سر کاٹ کر غیر معمولی شہرت حاصل کی لشکر کے لیے انجی نہ تھا۔ وہ ایک کہنہ مشق آزمودہ سردار، جرات مند سردار، اذیت

محمد تھا۔ جو دلی سرکار کی فوج سے مفروز ہو کر روپوش تھا۔ جس نے سلطنت دلی کی منصب داری ٹھکرا کر خدا سے لونگائی تھی لیکن اپنے اس غیر معمولی کارنامہ سے ایک بار پھر منظر عام پر آ گیا تھا۔ شاہی دربار سے جہاں اس کے لیے حسین آفرین کا پیغام آیا۔ وہیں اس کے لیے حکم بھی تھا کہ وہ اپنی صلاحیتوں سے شاہی لشکر کو فیض یاب کرے مگر وہ نوجوان بازیہ محمد مشق حقیقی میں اتنا ڈوب چکا تھا کہ اس نے شاہی دربار میں یہ عریضہ بھیجا کہ "میں نے اپنی آئندہ زندگی صرف اور صرف خدا کی راہ میں وقف کر دی ہے چنانچہ میں اب ہر ذمہ داری اور ہر خدمت سے سبک دوش ہونا چاہتا ہوں۔"

چاروناچار اس کی یہ درخواست منظور کر لی مگر بعد کے حاکم شاہجہاں کے اصرار پر اپنی معاشی کفالت کے لیے اسے شہر کوٹ کے نزدیک ایک جاگیر قبول کرنا ہی پڑی۔ جو بازیہ نے وہاں کی ایک خانقاہ اور مدرسے کے اخراجات کے لیے وقف کر دی۔

گھر والوں کو جب بازیہ کی طویل گمنامی کے بعد اند پتہ معلوم ہوا تو وہ اسے واپس لانے کے خواہش مند ہوئے مگر بازیہ محمد کی زوجہ بی بی راسی نے جو ایک پرہیزگار اور دیوبادی آلائشوں سے پاک خاتون تھیں ان پر واضح کیا کہ "اب وہ کبھی نہ آئیں گے۔"

ہم خدا کی رضا سے اس فانی دنیا کو ترک کر چکے ہیں۔ میرے پاس اللہ کی ایک مقدس امانت پرورش پارہی ہے۔ جو ملہرزادہ دلی ہوگا اور جس کا ظہور چناب کے علاقہ میں ہوگا۔ سو تم انہیں واپس لانے کا خیال ترک کر دو بلکہ مجھے بھی ان کے پاس پہنچاؤ۔"

چنانچہ جلد ہی بی بی راسی اپنے شوہر بازیہ محمد کے پاس شہر کوٹ پہنچ گئیں اور شہر کوٹ کی اللہ ہوا اللہ ہو کے رہنے لگی۔ ان دنوں میں بیوی دن

میں محوم رہا تھا کہ اچانک اُس پر بے خودی سی چھا گئی۔ ایک بے نام سی پُرسکون کیفیت میں اُس نے ایک لورائی چہرہ دیکھا۔ جس نے اپنا عیت سے اُسے پکڑ کر قریب بٹھایا اور پھر بڑے دلنشین انداز میں اُسے آگاہ کیا کہ میں علی ابن طالب ہوں۔ چچہ کم عمر تو تھا لیکن کم علم نہیں۔ اُس نے جو علی کو یوں سامنے دیکھا تو قریب تھا کہ وہ دُور مسرت سے خود کو اُن پر تار کر دیتا۔ حضرت علیؑ نے اُس پر توجہ مرکوز کر کے اُس میں حوصلہ پیدا کیا اور فرمایا "فرزند! آج تم رسول ﷺ کے دربار میں طلب کیے گئے ہو۔"

اور پھر جیسے وقت ختم گیا ہو۔ ہر شے ساکت ہو گئی ہو اور بچے نے لہجوں میں خود کو آنکھوں کی بارگاہ میں پایا۔ جہاں صدیق اکبرؑ فاروق اعظمؑ اور عثمان غنیؑ بھی موجود تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے بچے سے پہلے خود بیت لی پھر اُسے حضرت علیؑ کے سپرد کر دیا اور پھر اُس محصوم کی دنیا ہی بدل گئی۔ جوانی کی منزل میں قدم رکھا تو سلطان العارضین شیخ سلطان باہو کے نام سے مشہور ہوئے۔

حضرت ﷺ سے شرف ملاقات کے سبب سلطان باہو اب ہر وقت ہر لمحہ حق کے مشاہدوں سے مشرف اور ذات و صفہ لاشریک کے جہاد و جلال میں مست رہتے۔ اولیاء کے مقبروں پر حاضری دیتے۔ زعماء مشائخ کے پاس جاتے، خدا کی وحدانیت کا پرچار کرتے دن رات دل میں اللہ کی محبت کی جوت جگائے اللہ ہو اللہ ہو کرتے رہتے۔

سلطان باہو نے کسی قسم کا کتابی علم تو حاصل نہیں کیا تھا لیکن اُن کے سینے میں روحانی علم کا ایک سمندر موجزن تھا۔ فقر تصوف معرفت پر آپ کے ملفوظات کا ذخیرہ ایک بیڑ تھیں۔ اُنہ سے شریعت، طہارت اور خصال کے بارے میں مشکل اور نازک موضوعات

رات اللہ ہو کا ورد کرتے۔ پھر ایک دن اُن کے اللہ ہو کے ورد میں ایک نوزائیدہ بچے کی محصوم کلکار یوں کی گونج بھی ہم آہنگ ہو گئی اور اللہ کی امانت ظاہری حالت میں بی بی راستی کی آغوش میں چپکے لگی۔

وہ محصوم بچہ جس کی آنکھوں میں ستاروں کی چمک تھی اور پیشانی چاند کی طرح روشن اُس کے فطری اور پیدا شدہ جوہر شیر خودی میں ہی چپکنے لگے۔ ماں عبادت یا عبادت میں مشغول ہوتی تو اس یقین کے ساتھ کہ بچہ اُس کی مصروفیات میں حارج نہیں ہوگا اور اُس محصوم سی جان کا یہ عالم تھا کہ رمضان کے دنوں میں دُورہ پینے سے اجتناب برتنے لگا۔ اُس کی شخصیت میں ایسی عجیب سی عطا طبعی کشش تھی کہ جس پر نظر ڈالا اُس میں ایک حیرت انگیز تغیر رونما ہو جاتا اور پھر خود بخود بنا کسی تبلیغ و ترغیب کے کلمہ شہادت پڑھ کر وہ حلقہ اسلام میں آ جاتا۔ ایک عجیب و غریب صورتحال تھی جس سے غیر مسلم بے حد خائف تھے۔ چنانچہ انہوں نے باہمی صلاح مشورے کے بعد بچے کے باپ بانیہ محمد سے درخواست کی کہ جب بھی آپ کا بچہ اکیلا یا آپ کے ہمراہ باہر نکلے۔ ہمراہ مہربانی متا دی کر ادیا کریں تاکہ ہمارے ہم لمحہ بہ محالہ اس سے خود کو اس بچے کی نظروں سے دُور رکھ سکیں۔ بانیہ محمد نے مسکرا کر خندہ پیشانی سے انہیں اُن کے مطالبے کا اثبات میں جواب دیا اور پھر خضوہ عجیب منظر دیکھتی کہ جب بھی اُس بچے کے باہر نکلنے کا اعلان ہوتا غیر مسلم خود کو اپنی پناہ گاہوں میں چھپا لیتے کہ کہیں حق کا یہ ناقابل تردید نور اُن کے باطل نظریے پر اثر انداز نہ ہو۔

وقت آہستہ آہستہ گزرتا رہا۔ بچہ شعور کی منزلیں طے کرتا، جذبہ دوستی میں فرق پروری چھوڑتا رہا۔ ایک دن وہ مسجد کی یاد میں ادباً شہادت کے اعلان

کٹھن ہیں۔"

"بے شک" سلطان ہاتھ نے عزم سے کہا
"میں نے یہ طویل مسافت بے سبب طے نہیں کی
آپ حکم دیجئے۔"

شاہ حبیبؒ کچھ دیر تک آپ کے چہرے پر
فطریں جمائے آپ کو دیکھتے رہے پھر بولے "اچھائی
الحال پانی بھر" یہ کہہ کر انہوں نے ایک خادم کو بلایا۔
جس نے ایک مشکیزہ لا کر آپ کے حوالے کر دیا۔
سلطان ہاتھ نے وہ مشکیزہ اٹھا اُسے پانی سے بھرا اور
لے جا کر حوض میں اٹھریلا۔ حوض ایک ہی مشکیزہ سے
لبالب پانی سے بھر گیا۔ شاہ حبیب سمیت حاضرین
نے حیرت سے اُسے دیکھا چنانچہ اگلے لمحے شاہ
حبیبؒ حضرت ہاتھ سے مخاطب ہوئے "آزمائش کے
لیے خود کو آمادہ پاتا ہے؟" آپ نے فوراً آمادگی
ظاہر کی۔ شاہ حبیبؒ نے پوچھا "تیرے پاس کوئی
دنیاوی مال و اسباب بھی ہے کیا؟"

آپ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

شاہ حبیبؒ بر جست بولے "درویش اور دنیاوی
مال کا آپس میں کیا تعلق؟ ایک میان میں دو گولہ
کیسے رکھی جاسکتی ہیں؟ ارے تو ایک دل میں دو محبتیں
جمع کرنا چاہتا ہے۔"

یہ سن کر سلطان ہاتھ تقریباً ہماگتے ہوئے خانقاہ
سے نکلے اور بغداد سے نکل کر ہندوستان کی طرف
گامزن ہوئے۔ گھر جا کر انہوں نے تمام مال و
ذرا کٹھا کیا اور باہر پھینک دیا۔ حتیٰ کہ ہنگوڑے میں
لیٹے اپنے شیر خوار بچے کی انگلی سے سونے کی انگوٹھی
بھی اتار کر باہر اچھال دی۔ اگلی صبح پھر وہ طویل
مسافت طے کر کے بغداد پہنچے اور سیدھے خانقاہ میں
گئے۔ درویش شاہ حبیبؒ نے انہیں دیکھے تو اتھار کر

ان کا حال کیا پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ تم نے دنیاوی

پر لا تعداد تصانیف اُن سے منسوب ہیں۔ اپنی ایک
کتاب میں فرماتے ہیں "لوگوں میں نے جو کچھ دیکھا،
ان ظاہری آنکھوں سے دیکھا جو سر میں ہوتی ہیں اور
اس ظاہری جسم سے دیکھا اور مشرف ہوا۔"

شیخ سلطانؒ نے علوم کے حصول کے لیے کوچہ
گردی اور صحرا گردی کا سلسلہ اختیار کیے رکھا۔ آپ
تجسس کی مسافت کے راستوں کو طے کرتے غلق
درویشوں اور فقیروں سے ملے، لیکن کوئی بھی آپ کی
کسوٹی پر پورا نہ اُترا۔ علم کے سر میں، آپ نے
ہندوستان سے عراق تک کا طویل سفر طے کرنے کے
لیے رنج سفر پاندھا اور بغداد جا پہنچے۔ شاہ حبیب
اللہ کی خانقاہ میں داخل ہوئے تو دیکھا خانقاہ
درویشوں و اترین اور خدام سے بھرپور ہے اور لوگ
جوق در جوق ایک جانب اُٹھ کر پر رگی پانی سے
بھری دیگ میں ہاتھ ڈالتے جاتے ہیں اور خرا دیں
پاتے جاتے ہیں۔ آپ نے خاموشی سے یہ سب منظر
دیکھا اور چپ چاپ ایک طرف بیٹھ گئے۔ دفعہ شاہ
حبیب اللہ کی نظر اُن پر پڑی تو انہوں نے سلطان
ہاتھ سے کہا "تیری ظاہری حالت سے تو دکھائی
دیتا ہے تو طویل مسافت طے کر کے یہاں تک پہنچا
ہے پھر اب خاموش اور علیحدہ کیوں بیٹھا ہے اُنھ.....
تو بھی دیگ میں ہاتھ ڈال کر اپنی مراد پا۔"

سلطان ہاتھ نے خاموشی سے اُن کی بات سنی
اور لب سے بولے "مجھے کشف و کرامت کے یہ
کھلونے متاثر نہیں کرتے اور نہ میری مراد ایسی ہے
جو اس طرح بر آئے۔ میں وہ مقام پانا چاہتا ہوں
جہاں ذات حق کے سوا کوئی نہ ہو، حق با ہو، ہاتھ۔"

شاہ حبیب اللہ نے چونک کر اُن پر نظر ڈالی اور
کہا "درویش اے بے شک تیرا آواز بلند تر ہے لیکن
کیا تو جانتا ہے کہ بلند ہونے کا کیا عمل ہے؟

Digest.pk



اچھی صحت کے لیے معدنی اجزاء نہایت ضروری ہوتے ہیں۔ اور بدن کو ان کی روزانہ ضرورت ہوتی ہے۔ دوسرے اہم معدنی اجزاء کی طرح فولاد (آئرن) ایک ناگزیر ضرورت کا حامل عنصر ہے۔ جس پر صالح خون بھرتا جاتا ہے۔ کالرومدار ہے۔ فولاد کا معدنی جز خون بنانا اور صاف کرتا ہے۔ اس کی روزانہ ضرورت کا اندازہ اس ماہر سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرد کو روزانہ 28 ملی گرام، عورت کو 30 ملی گرام، حاملہ عورت کو 38 ملی گرام اور بچے کو 26 سے 40 ملی گرام تک فولاد کی ضرورت ہوتی ہے۔

خون کے سرخ ذرات مخصوص پروٹین اور فولاد سے بنے ہیں۔ اور سائنسی تحقیق نے یہ ثابت کیا ہے کہ بدن کی پروٹین اور انسولین زندگی کے لئے فولاد ایک اہم ضرورت ہے۔ جس کا روزانہ خوراک میں شامل کیا جانا ضروری ہے۔

فولاد کا بدن سے اخراج بھی ہوتا رہتا ہے۔ اس کی کمی وجوہات ہیں۔ مثلاً 'ٹیکٹن' ادویات اور کیمیکلز کا زیادہ استعمال 'خون' کے زیادہ بہنے، اندرونی اعضاء کے متاثر ہونے، اسقاط حمل، حیض میں زیادہ خون آنے، بار بار حمل ٹھہرنے، زیادہ عرصہ تک بچے کو دودھ پلانے، گرمیوں میں بے تحاشا پسینہ بہنے سے فولاد کی کمی ہو جاتی ہے۔ فولاد کی کمی کے باعث تھوڑی سی محنت پر سانس پھول جانا، چہرے کا رنگ زرد ہونا، جنسی کمزوری، غالب آ جانا، چڑچڑے پن کا ظہور ہو جانا، لچریشن کا نمودار آنا، پیاریوں کے خلاف مزاحمت میں کمی ہو جانا، نثر حال اور بے سکون رہنا ایسی علامات پائی جاتی ہیں۔

فولاد پتھریوں کے خلاف مزاحمت کرتا اور توانائی کی نشوونما کرتا ہے۔ قبلہ فولاد کا روزانہ حصول ہی صحت کا ضامن ہے انسانی صحت اور زندگی کی ان ضرورتوں کے پیش نظر **ھو جیبا** لیبارٹریز نے نباتاتی اجزاء پر مشتمل شربت فولاد بنایا ہے جو بدن میں فولاد کی کمی کو پورا کرنے کے علاوہ ان تمام اعضاء کو صحت مند اور فعال بناتا ہے جو فولاد کے معدنی اجزاء کو ذخیرہ کرتے اور انہیں جڑو بدن بناتے ہیں۔

- ۴۰ جگر معدہ اور اعصابی نظام کو درست کرتا ہے۔
 ۴۱ چہرے کی چھائیاں اور زردی کو ختم کر کے چہرے پر شادابی لاتا ہے۔
 ۴۲ جسم میں توانائی اور جستی بڑھاتا ہے۔
 ۴۳ بھوک بڑھاتا اور باضمہ کا عمل تیز کرتا ہے۔
 ۴۴ جوڑوں کے دور درقع کرتا ہے اور دل کی دھڑکن اعتدال پر لاتا ہے۔
 ۴۵ وضع حمل کے دوران خواتین کو جسمانی کمزوریوں سے بچاتا ہے۔

114 میں امام شریف الشافعیؒ کو الکھیت لاهور، پاکستان

E-mail: info@maria.com.pl 51 8679-51 560-68

مال سے تو نجات حاصل کر لی مگر ابھی اپنی عورتوں سے آزادی حاصل نہیں کر پائے دلوں میں سے کس کا حق ادا کرنے کا ارادہ ہے؟ یہودیوں کا حق ادا کر دے یا خدا کا؟

یہ سنتا تھا کہ سلطان باہو بنا کچھ کہے، آرام کیے بغیر ایک بار پھر اپنے طویل سر کے لیے چار ہو گئے۔ منزلیں سر کرتے وہ گھر پہنچے تو ماں نے انہیں دیکھتے ہی پہلے اپنے پاس بٹھالیا۔ وہ ایک پرہیزگار نیک خاتون تھیں۔ انہیں طرح جانتی تھیں کہ بیٹا آج کس قیامت سے گھر داخل ہوا ہے۔ پھر بھی انہماں بننے ہوئے بولیں "کیوں سلطان..... اب کیسے آتا ہوا؟" آپ نے فری سے سر جھکا کر مقصد بیان کیا۔ آپ کی والدہ بی بی راسی نے انہیں قریب بٹھالیا اور آہستگی سے مخاطب ہوئیں۔ تمہاری یہودیوں کے جو حقوق تم پر ہیں۔ آج سے تم ان سے آزاد ہو اور تمہارے جو حقوق یہودیوں کے لئے ہیں وہ بدستور قائم رہیں گے۔ اگر تم حقیقی معرفت کے حصول میں کامیاب ہو گئے تو بہتر ہے لیکن محض یہودیوں کے حقوق پورے کرنے کی خاطر گمراہ آؤ تو اس کی ضرورت نہیں۔ لہذا لب طلاق کا خیال بھی دل میں نہ لانا؟

ماں کی یہ قابل قبول تجویز سن کر آپ بہت پُر سکون اور مطمئن انداز میں دوبارہ بغداد کی طرف روانہ ہوئے اور سیدھے خانقاہ پہنچے۔ جہاں اس مرحبہ شاہ حبیب نے آپ کا انتہائی پُر جاگ استقبال کیا اور کامل نظر سے اُن کی طرف توجہ کی۔ سلطان باہو آپ کی اس توجہ سے قلبی واردات سے دوچار ہوئے۔ کچھ دیر بعد شیخ حبیب نے دریافت کیا "سلطان ا مطمئن ہے؟ کچھ مشاہدہ کیا؟"

آپ نے ادب سے سر جھکا کر کہا "شیخ جو کچھ مجھ پر مشکف ہوا اس سے میں شکر و تحسین میں ہوں۔"

آشا ہو گیا تھا۔ میری تمنا اس سے زیادہ کی ہے۔ شیخ حبیب نے جواب تو نہ دیا البتہ بیٹھے بیٹھے اُن کی نظروں سے لو جھل ہو گئے۔ آپ بھی خوب سمجھتے تھے کہ یہ عمل مقصد امتحان ہی ہے چنانچہ آپ بھی جھٹ سے اُن کے تعاقب میں جا پہنچے اور ایک کھیت میں شیخ حبیب کو ضعیف کا شکار کی شکل میں محنت مشقت کرتے پایا۔ آپ نے نزدیک جا کر فرمایا "بابا! یہ ضعیفی اور یہ مشقت؟ آپ آرام کریں میں کام کرتا ہوں؟ سلطان باہو کو دیکھ کر شاہ حبیب اپنے اصل روپ میں آئے اور فس کر انہیں ساتھ لیا اور آگے بڑھے مگر چند قدم چلنے کے بعد پھر غائب ہو گئے۔ آپ نے بھی ان کا تعاقب نہ چھوڑا اور اب کی مرتبہ انہیں ایک آبادی میں ایک بوڑھے برہمن پڑت کی شکل میں لوگوں کو ماتھے پر تلک لگاتا پایا۔ شاہ باہو مسکرا کر نوجوان کے ہمیں میں اُن کے سامنے جا کھڑے ہوئے اور کہنے لگے۔

"بابا! میرا ماتھا تو خالی ہے کیا میرے یہ بھاگ نہیں کہ میرے ماتھے پر آپ تلک لگائیں۔"

دوسرے ہی لمحے شیخ حبیب اپنی اصل صورت میں سلطان باہو کے سامنے کھڑے مسکرا رہے تھے۔ انہوں نے سلطان باہو کا ہاتھ تھاما اور آگے بڑھ گئے لیکن تیسری مرتبہ پھر وہی حرکت کی اور لگا ہوں سے او جھل ہو گئے۔ سلطان باہو کہاں بوجھا چھوڑنے والوں میں سے تھے۔ آپ بھی خراماں خراماں اُن کے پیچھے لپکے اور ایک مسجد میں انہیں جالوٹھا جہاں شیخ حبیب صحرانام مسجد کے روپ میں بچوں کو قرآنی تعلیم دے رہے تھے۔ چنانچہ سلطان باہو بھی جھٹ پیچے کے روپ میں قاعدہ پکڑے اُن کے سامنے جا بیٹھے اور ایک حرف پر اٹل رکھتے ہوئے مصعب سے پوچھنے لگے "بابا! یہ کیا ہے؟" شاہ باہو شیخ حبیب کی

”سچ بولنا بھی جرم ہے“

ہم نے وہ تقریر کیا کی۔ مصیبت ہی مول لے لی۔ دنیا میں سچ بولنا بھی جرم ہے۔ ذرا سی تنقید ان لوگوں سے برداشت نہیں ہوتی۔ احتجاج ہو رہے ہیں۔ جلوس کھل رہے ہیں۔ پوسٹر لگ رہے ہیں۔ آج تو اہل ہند کی گستاخی حد سے بڑھ گئی۔ گزشتہ چند راتیں عزیزی محمد شاہ کی دھڑوں میں جاگ کر گزارنا پڑیں۔ چنانچہ طبیعت کچھ گراں ہو گئی۔

شاہی حکیم معائنہ کرنے آئے۔ اسے میں نہ جانے کس اسحق نے شہر میں یہ انواہ اڑادی کہ ہم اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں۔ لوگوں نے اس خبر کو نہ صرف سچ مان لیا بلکہ اسی سلسلے میں جامع مسجد کے پاس لقمراء کو جلیبیاں تقسیم کی گئیں۔ اس کی شہادت یوں ہوئی کہ شہباز خاں ملو شناس کو جو اس وقت جامع مسجد کے قریب سے گزر رہا تھا۔ فقیر سمجھ کر کچھ جلیبیاں دی گئیں۔ جنہیں وہ بارگاہ دولت میں لے کر حاضر ہوا۔ ہم نے ان کو چکھا اور نہایت لذیذ پا کر اسے دوبارہ جامع مسجد کی طرف بھیجا۔

(”پس تحریر“ ڈاکٹر شفیق الرحمن کے مضمون سے اقتباس)

(مرسلہ: ندیم گلاب۔ لاہور)

مالک بنادیا۔

فیض رسائی کی اس غیر معمولی استعداد کے حصول کے بعد سلطان باہو چلتے چلتے جامع مسجد کے سامنے جا پہنچے۔ جمعہ کا روز تھا۔ مسلمانان ہند جامع مسجد میں شتور و خضوع کے ساتھ عبادت میں مشغول تھے۔ آپ بھی ان کے ساتھ نماز میں شریک ہوئے۔ جسے ہی فرمانہ شہر دلی سلطان نے پورے شہر

آنگھوں میں آنسو بھرائے۔ آپ کے چہرے پر جو پہلے مسکراہٹ چمکتی تھی وہ اس مرتبہ غائب تھی۔ انہوں نے آپ دیدہ ہو کر سلطان باہو کو اپنے سے لگا لیا اور کہنے لگے ”بس باہو..... بہت ہو چکا“ لیکن سلطان باہو نے اپنی حالت نہ بدلی، آپ بدستور اسی حرف پر اٹل جمائے پوچھنے لگے ”ہا ہا ابتداء..... یہ کیا ہے؟“

شیخ حبیب بھارگی سے بولے ”سلطان میں تجھے کیا بتاؤں تو میرے بس کا نہیں ہے“ پھر انہوں نے سلطان باہو کو اپنے شیخ عبدالرحمان قادری کی طرف جانے کی ہدایت کی جو دلی میں فروکش تھے۔

سلطان باہو نے اسی وقت رخصت سفر ہاٹھا۔ بلند ہو کر خدا حافظ کہا اور ہندوستان..... کی طرف چل پڑے۔ ابھی دلی سے دور ہی تھے کہ ایک شخص دوڑتا ہوا آپ کے پاس آیا اور آگے بڑھ کر سلطان کے پاؤں عزت سے چھونے کے بعد احتراماً ان سے ایک قدم پیچھے ہٹ کر خافتہ کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا ”حضرت ادھر چلتا ہے۔“

یہ خادم شیخ عبدالرحمان قادری کا بھیجا ہوا تھا جنہوں نے مراقبہ میں سلطان باہو کو اپنی طرف آنا دیکھ لیا تھا چنانچہ انہوں نے ایک خادم کو آپ کی رہنمائی کے لیے روانہ کر دیا جیسے ہی خادم کی مصیبت میں سلطان باہو، شیخ عبدالرحمان کے رو بہ رو پہنچے تو شیخ بنا کچھ کہے انہیں گھیلے میں لے گئے اور ایک بھر پور نگاہ مرکوز کی۔ ان کی نگاہ میں ایک عجیب سی تاثیر تھی اور اس سے سلطان کو وہ سب کچھ حاصل ہو گیا جس کی چاہ میں وہ برسوں سے خاک چھانتے پھر رہے تھے۔ جس نعمت کے لیے وہ در در سرگرداں تھے۔ وہ سب کچھ ایک لمحے میں ان پر منکشف ہو گیا۔ اسرار و رموز کا سمندر ان کی آنکھوں میں اتر گیا۔ شیخ کی اس ایک نگاہ نے سلطان باہو کو غیر معمولی صلاحیتوں کا

Digest.pk

شیخ عبدالرحمان سلطان کی یہ دلیل سن کر مسکرا پڑے اور کہنے لگے "ہا ہوا میں تجھے مع نہیں کرتا مگر اس کا خیال رکھا کر کہ ہر شخص اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اب تو وطن واپس جا اور رشد و ہدایت کا کام سنبھال۔" ایک طویل عرصہ کے بعد شیخ سلطان ہاتھ واپس لوٹے اور تبلیغ و تحقیق کا سلسلہ شروع کر دیا۔ خانقاہ درویشوں سے بھری رہتی۔ لنگر خانے کا انتظام بی بی راسی نے سنبھال لیا۔ راہوں سے بچکے بد نصیب افراد آتے اور آنکھوں میں مشعلیں روشن کر کے خانقاہ سے لوٹتے۔

سلطان ہاتھ نے آہائی جاگیر سے ایک چٹان تک کبھی نہ لیا۔ ضروریات زندگی کی خاطر بیلوں کی جوڑی خرید کر کاشتکاری شروع کر دی مگر فصل کاٹنے سے پہلے ہی اسے دوسروں کے لیے چھوڑ دیا۔ زندگی سوکھی کھا کر اور موٹا لباس پہن کر گزارہ کرتے۔

ایک دن شور کوٹ کے آس پاس کا رہائشی تلاش دیکھیں آپ کی خدمت میں مالی امداد کی خاطر حاضر ہوا۔ لیکن اس نے جب آپ کو یوں محنت مزدوری کرتے پایا تو مایوس ہو کر واپس پلٹا کہ یہ شخص بھلا اس کی کیا مدد کر پائے گا۔ ابھی وہ مڑا ہی تھا کہ اچانک پشت سے نام لیکر کسی نے پکارا۔ وہ شخص حیرت زدہ ہو کر پلٹا تو حضرت سلطان ہاتھ اشارے سے نکلا رہے تھے۔ دل میں امید کی کرن چمکی تو ان کے پاس تیزی سے لپکا۔ آپ نے فرمایا "کیوں دے اتنی مصیبت پہنے کے بعد ملاقات کیے بھائی پلٹ رہا تھا" اس پکارے نے جو یہ اپنا نیت بھرا لہجہ سنا تو چٹا سناٹے لگا۔ سلطان ہاتھ نے اسی وقت زمین سے ایک اھیلا اٹھا کر دوبارہ زمین پر جو مارا تو زمین پر مٹی کے ڈھلے سونے کے ہو گئے۔ وہ اس حیرت و تعجب میں رہ گیا کہ وہ کیا کر رہا تھا۔ آپ نے فرمایا

کی طرف ایک بھر پور نگاہ ڈالی۔ لوگوں پر نگاہ ڈالنی تھی کہ جامع مسجد یا حق ایاق کے نعروں سے گونج اٹھی۔ ہر شخص وجد کے عالم میں یا حق ایاق کی صدا میں لگا رہا تھا لیکن اس پورے مجمعے میں صرف تین اشخاص ہادشاہ قاضی اور کوتوال شہر و ہد کی اس کیفیت سے محروم تھے۔ جیسے ہی سلطان نے توجہ منتقل کی اور مجمع اپنی حالت میں آیا تو وہ تینوں سلطان ہاتھ کے پاس آئے اور پوچھنے لگے۔

"ہا ہا ہمیں کیوں اس نعمت سے محروم رکھا؟"

سلطان ہاتھ نے جواب دیا "بارغ میں گل اور صحرا میں خار و در پودے اُگتے ہیں تو اس میں ہادش کو دوش نہیں دیا جاتا۔ میں نے سب پر یکساں توجہ دی۔ تم سخت دل ہو تم پر اثر نہیں ہوا تو میرا کیا تصور؟" انہوں نے عاجزی سے درخواست کی کہ ہمیں اس لذت سے محروم نہ رکھیں چنانچہ آپ نے ان کی استدعا قبول کی اور ان پر نظر کرم ڈالی۔

یہاں سے فارغ ہو کر سلطان ہاتھ بازاروں میں جا لگے اور خلقت پر توجہ صرف کی۔ نتیجتاً شہر میں ایک ہنگامہ ساج گیا۔ کسی نے دودھ کر شیخ عبدالرحمان کو آگاہ کیا کہ ایک دلی بازار میں لوگوں کو وجد و جلال میں چکا کرنا پھر رہا ہے۔

انہیں اس کا اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ دلی کون ہو سکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے سلطان ہاتھ کو بلا کر رنجیدہ اور طول سے لہجے میں کہا "ہا ہا یہ کیا؟ ہماری دی نصرت کو اس طرح عام کرنا پھر رہا ہے۔"

سلطان ہاتھ نے احرام سے سر جھکائے کہا "شیخ! کوئی محبت بازار سے تو ابھی خریدے تو فحش بجا کر دیکھ لیتی ہے، کوئی لڑکا کمان خریدے تو کھینچ کر چک ضرور دیکھتا ہے۔ پھر میں کس طرح آپ سے حاصل کی کوئی کمان داتا ہے۔"

ہر سو خوشبو کے جھوکے چلتے ہیں اور تاریک راہوں کے بھٹکے مسافر آپ کے حزار پر ہدایت کی راہ پانے ہزاروں کی تعداد میں روزانہ آتے ہیں۔ باہوئیں کو بھی محروم نہیں لواتے۔ سبھی آنکھوں میں مشعلیں روشن کر کے ہی واپس پلٹتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ آپ کے فیوض کا چشمہ آپ کے وصال کے بعد بھی لوگوں کی پیاس بجھا تا رہا۔ لوگ فیض یاب ہوتے رہے۔ مثلاً ڈیرہ اسماعیل خان کے حاکم ہوت بلوچ کا واقعہ اس کی نشاندہی کرتا ہے۔ وہ کم عقل شخص ایک خوبصورت لڑکے پر فریفتہ ہو گیا اور اس کے ساتھ شادی کا ارادہ کر بیٹھا۔ لوگوں کے لعن طعن سے بچنے کی خاطر اس نے مولویوں سے لتوتی لینے کی ٹھانی۔ قرعہ قال نور محمد سوہی کے نام پڑا جو سلطان باہو کے سلسلے سے تھے۔ اس نے مولانا نور کو بلا یا اور قتل کی دھمکی دے کر اپنے حق میں لتوتی دینے کے لیے کہا لیکن وہ انتہائی بے خوفی سے کہنے لگے "ہوش میں آبدست شخص۔ مرد کے لیے لڑکی سے عداوت حال ہے تو لڑکے سے شادی رچانے چلا ہے، کیوں خود پر ظلم کرتا ہے۔ حرام کام سے باز آ۔"

ہوت بلوچ کو اس جواب کی امید نہ تھی وہ غصے سے آگ بگولا ہو گیا اور آپ کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا۔ ساتھ ہی بتا دیا کہ سوہی کی روشنی بھی دیکھ سکو گے جب میرے حق میں لتوتی دینے کے لیے خود کو آمادہ پای۔ مولانا نور محمد نے اسے تو کوئی جواب نہ دیا۔ البتہ قید خانے پہنچ کر جہاں اللہ سے عداوتی وہاں ہنجالی میں ایک نظم فریادی لہجے میں لکھ کر سلطان باہو کی روح سے رجوع کیا اور اس کی فریاد رانجناں نہ گئی۔ ہوت بلوچ شاہی فوجیوں کے ہاتھوں معزول ہو کر قید خانے میں ہی چل بسا اور بعد از اس کی وفات

"لے جتنا ضرورت ہے لے جا" وہ شخص فوراً اپنے ساتھیوں کو بلکا لایا اور گھوڑوں پر سونٹا کر وہاں سے رخصت ہوا۔

سلطان باہو کو دنیاوی دولت سے کس قدر نفرت تھی۔ اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے آتا ہے۔ ایک دن آپ ریت پر لیٹے سر اپنے ایک مرید کے زانو پر دیکھے سو رہے تھے۔ ریت پر سونے سے ان کا لباس اور جسم خاک آلود ہو گیا۔ مرید نے جو مرشد کو اس حال میں دیکھا تو دل ہی دل میں تاسف کا اظہار کرتے ہوئے سوچنے لگا کہ کاش میرے پاس زرد جواہر ہوتے تو آج اپنے سر کو یوں زمین پر نہ ملتا۔

سلطان باہو نے اس کے زانو سے سر اٹھا کر پوچھا "کیا سوچ رہے ہو؟" مرید نے جو محسوس کیا تھا اور پھر جو سوچا تھا سب آپ کو کہہ سنایا۔ آپ نے مسکرا کر اسے دیکھا اور کہا "ذرا آنکھیں بند کر" مرید نے حکم کی تعمیل کی تو کیا دیکھا ہے ایک ہارے بے مثل ہے۔ ہر سو پہنکتی نظر ہے اور ایک حسین و جمیل لڑکی جواہرات میں لدی پھندی اس سے کہہ رہی ہے۔ "مجھ سے نکاح کرلو" مرید نے دھیسے لہجے میں کہا۔ "ذرا ہو کجبت، کیوں مجھے مرشد کی نظروں سے گرانا چاہتی ہے؟" اور پھر اس کی آنکھیں خود بخود کھل گئیں اور نگاہیں شرم سے جھک گئیں۔ آپ نے مسکراتے ہوئے اس سے پوچھا کہ "کیا دیکھ رہا تھا؟" مرید نے سب حال کہہ سنایا۔ آپ نے پوری بات سننے کے بعد کہا "مٹو کیا ہے رہے، ابھی تو دولت کو طمع کر رہا تھا۔ وہ دنیا ہی تو تھی، تُو نے اسے ہی ٹھکرا دیا" مرید نے سر جھکائے کہا۔ مرشد خادم زرد جواہر کا نہیں، فقر کا خواہش مند ہے" آپ نے اس کے حق میں دعا کی۔

سلطان باہو نے 1102 ہجری میں وفات پائی۔ آپ کے سر پر جناب وصال کا غلط نہ تھا۔

Digest.pk



پہلی تصویر

محمد سلیم اختر

گھر پہنچ کر میں نے کہا "ماں! میں نے تصویر بنائی ہے۔" ماں نے کہا "کہاں ہے؟ لاؤ مجھے دکھاؤ۔" میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ وہ تو بالکل خالی تھی۔ گھر پہنچنے اور دوسروں کو دکھانے کے جوش میں..... میں نے اسے کہیں راستے میں گرادیا تھا۔ میرا رنگ اڑ گیا۔

زندگی میں آپ نے کئی بار تصویر بنوائی ہوگی مگر کیا آپ کو سب سے پہلی تصویر یاد ہے؟

سوچ میں گم۔ اس کے پاس بکس کیمرو تھا جس کی تین ٹانگیں تھیں۔ بکس کے ایک طرف سوچ تھا جس کے آگے شیشہ لگا ہوا تھا۔ وہ سو داغ ہمیشہ سیاہ رنگ کے مچنے سے ڈھکا ہوا تھا۔ سو داغ کے دوسری طرف چھوٹی سی کٹری تھی۔ بکس کے دوسری جانب سیاہ

ان دنوں میری عمر آٹھ سال ہوگی۔ میرا یہ معمول تھا کہ روزانہ جب میں سڑک پار کرتا تو ایک نظر فٹ پاتھ پر بیٹھے فوٹو گرافر پر ضرور ڈالتا۔ پھر میری نظر دیوار کے ساتھ رکھے اس کے کیمرے پر پڑتی۔ وہ خود میں بیٹھا ہوا۔ کیا خیال ہے کہ

Digest.pk

دیکھ کر وہ بولا ”تو تم آگے آؤ۔“
میں نے رقم اس کی آغوش پر رکھی اور کہا ”پورے
دس روپے ہیں مکن لو۔“

اس نے رقم کئے بغیر جیب میں ڈالی اور مجھ سے کہا۔
 "یہاں آؤ اور اس جگہ کھڑے ہو جاؤ۔"

میں سیاہ پردے کے آگے کھڑا ہو گیا۔ اس نے شیشے والے سوداخ سے ہڈ اٹاتا اور پارچہ میں سے دیکھنا شروع کر دیا۔ میں سوداخ کی طرف دیکھتا رہا۔ میرا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا اور میں بڑی مشکل سے ہنسی ضبط کیے ہوئے تھا۔ میں نے خود سے کہا۔

”میری تصویر بن رہی ہے میری تصویر“
میں نے پڑھے فوٹو گرافر کو کہتے سنا ”ہائیں
جانب دیکھو..... نہ نہ..... اور اس دائیں جانب.....
اور ابھر..... بس“۔

میں نے سوچا، "کیسے بنے گی میری تصویر؟"
یوڑے فوٹو گرافر نے کہا..... دلوں مانگیں
ایک دوسرے کے ساتھ ملاؤ۔

میری ہنسی چھوٹ گئی۔
 فوٹو گرافر نے ڈیٹ کر کہا "ہنسو مت!"

میں نے بیڑوں کو تختی سے بھیج لیا اور سوناغ کی طرف دیکھنا شروع کر دیا لیکن میرے لیے ایسی پرکاوہ بنا دشوار ہوا تھا۔ اب اس نے ناعلم بنایا "لو مت"۔

ایسی روکنے کی غرض سے میں نے لیوں کو اور ختی سے بچھ لیا۔ نو نو گرافر نے سوہراخ سے ڈھکن اٹا مارا۔ اب شیشے سے ڈھکل کٹڑی نظر آئے گی۔ اس نے سوہراخ کو پھر سے ڈھانپ دیا اور کہا "بس"۔

میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ اب مجھے تصور دیکھنے کا اشتیاق تھا۔

آخر اس نے تصویر کا قد پر لیٹی اور میرے حوالے کر دی۔ چند قدم چلنے کے بعد میں نے کاغذ کھینچ کر بے اختیار میری طرف سے جھوٹا ہنس دیا۔

کپڑا لٹکا ہوتا۔ کبھی کبھار میں دیکھتا کہ بوڑھا فوٹو گرافر کسی گاہک کی تصویر اُتارنے میں مصروف ہے۔ تصویر اُتروانے والا شخص دیوار کے ساتھ رکھے تخت پر بیٹھتا جبکہ اس کی پشت پر سیاہ رنگ کا پردہ لٹکا ہوتا۔ بوڑھا فوٹو گرافر بجس کی کھڑکی میں سے اسے دیکھتا۔ سوراخ سے سیاہ گتے کا بڑا اُتارنا اور گاہک سے مخاطب ہو کر کہنا۔

”ٹھوڑی کو اوپر اٹھائیے..... ذرا سا نیچے..... نہ
 نہ..... ذرا اوپر..... میرے ہاتھ کی طرف دیکھئے.....
 ٹھیک اب بس یہیں رہئے۔“

میں یہ سب بڑی حیرت سے دیکھتا اور پھر خود سے سوال کرتا۔

”اس صندوق کے اندر کیا ہے؟“ میں جس قدر بھی سوچتا مجھے اس سوال کا جواب نہ مل پاتا۔ پھر چند لمحوں بعد فوٹو گرافر صندوق میں سے ایک گیلہ کاغذ نکالا اور میں دیکھتا کہ اس پر گاکب کی تصویر بنی ہے تو میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہتی۔

ایک روز میں فوٹو گرافر کے پاس گیا۔ میں نے اس سے پوچھا۔

”تم میری تصویر بنا دو گے؟“

وہ ہنسا اور بولا "کیوں نہیں؟"

میں نے پوچھا "کتنے پیسے ہوں گے؟"

”صرف پورٹریٹ چاہیے یا پوری تصویر؟“

"پوری تصویر" میں نے جواب دیا۔

"صرف ایک کاپی لوگے"

”ہاں صرف ایک کاٹی“

میں نے ایک ہفتہ سے مساجد کے اجتماعات میں شرکت کی ہے۔

ملے اسی روز سے چپے میں لڑنے شروع
کرو۔ عرصہ طویل تھا حالانکہ وہاں دو سو ہزار جمع

کرلوں۔ تم جمع ہو جاؤ۔ میں نے سے جس میں

لا لے اور پڑھے۔ تو اگر کسی طرف سے چل دیا تو

Digest.pk

گرافر کے پاس نہ لے کر گئے۔ اس کے بجائے انہوں نے کہا "میں تمہیں فوٹو سٹوڈیو لے جاتا ہوں۔"

وہ بہت خوبصورت سٹوڈیو تھا۔ وہاں میری تصویر اتاری گئی۔ پھر میں نے اپنی تصویر دیکھی۔ یقیناً یہ میں ہی تھا مگر اس سے میرے من کی بے گلی نہ گئی۔ اس میں کچھ بھی خاص بات نہ تھی۔ مجھے اپنی کوئی ہوئی تصویر اور بھی شدت سے یاد آنے لگی۔

برسوں بعد میں نے ایک تصویر کھنچوائی۔ پھر ایک اور..... پھر اور..... اس طرح کئی ہی تصویریں..... لیکن مجھے ان میں سے کسی تصویر میں بھی وہ خوبصورتی نظر نہ آئی جو اس پہلی تصویر میں تھی۔

میں جب سکول کے آخری درجے میں تھا تو ایک روز میں نے ایک رسالے میں چھپی ایک تصویر دیکھی تو میں چونک اٹھا..... وہ میری تصویر تھی۔ وہی تصویر جو برسوں قبل مجھ سے کھو گئی تھی..... ایک چھوٹا سا بچہ..... بہت لمبا کوٹ پہنے کسی فوجی کی طرح ایستادہ تھا۔ اس کی ٹوپی ذرا کوہ پر اٹھ گئی تھی اور اس میں اس کا ماتھا اور ہال نظر آرہے تھے۔ اس کے ہاتھوں کے سرے بہت ہی مضحکہ خیز لگ رہے تھے۔ چہرے پر اُمڈلی ہنسی کو روکنے کی خاطر اس نے اپنے ہونٹوں کو تختی سے بچھنچ رکھا تھا۔ اس کی چند حیلائی ہوئی آنکھوں میں بے پناہ اشتیاق تھا..... میں ماضی کے خوشگوار ایام اور یادوں میں پلٹ گیا..... پھر مجھے بے اختیار ہنسی آگئی۔ تصویر کا کیٹشن تھا۔

"اس بچے کی خوبصورت ترین اور شاہکار تصویر" اس سے بھی نیچے لکھا تھا..... "سرور و دیہاتی لڑکا۔"

بے اختیار میرے ذہن میں سوال اٹھا۔ "کیا وہ بڑھا تو تو گرافر آج بھی زندہ ہوگا؟"

مجھے وہ بہت یاد آنے لگا تھا۔

تھا۔ یہ میں ہی تو تھا۔ میرا کوٹ ٹوپی اور ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہوتے۔ اپنے مقابل خود میں ہی تو کھڑا تھا۔ میری ٹوپی ذرا اوپر کواٹھ گئی تھی اور میرا ماتھا اور ہال نظر آرہے تھے۔ میں بالکل سیدھا کھڑا تھا کسی جیسے کی طرح۔ میرے ہونٹ ایک دوسرے کے ساتھ تختی سے جڑے ہوئے تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ میں بمشکل ہنسی پر قابو پائے ہوئے ہوں۔ میری آنکھوں میں حیرت بسی تھی۔ میرا کوٹ بہت لمبا تھا اور میرے ہاتھوں کے سرے بہت مضحکہ خیز لگ رہے تھے۔ اس کے باوجود مجھے اپنی تصویر بہت اچھی لگی۔

میں نے تصویر جیب میں رکھی اور ماں کو دکھانے کے لیے گھر کی طرف بھاگا۔ گھر پہنچ کر میں نے کہا "ماں! میں نے تصویر بنائی ہے۔"

ماں نے کہا "کہاں ہے؟ لاؤ مجھے دکھاؤ۔"

میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ وہ تو بالکل خالی تھی۔ گھر پہنچے اور دوسروں کو دکھانے کے جوش میں..... میں نے اسے کھنڈ داسے میں گرا دیا تھا۔ میرا رنگ اڑ گیا۔

ماں نے میرے چہرے کے بدلے رنگ دیکھ کر پوچھا "کیا بات ہے؟"

میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ منہ سے ایک لفظ نکالے بغیر میں گلی کی طرف بھاگا۔ میں نے تصویر کو گلی میں اور پھر سڑک پر تلاش کیا لیکن وہ مجھے نہ ملی۔ گھر لوٹ کر میں نے رونا شروع کر دیا۔ بچانے میرے پاس آ کر مجھے تسلی دینا شروع کی۔

"بس اب چپ ہو جاؤ چلو میں تمہیں نئی تصویر بنادیتا ہوں۔"

ماں نے مجھے ڈھلے ہوئے کپڑے پہنائے اور بالوں میں کچھ لکڑی لگا کر بچانے میرا بازو تھاما اور ہم تصویر بناتے چلے گئے۔..... مجھے اس بار یاد آئی

Digest.pk

سیارہ چکن کارنر

جویریہ کامران

خواتین کارنمیں کی دلچسپی اور پسند کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم نے کھانوں کی تراکیب پر جتنی خصوصی سلسلہ شروع کیا ہے جس میں آسان مگر معیاری اور جتنی تراکیب پیش کی جائیں گی۔ ان تراکیب پر عمل کر کے نہ صرف آپ اپنے گھر والوں کو نت نئے ذائقہ دار کھانے فراہم کر سکتی ہیں بلکہ روایتی ڈشز پکانے کی بودیت سے بھی نجات حاصل کر سکتی ہیں۔ ہماری کوشش ہوگی کہ آپ کو بہترین تراکیب فراہم کر سکیں۔ اس سلسلے میں آپ ہمیں اپنی تجاویز اور آراء سے آگاہ کرتے رہیے۔ نیز آپ ہمیں خود بھی جتنی اور معیاری تراکیب لکھ کر بھیج سکتی ہیں جنہیں آپ کے نام کے ساتھ شائع کیا جائے گا اور بہترین ترکیب پر اعزازی شمارہ بھی آپ کو ارسال کیا جائے گا!

email: sayyaradigest@gmail.com

www.facebook.com/sayyaradigest

پنیر کباب



اجزاء:

کوئچ چڑ

بریڈ سلائس

بریڈ کریمز

میدہ

چکن اسٹاک کیوب

1 پکٹ

6 عدد

1 پکٹ

کھانے کا چھچھو

کھانے کا چھچھو

باریک کٹے ہارام

کٹی کالی مرچ

باریک کٹا لہسن

ادراک

باریک کٹی ہری پیاز

باریک کٹی ہری مرچ

باریک کٹا ہرا دھنیا

پھینٹے ہوئے انڈے

15 عدد

1 چائے کا چمچ

4 جوے

1/2 کھانے کا چمچ

2 عدد

4 عدد

1 گھنٹی

2 عدد

حسب ذائقہ

نپ فراٹنگ کے لے

تھک

تیل

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

تھک

میدہ ۳-۱/۲ کپ
ہیکنگ پاؤڈر ۱ کھانے کا چمچ
اورنج جوس ۱/۲ کپ
پاکھوپرا ۱/۲ کپ
لبائی میں کٹا کھوپرا ۴ کھانے کے چمچے
توکیب: ایک پیالے میں ۸ اونس مکھن اور ۱-۱/۲ کپ چینی ڈال کر پھینٹ لیں، یہاں تک کہ وہ لائٹ اور لٹکی ہو جائے۔ اب اس میں ایک ایک کر کے ۴ عدد انڈوں کی زردی ڈال کر اچھی طرح پھینٹ لیں۔ اب ۱/۲ کپ پاکھوپرا اور ۱-۱/۲ کپ میدہ اور ۱ کھانے کا چمچ ہیکنگ پاؤڈر کو چھان لیں۔ پھر ایک ایک کر کے انہیں کچر میں ۱/۲ کپ اورنج جوس، ۱/۲ کپ چیریز اور تھوڑے سے میدے کے ساتھ شامل کر دیں۔ اب اسے ایک کچر میں ڈال کر کس کریں۔ پھر ۴ عدد انڈوں کی سفیدی کو اتنا پھینٹیں کہ وہ اچھی طرح کس ہو جائے۔ اب اسے بیٹر میں فولڈ کر کے اچھی طرح کس کر لیں۔ پھر ایک چنڈٹ پین کو گرم کر کے اس میں کچر ڈال دیں۔ اب اس پر ۴ کھانے کے چمچے لبائی میں کٹا کھوپرا چھڑکیں اور ایک گھنٹے کے لیے ۱۸۰ پر بیک کر لیں۔

کرسپی لیمن چکن ڈرم اسٹک

اجزاء:

چائیز ڈرم اسٹکس ۱۰ عدد
لیمون ۳ عدد
اٹھے کی سفیدی ۳ عدد
کارن فلوور ۱/۲ پیالہ
چینی ۱ چائے کا چمچ
ہیکنگ پاؤڈر ۱ چائے کا چمچ
اورنگ لیمون ۱ کھانے کا چمچ
کٹا کھوپرا ۱ کھانے کا چمچ

چمچ میدہ ۱ عدد چکن سٹارک کیوب ۱۵ عدد ہارک کٹے ہارام ۱ چائے کا چمچ کٹی کالی مرچ ۴ جوے ہارک کٹا لیمون ۱/۲ کھانے کا چمچ اورنگ ۲ عدد ہارک کٹی ہری پیلا ۴ عدد ہارک کٹی ہری مرچ ۱ ٹمپلی ہارک کٹا ہرادیٹا اور حسب ذائقہ نمک شامل کر دیں۔ اب اسے سیٹ ہونے کے لیے ایک طرف رکھ دیں۔

پھر اس کے چھوٹے گول کباب بنائیں اور ۲ عدد پھینٹے ہوئے انڈوں میں ڈپ کر کے تیل میں ڈپ کریں یا ہلکی آنچ پر شیلو فرائی کر لیں، یہاں تک کہ وہ گولڈن براؤن ہو جائیں۔ اس کے بعد انہیں کچن پیپر پر رکھ دیں تاکہ تیل جذب ہو جائے پھر ان پر ۱ چمچی ٹمپلی چھڑکیں اور ٹومیٹو کچپ کے ساتھ گرم گرم سرور کریں۔

چیری کو کونٹ کیک



اجزاء:

مکھن ۸ اونس
چینی ۱-۱/۲ کپ
کٹی گلیزر ڈیج ۱/۲ کپ
اٹھے ۴ عدد

Digest.pk

رہیں، تاکہ جیل جذب ہو جائے پھر انہیں چلی سوس کے ساتھ مرد کریں۔



ہائن ایپل اپ سانیڈ ڈاؤن پڈنگ اجزاء:

3 عدد	اٹھارے کی زردی
3 اونس	چینی
8 اونس	پھینٹی ہوئی فریش کریم
3 چائے کے چمچے	جیلٹین پاؤڈر
1/4 کپ	پانی
1 کپ	دودھ
چند قطرے	زردے کا رنگ
1/2 چائے کا چمچ	پائن اپل سلس
چند عدد	پائن اپل سلاکسز
6-8 عدد	چیری
توکیب: پہلے 3 چائے کے چمچے جیلٹین	

2 کھانے کا چمچ	سویا سوس
2 کھانے کا چمچ	سفید سرکہ
حسب ضرورت	تیل
حسب ضرورت	بریلے کریمز
حسب ذائقہ	نمک

توکیب: پہلے 10 عدد ڈرم اسٹکس دھولیں اور ان میں 2 کھانے کے چمچے سویا سوس، 2 کھانے کے چمچے سفید سرکہ، 1 کھانے کا چمچ اور کچھ لہسن کا پیسٹ اور حسب ذائقہ نمک ملا کہ ایک دہنی میں ڈالیں اور ہلکی آگ پر ان کا پانی خشک کر لیں۔

اب ایک پیالے میں 3 عدد اٹھارے کی سفیدی، 1/2 پیالی کارن فلوڈ، 1 کھانے کا چمچ چکن کیوب والا میڈ 1 چائے کا چمچ چینی، 3 عدد لیموں کا رس، 1 چائے کا چمچ پیکنگ پاؤڈر اور تھوڑا سا نمک ڈال کر اچھی طرح مکس کر لیں۔

پھر ایک ایک ڈرم اسٹک کو تیار کیے ہوئے آمیزے میں ڈبو کر حسب ضرورت بریلے کریمز لگا دیں۔ اس کے بعد ایک کڑائی میں حسب ضرورت تیل گرم کر کے تیار ذائقہ اسٹکس کو ڈیپ فرائی کر کے کوئلن برادوں میں رکھیں۔ آگ میں انہیں نکال کر تیار

پاؤڈر کو 1/4 کپ پانی میں حل کر لیں۔ اب ایک ڈش میں 3 عدد اٹھارے کی زردی کو 3 اونس چینی اور 1 کپ دودھ کے ساتھ مکس کریں اور ہلکی آگ پر پکائیں۔ ساتھ ہی اس میں چمچ ملا۔ آگ میں اس میں اپال نہ

Digest.pk

سفید زیرہ
دانی
کڑی پتے
20 عدد
1 چائے کا چمچ
1/2 چائے کا چمچ
چیز سوس کے اجزاء:



کھن 2 اونس
میدہ 2 اونس
دودھ 2 کپ
پانی 1 کپ
نمک 3/4 چائے کا چمچ
کالی مرچ 1/2 چائے کا چمچ
مسٹرڈ 1/2 چائے کا چمچ
کدو کش چیڈر چیز 4 کھانے کے چمچے
توکیب: اسمبل کرنے کے لیے ایک ڈش
میں 8 اسٹریپس ابلے لڑایا لوزلز آدمی بنریاں آدمی
شملہ مرچ سلائس، 1/4 کپ کچپ، 1/2 چائے
کا چمچ اور ریگنولیوز 1/2 کپ میں سے آدمی کدو
کش چیڈر چیز پھیلا دیں۔ اب دوسری لیئر دے کر
سوس، آدمی کدو کش چیڈر چیز کچپ اور 1 کھانے
کا چمچ کھن کے ساتھ 180C پر 20 منٹ کے لیے
بیک کر لیں۔

میں 1/2 چائے کا چمچ پائن اپل سلس چھ قطرے
زردے کا رنگ اور حل کی ہوئی جلیٹین ڈال کر کس
کریں اور اسے ٹھنڈا کر لیں۔ پھر اسے 18 اونس پھینٹی
ہوئی فریش کریم کے ساتھ فولڈ کر لیں۔ اب گلاس پانی
ڈش کو گر لیں کریں۔ پھر چند پائن اپل سلائسز کی شکل
میں میں اور سائیڈ پر سجا دیں اس کے بعد نوپ 6-8
چیڈر سے کدو کر لیں۔ اب کچپ کو پائن اپل سلائسز سے
کدو کر لیں۔ آخر میں اسے 2 گھنٹے کے لیے سیٹ ہونے
دکھ دیں پھر اسے سرو کرنے سے پہلے پلٹ دیں۔

ویجی ٹیبل لڑایا

اجزاء:

کٹی گاڑ 2 عدد
کٹے آلو 2 عدد
منر 1 کپ
باریک کٹے فریج بینز 1/2 کپ
باریک کٹی پیاز 2 عدد
باریک کٹے ٹماٹر 4 عدد
ٹینگن کیوبز 1 عدد
ابلے لڑایا لوزلز 8 عدد
تیل 1/4 کپ
پسی لال مرچ 1 چائے کا چمچ
بلدی 1/4 چائے کا چمچ
لہسن 1 چائے کا چمچ
نمک 1 چائے کا چمچ
شملہ مرچ سلائس 1 عدد
اور ریگنولیوز 1 چائے کا چمچ
کچپ 1/4 کپ
کدو کش چیز 1/2 کپ
بگھار کے لیے :-
ٹاٹ لال مرچ 6 عدد

Digest.pk



غزل

مبت کے بدلے سزا دے گیا
جب دوستی کا صلہ دے گیا
وفا میں نے مانگی جفا دے گیا
وہ جاتے ہوئے غم تیا دے گیا
تڑپنا سکھایا اب وہ گیا
چھڑتے ہوئے وہ دعا دے گیا
نبھانے کنارے کہاں کھو گئے
سینہ کہاں ناخدا دے گیا
اندھیروں کا ہے رقص چاندوں طرف
چراغوں میں کیسی ہوا دے گیا
وہ میکہ اور رانا ہیں ہم
وہ جینے کی کیسی ادا دے گیا
(قدیم دانا/راولپنڈی)

کچھ خواہشیں

کچھ خواہشیں بھی
کتنی ہمدی اور منہ زور ہوتی ہیں
کدلی قبر میں اٹھیں
جتنا گہرا بھی دل نہ کر دو
ذرا سی ہوا پا کر
کبھی نہ کبھی کسی صورت
ناگ پھنی کے پودوں کی
ماں خواہشوں کے صحرائیں
سرکال ہی لیتی ہیں
شد گیزاروں کی تپش
انہیں جھلساتی ہے
نہیں زنداں چھوڑ جانے سے

خوف آتا ہے

شدیدیا کی بھری ہوئی سوجھیں
ان کے اداروں کا خون کرتی ہیں
کچھ خواہشیں بھی کتنی.....!

(ڈاکٹر درخشاں انجم/کراچی)

غزل

وفا کو درد لکھتا درد کو آرام جاں لکھتا
ہمیں آئی گیا آخر محبت کی رہاں لکھتا
زمین کو چہ جاناں کی قیمت کوئی کیا جانے
اگر لکھتا پڑے تو اس زمیں کو آسماں لکھتا
قلم تو وقف ہے ذکر بہاراں کے لیے ہم
میرا مسلک ہے دیرانہ کو رشک گلستاں لکھتا
اگر قربت کا اک لمحہ میسر آ نہیں سکتا
تو پھر لازم ہے ساری زندگی کو رانچاں لکھتا
اختیار لکھنے کی عادت ہو گئی ہے تم کو دنیا میں
بجائے اپنے غم کے تم حدیث دیگران لکھتا
(ایس۔ امتیاز احمد/کراچی)

غزل

دلوں کی مہینوں کی سالوں کی باتیں
کریں آؤ خوابوں خیالوں کی باتیں
گلابوں کے موسم میں تلخی کے قصے
اندھیری راتوں میں اُجالوں کی باتیں
ارے چھوڑ دلیر یہ موقع نہیں ہے
جھکتی شبیوں میں سوالوں کی باتیں
چلو جنوری کی ٹھنڈی راتوں میں
کریں ان جگہ و مکانوں کی باتیں
جس میں ہمارا آئی نہیں محبت

Digest.pk

فقط آج ان خستہ حالوں کی باتیں
(یا سبکین کنول/پرسور)

غزل

کھوج جیون کی تو سب ہی نے لگائی ہے
پر حقیقت کسی نے نہ اس کی پائی ہے
ہر شے جو ہم کو دیتی اُس کی گواہی ہے
کرتی وہ رب کی بیاں شانِ خدا کی ہے
گر جو نیکی کی وہ دریا میں بہائی ہے
اس عمل میں ہی تری انساں بھلائی ہے
سخت حالات میں چپ رہنا دانائی ہے
گردشِ وقت نے ہی یہ بات بھائی ہے
چاہتا خود میں برائی تو اچھائی ہے
دھوڑنا نیکی لوگوں میں ہی دانائی ہے
چرا اپنی ہی وفا کا خود لہائی ہے
پر یہ تسکیر منہ سے بے وفا کی ہے
جان لیوا سی عین یہ شام جدائی ہے
ایسے میں نم ہوا دسب سیمائی ہے
(عصمت اقبال عین)

غزل

سارا ماحول جھگڑا ہے
کیسے یہ صوفیاں اُجالے ہیں
وہ خفا ہو کے بھی نہیں برہم
اس کے انداز ہی نرالے ہیں
دل میں اس کے ہزار شکوے ہیں
صلواتِ لہان پر نالے ہیں
وقتِ فرقت میں بھی مگر اس کی
آنکھ پر غم نہ لب پہ نالے ہیں
بھی دردِ جگر و دردِ دل
کل میری جان لینے والے ہیں

(زادہ بوسنی/لاہور)

غزل

لبلوں کو خار زوروں سے الجھایا گیا ہے
ہواؤں کو چھانوں سے لڑایا گیا ہے
روشنی کے بہانے انگاروں پہ چلایا گیا ہے
خوشی کے بدلے دکھ دے کر ڈلایا گیا ہے
میرے دل کو نہیں تھا سقراط سے واسطہ
خود نہیں پیا اسے زہر پلایا گیا ہے
وہ خوش لہیاں تو صرف جتو سے جڑی تھیں
عہٹ مجھ کو شہرِ تنہا میں کیوں لایا گیا ہے
جہاں گائے تھے عبدل بدوح آدم کے ترالے
آج وہیں مدحِ انساں کو اُچھالا گیا ہے
(عبدالواسطہ عبدل)

غزل

ماتا کہ زندگی میں ہمیں کچھ ملا بھی ہے
اس زندگی کو ہم نے بہت کچھ دیا بھی ہے
محسوس ہو رہا ہے کہ تنہا نہیں ہوں میں
شاید کہیں قریب کوئی دوسرا بھی ہے
قاتل نے کس صفائی سے دھوئی ہے آستین
اس کو خیر نہیں کہ لہو بولتا بھی ہے
یہ حسن اتفاق ہے یا حسنِ اہتمام
ہے جس جگہ فرات وہیں کربلا بھی ہے
ہم پھر بھی اپنے چہرے نہ دیکھیں تو کیا علاج
آنکھیں بھی ہیں چہرا بھی ہے آئینہ بھی ہے
اقبال شکر بھیجو کہ تم دیدہ و در نہیں
دیدہ دردوں کو آج کوئی پوچھتا بھی ہے
(اقبال عظیم)

غزل

سر چھپا کے میرے دامن میں خزاؤں نے کہا
ہمیں ستانے دے گلشن میں بہار آئی ہے
جب بہار آئی تو صبح کی طرف ہل نکلا

Digest.pk

دیتے نہیں بھائی جو دنیا کے خدو خال
آئے ہیں تیرگی میں مگر روشنی سے ہم
یاں تو ہر اک قدم پہ ظل ہے حواس کا
اے خطر باز آئے تری مہری سے ہم
دیتے ہیں لوگ آج اے شاعری کا نام
پڑھتے تھے لوح دل سے کچھ آشفتگی سے ہم
رہتی ہے انجم ایک زمانے سے منگلو
کرتے ہیں یوں کلام بظاہر کسی سے ہم
(انجم روحانی)

غزل

غنچہ شوق لگا ہے کھلنے
پھر تجھے یاد کیا ہے دل نے
داستان ہے لب عالم پر
ہم تو چپ چاپ گئے تھے
میں نے چپ کر تیری باتیں کی تھیں
جانے کب جان لیا محفل نے
انجمن انجمن آرائش ہے
آج ہر چاک لگا ہے سنے
غنچہ شوق لگا ہے کھلنے
پھر تجھے یاد کیا ہے دل نے
(ایمان مرغانی)

غزل

محبت کی قیمت ادا کیا کریں گے
جو ہیں بے وفا وہ وفا کیا کریں گے
خیال دے سکے جو نہ اک جھوٹے کو
جلا کے ہم ایسا دیا کیا کریں گے
جو نہ کر سکے خیر خواہی خود اپنی
کسی دوسرے کا بھلا کیا کریں گے
کھائے ہیں پھولوں کی الت میں دھوکے
تو کانٹوں سے پھر ہلکا کیا کریں گے

مکن گل چھوڑ گیا دل میرا پاگل لکلا
جب اسے دھوڑنے لگے تو نشان تک نہ ملا
دل میں موجود رہا آنکھ سے بوجھل لکلا
اک ملاقات تھی جو دل کو سدا یاد رہی
ہم جسے مریختے تھے وہ اک پل لکلا
وہ جو السانہ خم سن کر ہٹا کرتے تھے
اتنا روئے کہ بس آنکھ کا کاجل لکلا
ہم سکوں دھوڑنے لگے تھے پریشان رہے
شہر تو شہر ہے جنگل بھی نہ جنگل لکلا
کوئی ایوب پریشان ہے تیرگی میں
چاند الاک پہ دل بیٹے میں بے گل لکلا
(ایوب روحانی)

غزل

دل وہی عہد ملاقات پرانا چاہے
اور زمانہ کہ پلٹ کر ہی نہ آنے چاہے
وہ تو ہر حال میں دوری ہی بڑھاتا چاہے
اب کسی حد پر ظہر جائے زمانہ چاہے
وہ محب نفس ہے اعجاز محب ہیں اس کے
کھینچتا بھی جائے مراسم بھی بڑھاتا چاہے
اس کے پندار کا کیا پوچھتا جو مست غرور
کم لگتی کا بھی احسان جتنا چاہے
دیکھ کر اس کو زمانے کی طرف کیا دیکھیں
جو وہ چاہے وہی بے درد زمانہ چاہے
ہم وہ دل لائیں کہاں سے پلٹ کر جائیں
وہ یہاں شوق سے آئے اگر آنا چاہے
کبھی بے بات شکایت کبھی بے وجہ سکوت
وہ تو بس ترک محبت کا بھانہ چاہے
(اقبال علی پوری)

غزل

کچھ اجنبی سے لوگ تھے کچھ اجنبی سے ہم
دنیا میں ہونے لگے تو شاکسی سے ہم

Digest.pk

کیا ہمارا نالہ دل ان کی شہنائی کے بعد
(افسرانہ پوری)

فہیمت ہے مگر موت آجائے صادق
کہ ہم جی کے ان کے سوا کیا کریں گے
(ایس ایم صادق)

غزل
ہے عشق مسلسل تو رسوائی مسلسل
ہوئی نہیں اس کی پذیرائی مسلسل
ابدیت ازل سے ثابت چاہتی ہے
ہو ہی گئی نا پھر جدائی مسلسل
رسم دعا سے قرار چاہتا ہوں
تنا ہے مل جائے رہائی مسلسل
مری پکوں پہ ہے قوس قزح کے رنگ
حقیقت میں ہیں تری رسوائی مسلسل
انہی یادوں سے لگا لیا ہے دل
بھی ہیں مری ساتھی تنہائی مسلسل
جب ہی رشتہ سا بڑ گیا ہے
مری آہنا تری نارسائی مسلسل
لوگ کیا سمجھیں قضا و قدر کے معاملے
کر رہے ہیں یہ جگ ہشائی مسلسل
صورت مجاز میں ہی بھٹکتا آ جا
دامن پھاڑتی ہے میری پارسائی مسلسل
(لوئیس غوری)

غزل
ہر ایک چہرے پہ دل کو گمان اس کا تھا
یسا نہ کوئی یہ خالی مکان اس کا تھا
میں اس طلسم سے باہر کہاں نکلتا تھا
فضا کھلی تھی مگر آسمان اس کا تھا
پھر اس کے بعد کوئی بات بھی ضروری نہ تھی
میرے خلاف کسی وہ بیان اس کا تھا
ادا شناس فقیروں میں مصلحت کیسی
وہ جو بھی کہتا گیا ہم زبان اس کا تھا
تمام دکھ میری آنکھوں میں بچھ گئے یلین
جو دیکھ کر دہریے سے ملنا نشان اس کا تھا

غزل
تہمت تمہارے عشق کی ہم پر لگی ہوئی
یا رب مجھے گی آگ یہ کیونکر لگی ہوئی
لاؤ تو قتل نامہ ذرا میں بھی دیکھ لوں
کس کس کی صبر ہے سر محضر لگی ہوئی
جائیں گے کس امید پر ہم اس کے کوچہ میں
کافی ہے ہم کو پہلے ہی شوگر لگی ہوئی
البتہ کا جب مزہ ہو کہ دلوں ہوں بے قرار
دلوں طرف ہو آگ ببار لگی ہوئی
آصف ذرا سمجھ کے یہاں کیجئے مقام
منزل کہے دو دوسری سر پر لگی ہوئی
(آصف)

غزل
کیا تائیں حال دل ان کی شناسائی کے بعد
جس بڑھتا ہی چلا جاتا ہے پروائی کے بعد
ایک مدت پر خیال ان کا کہاں سے آگیا
تسکینی اچھی انجمن گنتی ہے تنہائی کے بعد
جب نظر آیا نہ ساحل لن کے چشم ناز میں
کیا دکھائی دے گا وہ دیا کی گہرائی کے بعد
در بدر کی شوگریں کھائیں محبت میں تو کیا
ہو مجھے ہم محترم کچھ اور رسوائی کے بعد
ہم کہاں ہوں گے نہ جانے اس تماشا گاہ میں
کس تماشا کی سے پہلے کس تماشا کی کے بعد
ان کے بارے میں فقط اتنا ہمیں معلوم ہے
اب وہ رہتے ہیں ہمارے دل کی اگتائی کے بعد
خوب ہے افسر ہمیں اپنی صحبت کی

سیارہ ڈائجسٹ کی ایک اور عظیم پیشکش

شرعی احکام

شائع
ہو گیا ہے

عبادات سے معاملات تک اور معاشرت سے لیکر سیاسیات تک
تبلیغی نصاب، قرآنی آیات اور صحیح احادیث کی روشنی میں

☆ اسلامی ضابطہ حیات جس کی روشنی میں آپ اپنے شب و روز گزار
سکتے ہیں۔

☆ آخرت کا توشہ، دلوں کی بیماریوں کے لیے شفاء۔

☆ نیکیوں کی طرف رہنمائی اور گناہوں سے بچنے کے طریقے۔

☆ ایسے سنہری حروف جنہیں پڑھ کر آپ اپنے اخلاق و کردار کی

کو تابیوں کو زور کر سکتے ہیں۔ قیمت: 160 روپے

سیارہ ڈائجسٹ 240 ریوان گارڈن لاہور فون 7245412

جلتے رہے محفل میں پتنگوں کی طرح ہم
اک روز بھی ہم اپنے نشیمن میں نہ ٹھہرے
اڑتے رہے بڑوں سے پرندوں کی طرح ہم
اس پار ہے اک صحرا تو اس پار ہے دویا
پھڑے ہیں سمندر کے کناروں کی طرح ہم
اے ابر بہادر! یہ غضب کیا کیا ہے
شاخوں سے جدا ہو گئے چوں کی طرح ہم
ہم گردشِ دوداں کو بدل دیں گے لبو سے
سردار پہ رکھ دیں گے دلیروں کی طرح ہم
شامل رہی سانسوں میں تری یاد کی خوشبو
ہت جہز میں بھی کھلتے رہے پھولوں کی طرح ہم
اے وادی کشمیر تو برساتے وہ برف آب
جلتے ہیں پہاڑوں پہ چٹانوں کی طرح ہم
شاگرد وہ ہمیں پاس ہی گئے کیا دیر سے آکر
اڑ جائیں گے تصویر کے رنگوں کی طرح ہم
(ڈاکٹر شاگرد کشمیری)

محبوبوں کی کہانی میں کون شامل تھا
مجھے تو ہار ہا خود پر گمان اس کا تھا
ہوانے اب کے چلائے چراغ رستے میں
کہ میری راہ میں عادل مکان اس کا تھا
(ناجدار عادل)

اس ماہ کا شاعر

سیارہ ڈائجسٹ پڑھنے والے تمام دوستوں کو میرا
سلام، میرا نام ڈاکٹر شبیر احمد لون ہے۔ میں نے
شاعری کی ابتداء 1999ء میں کی اور میری
عمر 41 سال ہے میرے پسندیدہ شاعروں میں
اقبال، غالب، فیض احمد فیض ہیں۔ میری پسندیدہ کتاب
وہلی آف ظلم ہیں۔ سیارہ ڈائجسٹ ایک ادبی جریدہ
ہے۔ شاعری میرا شوق ہے تازہ غزل حاضر خدمت
ہے۔ امید ہے قارئین پسند فرمائیں گے۔

غزل

روشن رہے غفلت میں چراغوں کی طرح ہم

خاص اعلان

محترم قارئین! ہر ماہ شاعری میں آپ کی دلچسپی کے پیش نظر ادارہ نے ایک خصوصی سلسلہ شروع کیا ہے جس
کے تحت ہر ماہ ایک خوش نصیب شاعر/شاعرہ کا تعارف بمعہ تصویر شائع کیا جائیگا۔ جو احباب اس سلسلہ میں شریک
ہونا چاہتے ہیں وہ اپنی تازہ غزل/نظم/پسندیدہ شاعری غزل/نظم اور دیگر تفصیلات کے ساتھ درج ذیل کوپن پتہ
کر کے سیارہ ڈائجسٹ: 244 میں مارکیٹ ریو از گارڈن لاہور پر ارسال کریں۔

کوپن برائے اس ماہ کا شاعر

یہاں اپنی

تصویر

منسلک کریں

نام: _____ تعلیمی قابلیت: _____

عمر: _____ پسندیدہ شاعر: _____

پسندیدہ غزل/نظم: _____

مشاغل: _____ تاریخی پیدائش/میراث: _____

شادی شدہ/غیر شادی شدہ: _____

ای میل: _____

Digest.pk

منیرہ بانو شیریں

داغ داغ مسیحا

عید آئی، روحینہ کے اصرار پر خور نے کپڑے بھی بدلے، زہرہ پہنے، مگر شوکت میاں
 دُور دُور سے دیکھتے رہے، قریب آ کر عیدی دینی تو درکنار اسے دیکھنا بھی گوارہ نہ
 کیا۔ خور کے سینے پر رکھی ڈکھوں کی سل میں اور اضافہ ہو گیا۔

ایک عہد کی کتھا، والدین کی ذرا سی بھول نے اُس کی زندگی داغ دار کر دی تھی

سے شربت کا بیوری گلاس سلیقہ سے پیش کر دیتی۔ مسجد
 سے اذان کی آواز آئی۔ سب بیبیوں نے دوپٹے سے سر
 احاطہ کر لیے۔ اتنے میں ایک خاتون جو 25 برس کی
 ہوگی۔ پٹاپٹی کا غرابہ پہنے سرخ ٹیشو کا دوپٹہ اوڑھے
 کمرے میں آئیں۔ کندن کا زہرہ ان کے بیچ و بیچ

بڑے دلالہ میں فرش درمی گھسی ہوئی تھی۔
 چاروں طرف دیکھی گاؤں کے بڑے تھے۔ جو عہد آتی
 وہ ایک گاؤں کی اٹھا کر اس سے ٹیک لگا کر بیٹھ جاتی۔
 دودھ اور مصری کے شربت میں پستے کی ہوائیاں دُور
 سے نظر آرہی تھیں۔ ایک ماما آگے بڑھتی اور جھٹ



Digest.pk

سے بہت محبت کرتے تھے۔ ایک لمحہ کے لیے جدا ہونا ان کو ناپسند تھا۔ اس رسم کو بھی کھڑے دیکھتے رہے۔ مغرب کے وقت روچینہ انھیں۔ اب ان کو اپنے میکے جانا تھا اور اس کے بعد پھر گھر آ کر آرام کرنا تھا۔

پہلے عورتیں کہتی تھیں ساتویں مہینہ بچہ پیٹ میں پاؤں پھیرتا ہے اس لیے عورت کو آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔ میکے جانا بھی اسی رسم کی ایک کڑی تھی۔ اس رسم کو پاؤں پھیرنا کہتے تھے۔ سب کو پتہ لگ جاتا۔ ان گنا مہینہ لگ گیا ہے اور خیر سے ہونے والی زچہ پاؤں پھیر آئی ہے۔

نواب میاں کے ساتھ گاڑی میں روچینہ بیٹھی، چہرے سے ٹھکی مامدی لگ رہی تھی۔ نواب میاں نے آہستہ سے پھیڑا۔

”معلوم ہوتا ہے آپ بہت تھک گئی ہیں۔ آخر بیٹی کی تیاری ہے کوئی مذاق نہیں“ روچینہ دھیرے سے مسکرا دی۔

نواب میاں آہستہ سے جھک کر بولے۔

”میرے دوست کہتے تھے کہ ایک دو بچے ہو جائیں تو عورت کی جوانی اُٹھنے لگتی ہے مگر بیگم اللہ قسم تم تو اسی طرح تر و تازہ ہو، تمہارے عارضے پہلے سے بھی زیادہ دیکھتے ہیں۔ گود بھرائی کی رسم کے وقت میں سوچ رہا تھا آج سے پانچ سال پہلے بھی تم ایسی ہی لگتی تھیں نیشو کے دوپٹے میں چھپا اور کرن کے ہالے میں تمہارا چہرہ شمع کی طرح روشن تھا۔ ہم بہت ہی خوش نصیب ہیں کہ ہم کو تمہارے جیسی ماہ ویش ملی ہے۔ خدا کرے ایک بیٹی ہو تو تمہاری طرح سند رہو۔“

روچینہ دھیرے سے بولی: ”آپ کی طرح نہیں؟ آپ کیا کم ہیں؟“

نواب میاں کل کھلا کر فٹ دے دیے ”نہیں میرے جیسی نہیں بس تمہارے جیسی ہونی چاہیے۔ میں تمہارا بچپن دیکھنا چاہتا ہوں۔“

”جیسے ان دنوں میں رہا۔“ نواب میاں نے کہا اور روچینہ کا میکے

چہرے پر پوری آب و تاب سے سج رہا تھا۔ سب عورتیں کھڑی ہو گئیں اور وہ بیچ میں آ کر بیٹھ گئیں۔ ماماؤں نے سرخ ٹول کے ڈھکے ہوئے پوشوں سے خوان لا کر رکھے شروع کیے اور ایک بزرگ خاتون آگے بڑھیں اور بسم اللہ کہہ کر بیٹھ گئیں یہ ان کی ساس تھیں۔

بہو کا نام روچینہ تھا۔ وہ کچھ دیر بیٹھی پڑھتی رہیں پھر بہو کا ہاتھ اٹھا کر خوان کی طرف دیکھا۔ روچینہ نے بسم اللہ کہہ کر اندر ہاتھ ڈالا اور آہستہ سے ایک نیکی نکال لی۔ سارے ہال میں شور مچ گیا۔

بیٹی مبارک..... بیٹی مبارک!

روچینہ کی ساس نے سات سہانگوں سے گود بھرائی اور ایک ماما چھوٹی سی کشتی لیے آگے بڑھی اور روچینہ نے مسکراتے ہوئے خوان کے نیچے سے چھری نکال لی۔ سامنے ہی نواب میاں کھڑے تھے۔ کسرتی خوبصورت جسم پر نواب کی شیردانی سج رہی تھی۔ انہوں نے مسکرا کر بیگم کو دیکھا اور بولے۔

”بیگم اب کے اللہ قسم بیٹی ہوئی تو ہم آپ کو ست لڑی ہمارے اپنے ہاتھ سے پہنا دیں گے۔“

روچینہ جواب میں مسکرا دیں۔ وہ پہلے بھی دو

پھول جیسے بچوں کی ماں تھیں، مگر چہرے مہرے سے

اب تک لڑکی معلوم ہوتی تھیں۔ بڑی بڑی کٹار جیسی

آنکھیں، ستواں ناک، رنگ ایسا کہ میدہ و شہاب کو

شرمائے۔ ہونٹ یا قوت کی طرح ترشے ہوئے

تھے۔ پوری محفل میں چاند کی طرح چمک رہی تھیں۔

تیسرے بچے کی آمد آئی تھی۔ ساتواں مہینہ لگ

چکا تھا۔ اس دن گود بھرائی کی رسم تھی۔ جس میں

سارے کنبے کی عورتیں جمع تھیں۔ روچینہ کے سامنے

باری باری پھل، خشک میوے رکھے گئے اور وہ مسکرا

کر رسم پوری کرتی رہیں۔

اسی مل چل میں تمام عورتیں نواب میاں روچینہ

روحینہ ایک سکی بھر کے بولیں:-
 "توبہ توبہ بڑی تکلیف ہوتی ہے چاقو گرم کر کے دو انگٹے ہیں کم بخت ہاتھ پر گہرے سیاہ داغ پڑتے ہیں۔ میری بچی ایسی اذیت نہیں برداشت کر سکتی تمام عمر کے لیے ہاتھ پر داغ پڑ جاتے ہیں۔"
 لیڈی ڈاکٹر اپنا فرض پورا کر چکی تھی خاموش ہو گئی۔

☆.....☆.....☆
 یہ آج سے کئی دہائیاں پہلے کا ذکر ہے جو یورپی انا آہستہ آہستہ دم لے لے کر سنار ہی تھیں۔ میں بڑے غور سے ایک ایک بات سن رہی تھی۔ لٹاکے چہرے پر زمانے کے حوادث نے بے پناہ سلوٹیں ڈال دی تھیں۔ مگر روحینہ کا نام لیتے ہی ان کا چہرہ چمک اٹھتا تھا اور میں ان کے چہرہ کی عمارت میں دھن ہوئے وقت کو کنگال کر ان کو نئے روپ میں دیکھتی تھی۔

☆.....☆.....☆
 دبے پاؤں گزرتے لمبے دیکھتے ہی دیکھتے دلوں کا روپ سادہ رہے تھے پھر یہ دن بھی چپکے چپکے بیتے اور سالوں میں تبدیل ہو گئے۔
 غور ہالو اب چھ برس کی ہو چکی تھی۔ بڑی دھوم دھام سے بسم اللہ ہوئی اور تعلیم و تدریس کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ لو اب میاں سے زمانے کے تھے بڑی خوشی سے کہتے ہیں اپنی خود کو خوب تعلیم دلاؤں گا اور اسے ایک مثالی خاتون بنادوں گا۔ غور انتہائی ذہین تھی اردو عربی، فارسی کے ساتھ ساتھ انگریزی بھی ایک میم صاحبہ پڑھانے آتی تھیں اور وہ ہر مضمون کو بڑے شوق سے پڑھتی تھی۔

ایسے میں ہندو مسلم فسادات ہوئے پاکستان بنا۔ لو اب صاحب نے رخت سطر ہاندھا اور سارے گھر کو لے کر لاہور آ گئے۔ ایک بڑی سی گٹھی مل گئی۔ ہندوستان میں وہ جائیداد کی دیکھ بھال کے لیے کارندے بھجوا آئے تھے۔
 اس کی رات ہی میں ایک دن غور کو بخار پڑا۔

آ گیا جہاں اور بھی زیادہ کھوم تھا۔ روحینہ دو چار دنوں کے بعد پاؤں پھیر کے واپس آئیں اور حویلی میں لو اب میاں کی ہانہوں کے حصار میں آنے والے دلوں کا حساب کرنے لگیں۔

خدا خدا کر کے تو اس بلہ ختم ہوا اور خدا نے ایک چاندی بنی لو اب میاں کو حطاک کی۔ لو اب میاں بہت خوش تھے حویلی کے دو درے پر لوبت رکھی تھی۔ مراٹھیں مبارک ہادیاں گاری تھیں اور روحینہ کا ہاتھ لگوا لگوا کے صدقے کے قہال باہر بیسے جا رہے تھے۔
 بچی کا رنگ ماں باپ کی طرح تھا۔ نین نقش سبک تھے۔ گڑیا سی معلوم ہوتی تھی لو اب میاں نے جب بچی کو گود میں لیا تو دیکھتے ہی بولے:-
 "ماشاء اللہ غور ہے، بس بیگم اس کا نام غور بانو رکھ دو۔"

ساتویں روز حقیقہ ہوا، پورے شہر سے مہمان آئے، شادی کا سماں لگتا تھا، روحینہ جمشی نہا چکی تھیں اور سرخ کنو اب کے غرارے میں آج بھر دہن لگ رہی تھی۔ زچہ خانہ کی کمزوری سے چہرے پر اور بھی نکھار آ گیا تھا۔

شہر سے سول سرجن اور ان کی بیگم بھی جولیڈی ڈاکٹر تھیں آئیں۔ بچی کو دیکھا روپے دیے اور کہنے لگیں "بیگم صاحبہ آج کل موسم خراب ہے بچی کو چھک کا ٹیکہ ضرور لگوا لیں۔ دو چار دن کی تکلیف ہے پھر بچی محفوظ ہو جائے گی۔"

لو اب میاں مسکراتے ہوئے بولے:-
 "ہمارے بیگم صاحبہ کہتے ہیں بچی کی ناف میں سچے موتی پیدائش کے وقت ہاندھ کر کر دی جائے تو پھر یہ کجنت بیماری نہیں ہوتی۔ ہماری بچی تو بہت ہڈک ہے۔ اصل میں بیگم صاحبہ پر مگنی ہے۔ ویسی ہی تحریرلی نظر آتی ہیں صاحبزادی۔ لیڈی ڈاکٹر نے ایک بار پھر کوشش کی اور ٹیکے لگے تو اند بکنا نے لگی لو اب صاحب نے پھر ان کی کہ بات مان لی۔

پر ہونٹ رکھ دیتی، کیسا گھبراہٹا جوان لینا تھا۔
انہیں اپنے شوہر کا دلہانہ پیار یاد آرہا تھا مگر
آج ان کا چاہنے والا ہمیشہ کے لیے جدا ہو چکا تھا۔
وہ سوچ رہی تھیں آج کے بعد وہ پھر انہیں دیکھ نہ
سکیں گی آنکھیں پھاڑے ایک ایک لمحہ کو ٹھہرائے وہ
نواب میاں کی صورت دل پر نقش کر رہی تھیں۔

پانچٹی بیٹھی خور بالو رو رہی تھی مگر آج اس کو دلاسا
دینے والا کوئی نہ تھا۔ چاہنے والا باپ روٹھ چکا تھا
جو کبھی اس کی آنکھ میں آنسو بھی دیکھنے کا تحمل نہ ہوتا
تھا آج آنسوؤں کی بو چھاڑ بھی اسے جگانے لگی تھی۔

آہ وہ خفاں کے شور میں نواب میاں کا جنازہ اٹھا،
روحینہ کا دل لوٹ چکا تھا۔ مگر بچوں کی خاطر زندہ
رہنے پر مجبور تھیں۔ نواب میاں تو ان کے دل میں
بے تھے۔ چلتے پھرتے انجانے میں وہ نواب صاحب
سے باتیں کرتی راتیں اور رات کو تو ان کو ایسا محسوس
ہوتا کہ نواب میاں ان کے پاس لیٹے ہیں۔ جلدی
سے وہ آنکھیں کھولتیں تو نواب میاں کی قد آدم تصویر
مسکرا رہی ہوتی۔ وہ پھر اپنی آنکھوں کو موند لیتیں اور
انجانے راستوں میں نواب میاں کا ہاتھ پکڑ کے چل
دیتیں۔ اسی آنکھ پھولی میں تمام شب بیت جاتی۔

گزرتے لمحوں کا شمار لیے انگلیں اور زندگی کے
کاموں میں مصروف ہو جاتیں۔ دن تو کسی نہ کسی
طرح گزرتے کر کے بیت ہی جاتا۔ ہاں رات نواب
میاں کی ہوتی جو وہ ان کی معیت میں خیالوں کے
سہارے گزارتیں۔

خور اب میٹرک کر چکی تھی۔ ایف اے میں
داخلہ لیا تھا۔ اس کا لراوہ ڈاکٹر بننے کا تھا پڑھائی کی
وجہ سے اس نے ہر دن لک جاتے کا خیال چھوڑ دیا
تھا۔ ویسے بھی وہ اب سنجیدہ تھی۔ علم کے نور نے اسے
جلا بخشی تھی۔ وہ سیرت کے سہارے زندہ رہنا چاہتی
تھی اور اس کا کوئی مقصد نہیں تھا۔

تو اس نے اپنے آپ کو دیر سے خور اب نماپاں

ڈاکٹر کو بلایا گیا پیسے کی کوئی کمی نہیں تھی مگر مقدور میں
جو لگتا تھا وہ اٹل تھا۔ تیسرے روز جسم پر دانے نکل
آئے چپک چپے موڈی مرض نے حملہ کر دیا تھا۔

روحینہ سارے کام بھول چکی تھی۔ قرآن پاک
کے لیے سرہانے بیٹھی دعا کرتی تھی اور نواب
صاحب روز ایک بکرا صدقہ دے رہے تھے۔
خیرات دی جا رہی تھی۔ مرض کا حملہ کم ہوا اور دانے
سوکنے لگے تو نواب صاحب نے دیکھا بچی کے
خوبصورت رخساروں میں گڑھے پڑ رہے ہیں۔ شکر
ہے کہ آنکھوں پر کوئی اثر نہ تھا ورنہ اس مرض میں آنکھ
خراب ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

خور بالو نے غسل صحت کیا تو باوجود ضبط کے
روحینہ اپنے آنسو نہ روک سکیں۔ پھوٹ پھوٹ کر رو
دیں۔ خور بالو کا چہرہ بگڑ چکا تھا۔ چپک کے گہرے
گہرے سیاہ دان چہرے پر پڑے تھے۔ نواب
صاحب نے پلاسٹک سرجری کے لیے لندن خط لکھے
اور بچی کو لے جانے کا پروگرام بنانے لگے۔ ان کا
خیال تھا کہ پلاسٹک سرجری سے بچی کا کھویا ہوا حسن
واپس آ جائے گا۔

خور بالو نے محسوس تو بہت کیا مگر اب وہ سکول
میں داخل ہو چکی تھی اور انتہائی محنت سے پڑھ رہی
تھی۔ دوسرے بچپن تھا، بد صورتی کا احساس نہ
ہوا۔ ابھی نواب صاحب باہر جانے کا سوچ ہی رہے
تھے کہ ان کو دل کا دورہ پڑا اور دیکھتے ہی دیکھتے
روحینہ کا سہاگ آ جڑ گیا۔

روحینہ نواب صاحب کی لاش کے سرہانے بیٹھی
تھی۔ لڑتے ہاتھوں سے ان کی بلائیں لے رہی
تھی۔ نواب صاحب کے چہرے پر تقدس کا نور
جھلک رہا تھا۔ سفید مٹھن میں لیپے، بلی چھیلی کی
کلیوں کے پالے میں ان کا چہرہ دک رہا تھا۔ بڑی
بڑی روشن آنکھیں موندے جیسے انسان سے تھیں۔

تھے۔ روحینہ کبھی ان کے ہاتھوں کو دیکھتی کبھی

اثر دکھائے گا صرف ...

کیر

پریکی ہیٹ پاؤڈر



کیونکہ صرف کٹیر میں ہے **TRICLOSAN**
 گرمی اور پسینے سے ہٹنے والے جراثیم کا مہربان!

Digest.pk

نمایاں کر دیتی ہے۔ اب اس کے دل میں بھی طرح طرح کے خیالات آتے۔

خور سوچتی شاید یہ رشتہ خدا تعالیٰ نے محبت کے لیے بنایا ہے مگر جب اپنے چہرے پر نظر ڈالتی تو دل مسوس کر رہ جاتی۔ اس کے ساتھ کیسا بھیانک مذاق تقدیر نے کیا۔ خور کا جسم انتہائی دلکش اور متناسب تھا رنگ بے انتہا صاف مگر چہرہ..... بڑی بڑی خوبصورت آنکھیں بھی اپنی ساری روحانی سمیت چپک کے داغوں کا مداوانہ تھیں۔

خور کو بہترین تراش کے لباس پہننے کا بڑا شوق تھا۔ بھائی بھائی کوئی دنیا میں کتنے دیکھ کر اس کا بھی دل چاہتا کوئی اس کے لباس کی تعریف کرے مگر سوائے ماں کے شاید اس دنیا میں کوئی چاہنے والا نہ تھا۔ جب ماں خور کی تعریف کرتی تو خور کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے۔ وہ سوچتی ماں نے مجھے جنم دیا ہے۔ اس لیے تعریف کر کے میرا دل رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ ورنہ اسنے لوگوں سے دن بھر میں سا بقہ پڑتا ہے کوئی بھی تو ایک لفظ نہیں کہتا۔

وہ دل میں سوچتی کاش میں پیدا نہ ہوتی۔ آہستہ آہستہ لب اس میں احساس کتری پیدا ہوتا چلدا تھا۔ ایسے میں شاید ماں کی دعا قبول ہوئی۔ نواب میاں کے ایک عزیز دوست ہندوستان سے آئے، ان کو نواب میاں سے بہت پیار تھا۔ انہوں نے جب خور کو دیکھا کہ وہ ڈاکٹر بن چکی ہے اور بڑے اچھے طریقے سے کلینک چلا رہی ہے تو ایک دم ہی سوئی ہوئی محبت جاگ اٹھی۔ ان کا بڑا بیٹا ساتھ تھا، میٹرک تک پڑھ کے اس نے گویا تعلیم پوری کر لی تھی۔ ویسے بھی طبیعت کا ورثہ تھا۔

گھر میں اور سارے رشتہ داروں کو اس کی عادت کا علم تھا یہی وجہ تھی ہاوجود کوشش کے کہیں شادی نہیں ہوتی تھی۔ نواب میاں کے دوست نے ایک ہفتہ کی سوچ بچار کے بعد بیٹے..... سے حصار طورہ کر کے..... سے خور کے رشتہ کے لیے بات کیا۔

کامیابی حاصل کر چکی تھی۔ اب وہ ڈاکٹر تھی۔ وہ انسانیت کی محسن بننا چاہتی تھی دشمن نہیں۔

اس کے ارادے بلند تھے۔ پیسے کی کوئی کمی نہ تھی۔ ماں نے نواب میاں کی یاد میں ایک چھوٹا سا ہسپتال بنادیا تھا۔ اب وہ اسی ہسپتال میں کام کرتی تھی۔ شام کو کھسکی ہاری آتی تو اپنے گھر میں بنایا ہوا کلینک کھول لیتی۔ قرب و جوار سے عورتیں اور بچے آ جاتے اور وہ سب کو خور سے دیکھتی، علاج کرتی۔ خدا نے اس کے ہاتھ میں شفا دی تھی۔ ہر مریض خور کو دعائیں دیتا جاتا تھا۔

روحانہ کو اب بس ایک ہی دشمن تھی کسی طرح خور کی شادی کر دیں۔ انہوں نے اور بچوں کے رشتے ڈھونڈ لیے تھے اور اب خور کے لیے پریشان تھیں۔ انہوں نے کئی عورتوں سے کہہ رکھا تھا وہ بیٹے اور بیٹی کی شادی ایک ساتھ کرنا چاہتی تھیں۔

کتنے ہی رشتے آئے مگر جب عورتیں آئیں تو خور اپنے آپ کو مجبور تصور کرتی۔ اسے تعالیٰ جیسی آنکھوں سے دیکھا اور ٹٹولا جاتا تھا۔ خور کا جسم متناسب اور دل کش تھا رنگ گورا تھا مگر چپک کے نشانات پورے جسم پر پھیلے ہوئے تھے جس کی وجہ سے خوبصورتی ماند پڑ چکی تھی۔

عورتیں آئیں طرح طرح کی پولیاں بوتلیں اور چلی جاتیں۔ اس کی قیمت لگ رہی تھی مگر کوئی خریدار نہیں تھا۔ ایسے میں بھائی کا رشتہ ایک اچھی طرح ملے پا گیا اور دھوم دھام سے بھائی کی شادی ہو گئی۔

بھابی بہت خوبصورت تھی، دلہنہ پے کے روپ نے چار چاند لگا دیے تھے۔ خور دیکھتی کہ بھابی کے چہرے پر بھائی کو دیکھتے ہی قوس و قزح کے رنگ گڈلے ہو جاتے۔ بھائی کا والہانہ انداز اور بیخودی کا اظہار بھابی کو مسکور کر دیتا۔ خور دل میں سوچتی عورت کا یہ کیسا روم ہے جو دلہنہ پے میں اور بھی زیادہ دمک اٹھتا ہے۔ عورتی لباس کی نگاہیں جسم کو کچھ

Digest.pk

"میری خواہش تھی کہ پہلی عید کا جوڑا آپ کی کمائی کا ہبنتی، خولہ وہ معمولی کپڑے کا ہوتا۔"

شوکت میاں نے تیزی سے کہا:-

"کاش تم اس قائل ہوتیں، میں تو اب میاں کے کہنے پر تم جیسی چڑیل کے چکر میں پھنس گیا۔ ہاں تم کہو تو آدھ سیر قیرہ لا دیتا ہوں تمہارے چہرے کے کم از کم گڑھے تو بھر جائیں گے۔"

خود یہ سن کر رو پڑی مگر شوکت میاں تو ایک چٹان کی مانند تھے، لاکھ سر ہٹاؤ، کھراؤ اور پھر وہیں لوٹ کر رونا مقدر بن چکا تھا۔ عید آئی، روحینہ کے اصرار پر خور نے کپڑے بھی بدلے، زلیخا بیٹے، مگر شوکت میاں دور دور سے دیکھتے رہے، قریب آ کر عیدی دینی تو درکنار اسے دیکھنا بھی گوارہ نہ کیا۔ خور کے سنے پر دھکی ڈکھوں کی سل میں اور اضافہ ہو گیا۔ رات ہوئی تو انہوں نے بوڑھے کو کرکوبار بھیجا کہ شوکت میاں کو نکالائے۔ شوکت نے کہلایا، کپڑے بدل کر سو جاؤ، مجھے ان کپڑوں میں تم انتہائی بُری معلوم ہو رہی ہو۔ قیمتی کپڑے کا بھی مذاق اڑایا ہے۔

خور سن کر رو پڑی، کپڑے اُتار پھینکے اور مگر کے سارے کپڑے ہٹانے لیے جب شوکت میاں اُتار آئے۔ خور کا بیان لبریز ہو چکا تھا، روتے ہوئے بولی:-

"آپ کو مجھ سے اتنی نفرت ہے تو مجھے طلاق دے دیں۔"

"طلاق کیسے دے سکتا ہوں، اب میاں کی دوستی کا سوال ہے۔"

"پھر آپ مجھے خرچہ دیں۔"

"کیسا خرچہ؟ تمام دن یاروں میں گزارتی ہو ان سے پوری نہیں پڑتی؟ شوکت میاں دھاڑے۔ خور کانپ اُٹھی:-

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ اب اس سے ساتھ

لیڈی ڈاکٹر ہوئی ہے جو اہل سائنس ہیں، مردوں کے میل کے حلق، آپ مجھ پر خواہنا و اہرام

"وہ خود تو ہندوستان چلے جائیں گے چٹا ہیں رہے گا۔"

روحینہ کے لیے یہ رشتہ پہلا پتھر بن کر آیا خور تو ایسی بھری کا درخت تھی جس کے سائے میں لوگ جوق در جوق آتے اور چلے جاتے، ٹھہرنے کی خواہش کسی نے نہ کی تھی۔ روحینہ نے تو فوراً اُتار چاکر لو اب صاحب کی دروازہ کھولی اور اس میں سے سرخ پا قوت کی انگلی لاکر شوکت میاں کے ہاتھ میں پہنا دی۔ مشعلی آئی اور بات پکی ہو گئی۔ روحینہ بیگم نے ہسپتال کے پاس واپس لوٹ گئی کو سائز و سامان سے سہانا شروع کیا اور وہ کٹنگی خور کے جھڑ میں دے دی۔ شوکت میاں دھوم دھام کے قائل نہ تھے۔ لہذا سادگی سے رسم ادا کی گئی۔ خور لیکن بنی اپنے ہی باپ کے گھر میں آگئی۔ شوکت میاں کو انہوں نے دیکھا لیے ترنگے جوان تھے۔ چہرے پر دبدبہ تھا۔ انہوں نے ایک نظر خور پر ڈالی اور بڑے اطمینان سے پاؤں پاد کر بیٹھ گئے۔ وہ سوچ رہے تھے کس طرح خور کو پوری طرح اپنے قابو میں کریں۔ خور تو ان کے لیے ایک چیک تھی جسے وہ ہر وقت کیش کر سکتے تھے۔

خور کے سارے خواب دھرے وہ گئے۔ سہاگ رات گزری مگر عجیب سی کک اور ڈک کے ساتھ، شوکت میاں نہانے کیسے آ رہی تھے۔ صبح اٹھ کر خور نے سوچا میری صورت نہ کسی میں اپنی خدمت سے شوکت میاں کو اپنالوں گی۔

وہ طرح طرح کے لذت بخش کھانے پکاتی۔ شوکت میاں کے قیس کرتے کا زحمتی ان کا ہر کام اپنے ہاتھ سے کرتی مگر شوکت میاں تو چکی چھلی کی طرح ہاتھ میں ہی نہیں آتے تھے۔ کتنے ہی ماہ گزر گئے۔ شوکت میاں پیکار کٹنگی میں گھومتے رہے۔ باہر جانا اُتار وہ بڑے اطمینان سے خور کا پس کھولتے اور بے مثال لیتے۔

ایسے میں پہلا عید آئی۔ روحینہ نے خور کے دلدادہ کے کپڑے بھیجے، خور نے ان کو دفعہ آئندہ سے کہا۔

خود روتے ہوئے بستر پر گر پڑی۔ یہ کیسا خالم شخص تھا جو اسے کسی طرح چمکن نہیں لینے دے رہا تھا۔ اس نے کبھی کسی کو تکلیف نہ دی تھی۔ پھر کس گنہ کی پاداش میں اسے سزا مل رہی تھی! اگلے دن صبح ہی شلیفون کا بل آیا۔ خور نے دیکھا کئی ہزار کا بل تھا۔ اس نے پوچھا۔ ”میں ہر ماہ فون کا بل آپ کو دیتی ہوں، یہ بل کیسے آگیا؟“

شوکت نے مسکرا کر کہا۔

”میں جو فون کرتا ہوں اس کا بل ہے؟“

خور خاموش رہی اگلے دن اس نے فون کٹوا دیا بل دینا اس کی استطاعت سے باہر تھا۔

شوکت بہت برا چننا چلایا مگر خور تو مٹی کے بت کی طرح خاموش بیٹھی تھی۔ اب اس نے دل کے سکون کے لیے عبادت کی راہ سوچنی تھی۔ رات کو گھنٹوں بیٹھ کر وہ تلاوت کرتی اور پھر اس کے معنی پڑھتی، اس کے دل کو اب سکون آگیا تھا۔ خدا کی راہ میں جو اس سے خیرات کی جاتی وہ دل کھول کر کرتی۔

اس کے بے قرار دل کو اب قرار آگیا تھا۔ نادار مریضوں کا علاج مفت کرتی اور ان کی دعا لیتی۔ اس کا دل چاہتا جو کچھ بھی ہے وہ سب خدا کی راہ میں دے دے۔ اب اس نے شوکت کو روپے دینے بند کر دیئے تھے۔ شوکت نے مار پیٹ بھی کی مگر خود کا دل سخت ہو چکا تھا۔

ایسے میں ہی ایک دن اس کا بچہ حمل خانے میں پھسل گیا۔ ٹانگ میں سخت چوٹ آئی وہ بستر پر پڑی تھی اور شوکت الماریوں میں چیزیں تلاش کر رہا تھا بجائے اس کے کہ ڈاکٹر کو بلا تا وہ اپنے لالچ میں جلا تھا۔ گھر کی بوڑھی لٹانے پڑوس سے روحینہ کو فون کیا۔ وہ بے چاری فوراً گاڑی لے کر آئیں اور خور کو ہسپتال لے گئیں۔ شوکت بڑے مزے سے ٹھہتا رہا۔

خور کو چوٹ سخت لگی تھی۔ کافی دن ہسپتال میں رہی۔ شوکت ایک دن بھی نہ آیا۔ جب خور ٹھیک ہو کر

گھر آئی تو بوڑھی انا نے روتے ہوئے بتایا شوکت گھر کی ساری نقدی لے کر واپس ہندوستان چلا گیا ہے۔ خور نے چمن کا سانس لیا، اس کے سر سے ایک بڑا بوجھ اتر چکا تھا۔ اب اس نے اپنے ٹیکس پر توجہ دی اور گھر میں ہی مریضوں کا علاج کرنے لگی۔ ہائی وقت اس نے خدا کے لیے وقف کر دیا تھا۔ دل کا سکون اسے مل چکا تھا۔ رات کے سنائے میں اب بھی اسے خیال آتا ہے کہ خدا نے اسے کس آزمائش میں ڈالا ہے کبھی کبھی شوکت کے خط آتے ہیں مگر طعنوں سے بھرے، وہ بغیر پڑھے ایک طرف رکھ دیتی ہے۔ اب اسے پھر پتہ چلا ہے۔ شوکت آنے والا ہے مگر وہ اب مطمئن ہے۔ جو کمالی ہے اس میں اپنی ضرورت کے لیے رکھ کر ہائی خیرات کر دیتی ہے۔ وہ سب کی سیما ہے مگر اس کا پُرساں حال کوئی نہیں۔ وہ سب کو سہارا دیتی ہے اور خود خدا کی ذلت کے سہارے جو پانی کا جوگ کاٹ چکی ہے۔ دل کی انگلیں وقت کے ساتھ ساتھ دم توڑ چکی ہیں۔ اب کوئی خواہش نہیں، کوئی تمنا نہیں، سوائے اس کے کہ آخری وقت سکون سے کٹ جائے۔ بوڑھی انا اس کے ساتھ رہتی ہیں اور بیٹی کی طرح اس سے محبت کرتی ہیں مگر تقدیر کے ساتھ وہ بھی نہیں لڑ سکتیں۔

خور آئینے میں اپنی شکل دیکھ کر مسکرا رہی ہے۔ اور پھلے ہوئے داغوں میں کم کشیدہ زمانہ تلاش کرتی ہے۔ اسے ایسا لگتا ہے وہ ازل سے تھا تھی اور اب تک تنہا رہے گی۔ یہی اس کا نوشہ تقدیر ہے جو روزِ ازل تحریر کر دیا گیا تھا۔ اس پر ہی صابرو شاگر ہو کر وقت گزارتا اس کا مقدر بن چکا ہے۔ کبھی کبھی وہ حیرت سے بوڑھی انا سے کہتی ہے۔

”کاش آپ لوگ میرے ٹیکہ لگوا دیتے تو آج میں اس تکلیف سے سے بچ جاتی اور شاید زندگی کی راہوں میں خوشی سے وقت گزارتی۔ ذرا سی بھول نے چہرے کے ساتھ ساتھ زندگی کو بھی دل خود کو دیا ہے!“

خور روتے ہوئے بستر پر گر پڑی۔ یہ کیسا خالم شخص تھا جو اسے کسی طرح چمکن نہیں لینے دے رہا تھا۔ اس نے کبھی کسی کو تکلیف نہ دی تھی۔ پھر کس گنہ کی پاداش میں اسے سزا مل رہی تھی! اگلے دن صبح ہی شلیفون کا بل آیا۔ خور نے دیکھا کئی ہزار کا بل تھا۔ اس نے پوچھا۔ ”میں ہر ماہ فون کا بل آپ کو دیتی ہوں، یہ بل کیسے آگیا؟“

شوکت نے مسکرا کر کہا۔

”میں جو فون کرتا ہوں اس کا بل ہے؟“

خور خاموش رہی اگلے دن اس نے فون کٹوا دیا بل دینا اس کی استطاعت سے باہر تھا۔

شوکت بہت برا چننا چلایا مگر خور تو مٹی کے بت کی طرح خاموش بیٹھی تھی۔ اب اس نے دل کے سکون کے لیے عبادت کی راہ سوچنی تھی۔ رات کو گھنٹوں بیٹھ کر وہ تلاوت کرتی اور پھر اس کے معنی پڑھتی، اس کے دل کو اب سکون آگیا تھا۔ خدا کی راہ میں جو اس سے خیرات کی جاتی وہ دل کھول کر کرتی۔

اس کے بے قرار دل کو اب قرار آگیا تھا۔ نادار مریضوں کا علاج مفت کرتی اور ان کی دعا لیتی۔ اس کا دل چاہتا جو کچھ بھی ہے وہ سب خدا کی راہ میں دے دے۔ اب اس نے شوکت کو روپے دینے بند کر دیئے تھے۔ شوکت نے مار پیٹ بھی کی مگر خود کا دل سخت ہو چکا تھا۔

ایسے میں ہی ایک دن اس کا بچہ حمل خانے میں پھسل گیا۔ ٹانگ میں سخت چوٹ آئی وہ بستر پر پڑی تھی اور شوکت الماریوں میں چیزیں تلاش کر رہا تھا بجائے اس کے کہ ڈاکٹر کو بلا تا وہ اپنے لالچ میں جلا تھا۔ گھر کی بوڑھی لٹانے پڑوس سے روحینہ کو فون کیا۔ وہ بے چاری فوراً گاڑی لے کر آئیں اور خور کو ہسپتال لے گئیں۔ شوکت بڑے مزے سے ٹھہتا رہا۔

خور کو چوٹ سخت لگی تھی۔ کافی دن ہسپتال میں رہی۔ شوکت ایک دن بھی نہ آیا۔ جب خور ٹھیک ہو کر

Digest.pk

والدین کے باہمی اختلافات اور انوجوانوں کا رویہ عمل

یاسین کنول

اگر بچوں کو گھر میں محبت کرنے والے والدین اور خوشگوار ماحول میسر ہو تو کیوں وہ رونا فریاد اختیار کریں اگر ان کی تمام جائز خواہشات کا احترام کیا جائے تو کیوں وہ خودکشی پر مجبور ہوں؟



گھر کو چھوڑنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ بعض بزدل لوجوان خودکشی کے مرتکب بھی پائے گئے ہیں مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ وہ کیوں گھر سے فرار ہوتے ہیں؟ وہ کیوں خودکشی پر مجبور ہو جاتے ہیں؟ کچھ تو وجہ ہوگا، کوئی تو سبب

بات سے بات نکلتی ہے ہم اکثر اخبارات میں پڑھتے رہتے ہیں کہ فلاں لڑکی گھر سے فرار ہو کر دارالامان پہنچ گئی یا فلاں جگہ جا پہنچی۔ لڑکوں کے گھر چھوڑنے کے واقعات بھی سنتے رہتے ہیں۔ آخر ایسا کیوں ہوتا ہے؟ کیوں کوئی لوجوان لڑکی یا لڑکا اپنے

Digest.pk

خیال نہیں رکھا تو اتنے سال سے کیسے یہ گھر چل رہا ہے؟ کون تمہارا خیال رکھ رہا ہے؟ اور یہ دوسری بیوی کا دھوکا کس اور پر بھٹا، مجھ پر ایسی باتوں کا اثر نہیں ہونے والا، اول تو تمہیں بیٹی ہی کوئی نہیں دے گا اگر کسی نصیبوں جیسے باپ نے یہ کام کر دکھایا تو چند ہی روز میں تمہارے کروت و دیکھ کر فرار نہ ہو جائے تو نام بدل دیتا۔ یہ میں ہی ہوں جو تمہارا گھر سنبھالے بیٹھی ہوں کوئی اور ہوتی تو کب کی راہ فرار اختیار کر چکی ہوتی۔

آپ نے دیکھا کہ بات کتنی معمولی تھی لیکن جذبات کی رو میں آکر چھوٹی سی بات کو بھی بڑا کر دیا جاتا ہے دل کی بھڑاس نکالی جاتی ہے اور کبھی کبھی تو ایسی باتوں سے طعنه کی یا طلاق کی نوبت بھی آ جاتی ہے اور جب ایسی نوبت آ جاتی ہے تو بچوں کی حالت زار دیکھتے والی ہوتی ہے۔ بے چارے نہ ادھر کے ہوتے ہیں اور نہ ادھر کے۔ باپ کے پاس رہیں یا ماں کے پاس ان کو کسی ایک کا انتخاب کرنا ہوتا ہے اگر بچے کو جوانی میں قدم رکھ رہے ہیں تو ان پر جذباتی اثر بھی ہو سکتا ہے اور وہ گھر سے فرار یا خودکشی جیسے اقدام بھی کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ اسی طرح گھر میں لیکن بھائیوں میں معمولی بات پر گھرار ہو جاتی ہے۔

"شمینہ ذرا پانی تو پلاتا" جید کہتا ہے۔ شمینہ بے چاری سہیلیوں میں گھری ہے یا ہوم ورک کر رہی ہے یا کسی اور ضروری کام میں مصروف ہے اور پانی لانے میں تاخیر کر دیتی ہے تو بھائی صاحب کا پارا آسمان سے باتیں کرنا دکھائی دیتا ہے۔ "دو گھنٹے بعد اب آئی ہو پانی لے کر تمہیں دوسرے فضول کاموں سے فرصت ملے تو میری بات بھی سنو آج تک تم نے میرا کوئی کام وقت پر کیا ہے تو بتاؤ؟" اب اگر بہن سمجھدار اور فرمانبردار ہے تو "سواری بھائی دیر ہوگئی" کہہ کر بات ٹال دے گی لیکن اگر بہن بھی ترش مزاج اور بے رحم ہے تو "اب کچھ دیر" سے گی وہ جو

ہوگا؟ انتخاب قدم کوئی پسے ہی نہیں اٹھالیتا۔

ہمارا مشاہدہ ہے کہ نوجوان گھروں میں پرسکون نفاذ نہ ہونے، آئے روز لڑائی جھگڑا رہنے اور والدین کے باہمی کشیدہ تعلقات کی وجہ سے گھر سے فرار ہونے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر والدین ان کے جائز مطالبات نہیں مانتے جن میں پسند کی شادی کا مطالبہ سرلہرست ہوتا ہے تو وہ خودکشی تک کرنے پر چل جاتے ہیں۔ نوجوان زیادہ جو شیلے ہوتے ہیں۔ جوانی میں جو جوش اور جذبات انسان میں پائے جاتے ہیں وہ کسی اور عمر میں نہیں ہوتے۔ جذبات میں آکر نوجوان گھر سے فرار ہوتے ہیں اور خودکشی کر جاتے ہیں۔

آپ نے محسوس کیا ہو گا کہ ہمارے حوصلہ گھراؤں میں بہت معمولی بات پر جھگڑا شروع ہوتا ہے اور بات کہیں سے کہیں جا پہنچتی ہے۔ بات چلتی کہیں سے ہے اور ختم کہیں اور جا کر ہوتی ہے۔ مثلاً شوہر صاحب دفتر سے آئے ہیں۔ بیگم صاحبہ کو کھانا گرم کرنے میں دیر ہوگئی ہے تو وہ فرمانے لگتے ہیں ہمیشہ سے تمہاری عادت ہے کبھی وقت پر کھانا نہیں ملتا۔ تم کبھی بھی میرا کوئی کام وقت پر نہیں کرتی۔ تم نے ہمیشہ مجھے نظر انداز کیا ہے۔ یہ میرا حوصلہ ہے کہ تمہیں برداشت کر رہا ہوں اور ہوتا تو کب کی دوسری لے آیا ہوتا۔ آپ نے دیکھا کہ بات کہیں سے شروع ہوئی اور کہیں جا پہنچی۔ اب اگر بیگم صاحبہ بھی غصے کی تیز ہیں تو معاملہ مزید بگڑ سکتا ہے اور بات مزید بڑھ سکتی ہے۔ اگر بیگم صاحبہ کہیں "ہمیشہ تو وقت پر کھانا گرم کرتی ہوں آج ہی چند منٹ کی دیر ہوئی ہے اور آج ہی آپ نے غصہ نکال لیا۔ میں نے ہمیشہ آپ کا خیال رکھا اور ہمیشہ آپ کی خدمت کو اپنا ایمان سمجھا مگر آپ نہ جانے کیوں مجھے غلط سمجھتے ہیں۔" یہ تو ٹھیک ہے بات آگے نہیں بڑھے گی لیکن اگر بیگم صاحبہ فرمانے لگے "میں نے کبھی تمہیں غصہ نہ دیا ہے" تو آپ کیا کریں گے؟

بچے جذباتی ہوتے ہیں جذبات کی رد میں کوئی بھی قدم اٹھا سکتے ہیں لیکن والدین تو ہاشور ہوتے ہیں وہ کیوں ان کی نفسیات کو نہیں سمجھتے؟ بعض والدین بچوں کے ساتھ بچہ بن جاتے ہیں ان کی ضد کو پورا کرتا اپنی انا کی شکست تصور کرتے ہیں جس کے نتائج بڑے بھیا تک نکلتے ہیں لہذا والدین کو بچوں سے ہرگز ہرگز مقابلہ نہیں کرنا چاہئے اور نہ ہی ان کی کسی بات کو مانا کا مسئلہ بنانا چاہئے بلکہ کشادہ دل و دماغ سے ان کی بات سن کر کوئی فیصلہ صادر کرنا چاہئے۔

آج کے دور کا سب سے بڑا مسئلہ جذباتی پن ہے اور جتنی بھی سماجی و معاشرتی برائیاں ہمیں نظر آتی ہیں۔ سب کے پیچھے جذبات کا ایک بھی نہ قسم ہونے والا سلسلہ ہے۔ والدین بڑی حد تک ان مسائل کو کم کر سکتے ہیں اگر وہ خود کسی مسئلے کا شکار ہیں تو ٹیبلٹ کمرے میں اس پر گفتگو کریں اور اس کا حل تلاش کریں۔ بچوں کے سامنے اونچا اونچا بولنا اور محلے والے بھی کب کسی کو معاف کرتے ہیں گل کو طعنے دیکر آپ کے گھرانے کا ہیٹا دو بھر کر دیں گے۔ اپنے گھر کو بچائیں۔ اپنے بچوں کے مستقبل کو داؤ پر مت لگائیں۔ خدا را انہیں خود کشی پر مجبور نہ کریں اپنی جھوٹی انا کی جینٹ مت چڑھائیں۔ اپنے گھر کی خبر لیں۔ بچوں کے دوست نہیں ان کے مسائل حل کریں اور اپنے مسائل ان پر ٹھونسنے کی کوشش نہ کریں۔ اگر ہر گھر اس بات پر عمل کرے تو پورا معاشرہ درست ہو سکتا ہے۔ نوجوانوں میں گھر سے فرار اور خود کشی کے واقعات ختم ہو سکتے ہیں کیونکہ کوئی بھی شخص اپنی جان کو خوشی سے ضائع نہیں کرتا۔ والدین ہی اس مسئلے کو سلجھا سکتے ہیں اگر ان کو شعور آجائے تو ہمارا مستقبل حریہ روشن ہو جائے اور نوجوانوں کے جذباتی مسائل حل ہو جائیں۔

تمہارے دوستوں کی خاطر یہی کرتی ہوں وہ بھول گئے، جو تمہارے کپڑے استری ہو جاتے ہیں کیا خود ہی ہو جاتے ہیں اور جوتے بھی فرشتے پاؤں کر جاتے ہوں گے۔ تم نے آج تک میرے کس کام کا احسان مانا ہے جو اب مانو گے۔ اور معاملہ بگڑتا چلا جاتا ہے۔ بہن بھائی میں ٹوٹو میں میں ہوتی ہے اور چند روز بات چیت بند رہتی ہے پھر کوئی دلچسپ اخلاق مسلح کا باعث بن جاتا ہے لیکن کچھ ایسے نوجوان بھی ہوتے ہیں جو ایسی باتوں کو دل سے نکالیتے ہیں اور جس گھر میں ایسی باتیں روز کا معمول بن جائیں وہاں سے فرار کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں۔

سہاں، بیوی، بہن، بھائی، باپ، بیٹا اور اسی طرح دوسرے افراد کے باہمی تعلقات اگر کشیدہ ہوں تو گھر کی فضا بوجھل، ناسازگار اور ناخوشگوار دکھائی دیتی ہے۔ جس سے تمام گھرانے کی جذباتی زندگی پر بہت ناخوشگوار اثرات مرتب ہوتے ہیں اور وہ راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہم بات کو شروع تو کسی اور انداز میں کرتے ہیں مگر وہ حالات و واقعات کے تناظر میں کوئی اور صورت حال اختیار کر لیتی ہے جس کے نتائج مثبت بھی ہو سکتے ہیں اور منفی بھی اور اکثر منفی پہلو ایسی باتوں کے زیادہ ہوا کرتے ہیں اب دیکھنا یہ ہے کہ ان کا سدباب کیسے کیا جائے۔ کیسے بچوں کو گھروں سے فرار ہونے سے روکا جائے؟ کیسے انہیں ایک صحت مندانہ زندگی بسر کرنے کی طرف راغب کیا جائے؟ تو اس کا آسان حل والدین کے آپس کے خوشگوار تعلقات میں مضمر ہے۔ اگر بچوں کو گھر میں محبت کرنے والے والدین اور خوشگوار ماحول میسر ہو تو کیوں وہ راہ فرار اختیار کریں اگر ان کی تمام جائز خواہشات کا احترام کیا جائے تو کیوں وہ خود کشی پر مجبور ہوں؟

سید اختر

پتے وال



باجی کے گھر کا ماحول میرے لئے بالکل اجنبی تھا۔ میں اپنی نو سال کی عمر میں صرف ایک بار بھائی گل کے ساتھ انہیں ملنے آئی تھی مگر اب مجھے مستقل طور پر یہاں رہنا تھا۔ امی، ابو، بھائی گل اور بھیلی باجی سبھی نے میرا ساتھ چھوڑ دیا اور میں تنہا اجنبی ماحول میں سسک رہی تھی۔

ایک لڑکی کی چٹا جس نے اپنی کمزوری کو دوسروں کی طاقت بنادیا۔

میرے والد ایم ای ایس کے محکمے میں ایس ڈی او کے عہدے پر فائز تھے۔ وہ ہمارے عروج کا زمانہ تھا مگر میں کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ روپے پیسے کی فراوانی تو تھی ہی والد صاحب کے ہمدرد ذوق نے گھر کو آس پاس کا علاقہ دیا ہوا تھا۔ ہم چار بھنٹیں اور

میں ابھی چھ برس کی ہی تھی کہ گردشِ دوراں نے میری مسکراہٹوں کو آہوں میں بدل کر مجھے مصائب و آلام کی راہوں پر ڈال دیا۔ میں ان انجانی پگھلائیوں پر حیران و پریشان چلتی رہی۔ اس امید پر کہ شاید کبھی سکول کی بھول سے۔

Digest.pk

اُبھنوں اور پریشانوں میں کوئی کمی نہ ہوئی۔
بھائی کی نگاہوں کا مرکز صرف میری ذات
تھی۔ دفتر سے واپس آ کر شام کو بہت کم باہر جاتے
تھے۔ انہوں نے مجھے ماں باپ، بہن اور بھائی
سب کا پیار دیا۔ ایک دن بھائی کو اچانک بخار نے
آلیا۔ پیہم صدمات نے کمزور تو پہلے ہی کر دکھا
تھا اس بیماری کا مقابلہ نہ کر سکے۔ سب ہمیں اکٹھے
ہو گئیں۔ مختلف ڈاکٹروں سے مشورے کیے گئے مگر
بے سود۔ دیئے کا تیل ختم ہو چکا تھا اور وہ صرف لٹٹا
رہا تھا۔ آخر جولائی کی ایک اور اس شام کو یہ چراغ
بھی ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا۔ میری دنیا تاریک
ہو گئی۔ اس وقت میری عمر تقریباً نو برس تھی۔

بھائی گل کی وفات کے بعد مجھے اپنے آپ بھائی
گھر کو ہمیشہ کے لئے الوداع کہنا پڑا کیونکہ میری
کفالت بھائی نے اپنے ذمے لے لی تھی۔ وہ ایک
قیامت خیز گھڑی تھی جب میں اپنے اس گھر سے
رخصت ہو رہی تھی جہاں میرے والدین کے عروج
کی داستانیں مدفون تھیں۔ جہاں کی فضاؤں میں
بھائی گل کے پیار بھرے نفوس کی آوازیں ابھی
تک گونج رہی تھیں جس کے درد دیوار سے مجھے
پیاد تھا جو میرا اپنا گھر تھا۔ میں بھائی کے ہمراہ فیروز
پور سے لدھیانہ چلی آئی۔

بھائی کے گھر کا ماحول میرے لئے بالکل اجنبی
تھا۔ میں اپنی نو سال کی عمر میں صرف ایک بار بھائی
گل کے ساتھ انہیں ملنے آئی تھی مگر اب مجھے مستقل
طو پر یہاں رہنا تھا۔ امی، ابو، بھائی گل اور منجھلی بھائی
کبھی نے میرا ساتھ چھوڑ دیا اور میں تنہا اجنبی ماحول
میں سسک رہی تھی۔ میرے چہرے کی مسکراہٹ ختم
ہو چکی تھی۔ یہ وقت کبھی کبھی سکون میں بھی
گزر جاتا تھا۔ مگر وہ کبھی نہ تھا جس میں بھائی

تین بھائی تھے۔ ایک بھائی بچپن ہی میں فوت ہو گیا
تھا۔ میں سب سے چھوٹی تھی وقت بڑے مزے سے
گزر رہا تھا مگر زمانہ کہاں ایک سار رہا ہے۔ ہمارا تیشم
بھی تغیر کی لپیٹ میں آیا اور ہماری دنیا تہہ و بالا ہو گئی۔
سب سے بڑے بھائی ایم بی بی ایس کے سال
اول میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ وہ چند دن پیارہ
کر چل بسے۔ امی ان کی بے وقت موت کے صدمے
کی تاب نہ لا کر اپنے بیٹے سے جا ملیں۔ گردشِ دوہاں
نے اس پر اکٹھا نہیں کیا۔ امی کی وفات کے چند ماں
بعد پاؤں پھسل جانے سے ابو کا انگوٹھا ڈھکی ہو گیا۔ اور
زبان بند ہو گئی۔ ڈاکٹروں کا کہنا تھا کہ زہریلا مادہ جسم
میں سرایت کر گیا ہے جس کی وجہ سے قوت گویائی جاتی
رہی ہے۔ ابو تین دن اس حال میں رہے اور پھر ہم
سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئے۔

ابو کے بعد ہر طرح کی ذمہ داری بھائی گل پر
آ پڑی۔ جن کی عمر صرف 20 سال تھی۔ وہ دو بہنوں
سے چھوٹے تھے۔ انہیں دنیا کا کوئی تجربہ نہ تھا مگر
حالات کے سامنے سینہ سپر ہو گئے۔ باقی شادی شدہ
تھیں۔ ان کے مشورے سے دونوں بہنوں کی
شادیاں کر دی گئیں اور اس طرح کسی حد تک ذمہ
دار یوں کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔

اب بھائی اور میں تنہا رہ گئے۔ گھر کی ویرانی
کھانے کو دوڑتی تھی۔ کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ تقدیر کی
ستم ظریفی ہمارے آشیانے کے ٹکڑوں کو اس بے
دردی سے کھیر دے گی۔ پیہم صدمات نے بھائی گل
کو بہت کمزور کر دیا تھا۔ دوستوں کے ساتھ سیر و تفریح
بھی چھوڑ دی تھی۔ تعلیم کا سلسلہ بھی ختم کرنا پڑا اور وہ
بی ایس سی کرنے سے قاصر رہ گئے۔ انہوں نے
فوج میں ملازمت اختیار کر لی۔ اس سے وقت
گزرنے کا ایک ذرا سا ٹھیک لگ گیا مگر وہ

حاصل کہاں سے آتا؟ ایسے محسوس ہوتا تھا کہ سانس کی آمد و رفت ہمیشہ کے لئے رُک جائے گی مگر وقت کی بجلی میں پسنے کے لئے مجھے ابھی زعمہ رہنا تھا۔

میری توجہ اب صرف ایک مرکز پر مرکوز ہو کر رہ گئی کہ مجھے تعلیم حاصل کر کے اپنے پاؤں پر جلد از جلد کھڑا ہو جانا چاہئے۔ یکم صدقات اور حالات کی مسلسل ناسازگاری نے میرے دل میں وہ درد پیدا کر دیا جس نے مجھے ذکی انسانوں کے دُشمنوں پر

بہت خیال رکھتی تھیں مگر تقدیر کے لگائے ہوئے دُشمنوں کا اعمال ان کے بس کی بات نہیں تھی۔

وقت کے ترکش میں کوئی ایسا تیر نہ تھا جس نے مجھے اپنا نشانہ نہ بنایا ہو۔ میرے آنسو ابھی خشک نہ ہوئے تھے کہ ٹھٹھکی باقی اس دنیا کو چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئیں۔ پھر کچھ عرصہ بعد چھوٹی باقی بھی چل بسیں۔ میرے سب بندھن تو پہلے ہی ٹوٹ چکے تھے۔ ان صدقات کو برداشت کرنے کے لئے

آٹھ روٹیوں کا قصہ

دو شخص اسٹے سفر پر روانہ ہوئے۔ راستہ میں کہیں بیٹھے کہ باہم کھانا کھائیں۔ ایک نے اپنے توشہ سے پانچ روٹیاں نکالیں اور دوسرے نے تین۔ اسی اثناء میں ایک شخص کا ان کے پاس سے گزر ہوا اور اس نے ان پر سلام کیا۔ انہوں نے اس کو بھی دسترخوان پر دعوت دی چنانچہ وہ بھی بیٹھ گیا اور شریک طعام ہوا، جب وہ کھا چکا تو اس نے اپنا جیب سے آٹھ درہم نکال کر ان لوگوں کے سامنے پیش کیے اور اپنے کھانے کا حساب چکانا چاہا۔ اب پہلے دونوں اشخاص میں ان درہموں کی تقسیم پر جھگڑا ہو گیا، جس کی تین روٹیاں تھیں وہ یہ کہتا تھا کہ ہم کو یہ آٹھ درہم آپس میں برابر تقسیم کرنا چاہئیں۔ دوسرا کہتا تھا کہ تمہاری تین روٹیاں تھیں اور میری پانچ لہذا اسی حساب سے پانچ درہم میرے تین تمہارے ہوئے۔ جب یہ معاملہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس پہنچا تو آپ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ بہتر ہے تم دونوں آپس میں صلح کر لو کیونکہ ایسی معمولی باتوں میں تم لوگوں کو نزاع کرنا زیب نہیں دیتا، لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تمناؤں کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ تب آپ کرم اللہ وجہہ نے تین روٹیوں والے سے کہا (جو شکایت لے کر آیا تھا) کہ "اگر تو واقعی فیصلہ حق چاہتا ہے تو تجھ کو صرف ایک درہم ملے گا اور باقی سات درہم تیرے ساتھی کے ہیں۔" یہ سن کر وہ حیران ہوا۔ بولا "سبحان اللہ ایسا کیونکر ہو سکتا ہے۔" حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ "میں بتائے دیتا ہوں، کیا تیری تین اور تیرے ساتھی کی پانچ روٹیاں نہ تھیں؟" اس نے کہا "جی ہاں۔" فرمایا "آٹھ کو تین پر ضرب دو تو چوبیس ہوئے (چوبیس حصے کرنے کا لائدہ آگے معلوم ہوگا) چونکہ تم کو یہ نہیں معلوم کہ کس نے زیادہ کھایا ہے اور کس نے کم اس لیے یہ ماننا پڑے گا کہ سب نے برابر کھایا ہے۔ پس تو نے بھی آٹھ ٹکٹ کھائے اور تیرے ساتھی نے بھی آٹھ ٹکٹ۔ اس تیرے آدمی نے بھی آٹھ ٹکٹ کھائے، اب تیرا سہم لوٹٹ تھا کیونکہ تیری تین روٹیاں تھیں ہر ایک روٹی کے تین حصے کیے تو ۹ حاصل ہوئے (۳×۳=۹) تو نے جو آٹھ کھا لیے تھے اس کے بعد ایک حصہ تیرا باقی بچا تیرے ساتھی کی پانچ روٹیاں تھیں، ہر روٹی کے تین حصے کیے تو (۳×۵=۱۵) پندرہ ٹکڑے بنے۔ فرض لے لو کہ کی بنا پر تیری طرح آٹھ ٹکڑے اس نے بھی کھائے سات ٹکڑے باقی بچے، یہ سات تیرے ایک ٹکڑے کے ساتھ مل کر آٹھ ہوئے، جو تیرے شخص نے کھائے پس اس آدمی پر تیرا ایک ٹکڑا صرف ہوا اس لیے تجھ کو ایک درہم ملنا چاہیے اور تیرے ساتھی کے ۷ ٹکڑے تھے، اس لیے اس کو سات درہم ملنا چاہئیں۔" یہ سن کر اس نے کہا "یا حضرت کرم اللہ وجہہ سب میں برابر ہو گیا۔" (بخاری، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، ابوداؤد، تہذیب) (لاہور)

Digest.pk

توقف کے بعد بڑی ہمدردی سے جواب دیا۔
 "تم جیسی بچیوں کے لئے کسی سفارش کی ضرورت نہیں۔"

ان لفظوں میں میرے لئے ایک امید کا پیغام تھا۔ کمرے سے باہر لگی تو میری آنکھوں میں آنسو تھے۔ انٹرویو کے تقریباً ایک ماہ بعد میری تعیناتی کے احکام آگئے۔ میں بے حد مسرور تھی۔ میں اپنی ملازمت پر حاضر ہوئی۔ یہ میری زندگی کا نیا دور تھا۔ خدائے پاک سے کئے ہوئے وعدوں کو پورا کرنے کا وقت آن پہنچا تھا۔ اللہ کا نام لے کر میں نے ان ماہوں پر چلنا شروع کر دیا جو پہلے سے میرے سامنے متعین تھیں۔ میں اپنے کام میں منہمک ہو گئی۔ بے سہارا بچوں کی زبرد رگت، اُن میں پھنکی مسکراہٹ ان کی یاس بھری نگاہیں، ان کے پرمزورہ اور خاموش چہرے، ان کا بوسیدہ لباس ان کی ہانکوں پر لرزے ہوئے آنسو، ان کے دکھوں پر سے پردہ اٹھانے کے لئے کافی تھے۔ میں نے اپنا فرض بھجانتے ہوئے ان کی طرف پوری توجہ دی۔ خدائے پاک کا احسان عظیم ہے کہ میرے اس جذبے میں ذرا برابر کی واقع نہیں ہوئی۔ والدین کی شفقت سے محروم بچوں کی دلجوئی میرا مقصد حیات ہے۔ میں ان کے مرجھائے ہوئے چہرے نہیں دیکھ سکتی۔ انہیں ہنسا دیکھ کر مجھے سکون ملتا ہے۔ بی اے کا امتحان دیا تو سیکنڈ ڈویژن میں کامیاب ہوئی۔ اس سال بی ایڈ کے امتحان میں بھی کامیاب ہو چکی ہوں۔ خدائے برتر ہی محنت کا ثمر دینے والے ہیں۔ شاید کسی محسوس کی دعائیں میری کشتی امید کو ساحل تک پہنچا دیں۔ خدائے قدوس سے دعا ہے کہ جب تک دم میں دم ہے میں جدوجہد کرتی رہوں تاکہ میرے وطن کا کوئی بچہ بے سہارا نہ رہے۔

مرہم رکھنے کے لئے اپنی تمام زندگی وقف کر دینے کا مشورہ دیا اور میں نے فیصلہ کر لیا کہ اپنے لئے نہیں ڈنگی انسانیت کے لئے مجھے زندہ رہنا ہے۔ اس کے پیش نظر میں ساری دنیا سے بے نیاز ہو کر اپنی پڑھائی کی طرف پوری متوجہ ہو گئی۔

میں نے گورنمنٹ کالج کالج کالج پور سے ایف اے کا امتحان پاس کیا۔ حالات کے پیش نظر تعلیم جاری رکھنا مناسب نہ سمجھا اور فرینک کلاس میں داخلہ لیا۔ لیڈی میکلیکین کالج سے سی ٹی کی تربیت حاصل کی۔ لب ملازمت کا سول سامنے آیا۔ میرا کوئی سفارش کرنے والا نہ تھا۔ خدایا میرا حامی و ناصر تھا۔ لاہور سے انٹرویو کی اطلاع آئی تو باجی نے مشورہ دیا کہ ایک رشتے دار خاتون جو خود اعلیٰ منصب پر فائز تھیں اور جن کا محکمہ تعلیم میں بڑا اثر تھا۔ ان سے سفارش حاصل کی جائے مگر میرے ضمیر نے اجازت نہ دی اور دل نے کہا:

"توں سے تجھ کو امید خدا سے نومیدی

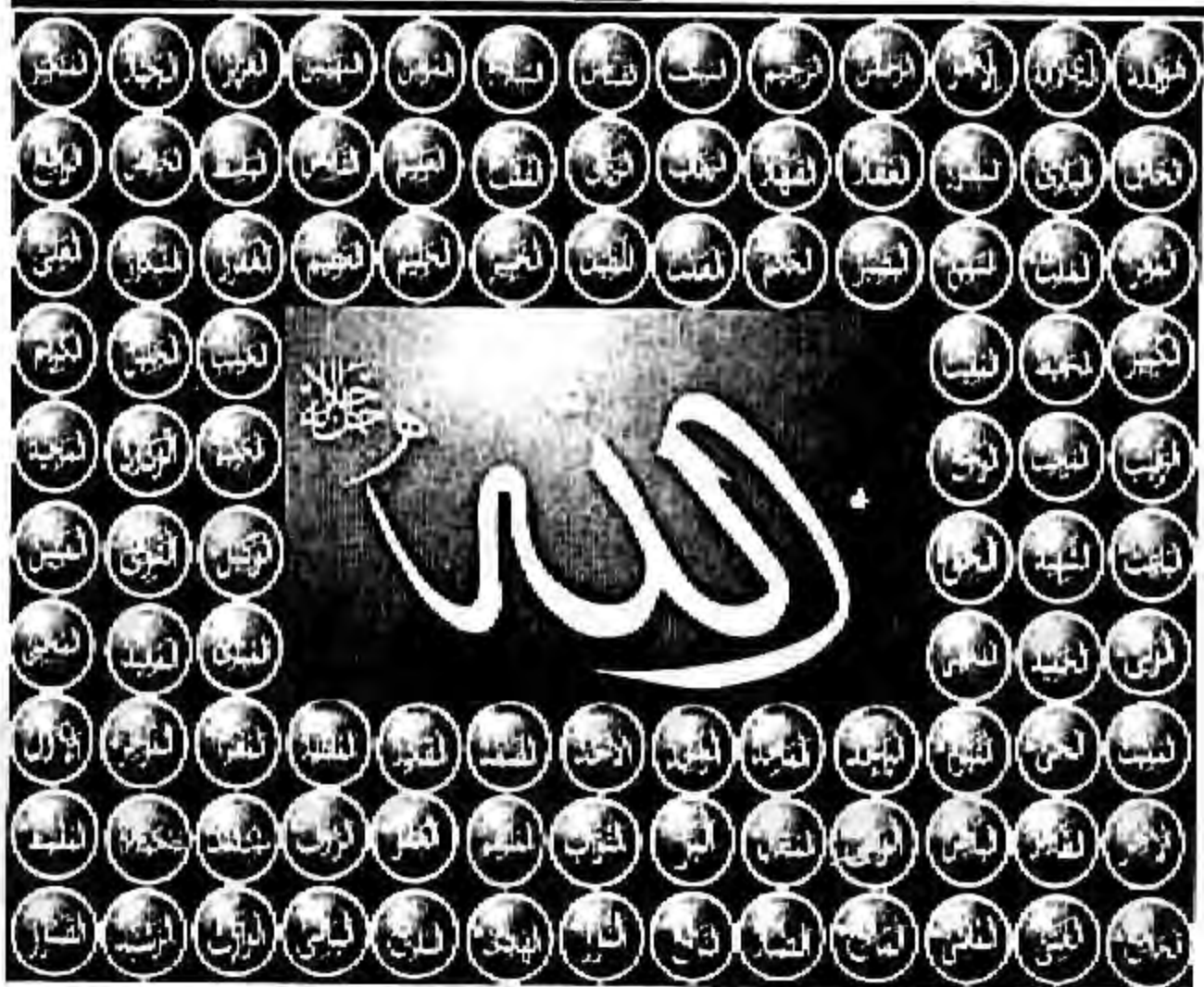
مجھے بتا تو سکی اور کافری کیا ہے"

لاہور پہنچ کر میں نے سفارش کردانے کا فیصلہ بدل دیا اور اپنی کشتی امید کو خدائے بزرگ و برتر کے سہارے پر چھوڑ دیا۔

انٹرویو کے لئے تقریباً ڈیڑھ سو کے قریب لڑکیاں جمع تھیں۔ اتنی بڑی تعداد کے پیش نظر اپنی کامیابی کی امید نظر نہیں آ رہی تھی۔ بہت سی لڑکیاں ملازمت کا تجربہ بھی رکھتی تھیں۔ انٹرویو مس قریشی اور مسز صدیقی لے رہی تھیں۔ اپنی باری پر میں بھی کمرے میں حاضر ہوئی۔ چند ایک سوالات انگریزی میں پوچھے گئے پھر اردو میں۔ میرے خانگی حالات کے متعلق بھی سوالات ہوئے۔ جواب دیتے ہوئے میں نے یہ کہنے کی جسارت کی کہ میرے پاس کوئی سفارش نہیں ہے۔

میرے اس جملہ پر مس قریشی نے چٹائی، اور قد رے

Digest.pk



اسماء الحسنیٰ کا میاں بی کا راسخہ

پیر شاہ محمد قادری

اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں سے آپ کے مسائل کا حل

تک پہنچ جاتی ہے ایسی فضول سوجھ بوجھ سے میرا ذہن،
حراج بہت خراب ہو رہا ہے میں سمجھتی ہوں کہ مجھے
اپنی اصلاح کرنی چاہیے۔ اس کے لئے آپ سے
راہ نمائی کی درخواست ہے میں چاہتی ہوں کہ میں
صحت مند سوچوں والی ایک اچھی لڑکی بن جاؤں اور
خوش مزاج ہو جاؤں۔

میں نے آپ سے اپنی بات کہی ہے کہ آپ

سعدیہ نورین۔ لاہور

محترم! اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے طویل
عمر سے آپ سے رابطہ کرنا چاہ رہی تھی میں ایک
بہت ہی عجیب الجھن میں مبتلا ہوں مجھے چھوٹی
چھوٹی باتوں پر بے تحاشا غصہ آتا ہے اور پھر میں
انتقام لوگوں سے بدلہ لینے کا منصوبہ بناتے لگتی ہوں
اور اس خیالی جگہ میں نوکرت کی عمارت کی طرح

Digest.pk

ہیں کوئی حمل ہی نہیں ٹھہرتا۔ ہمارے داماد صاحب تو بہت اچھے اور سچے ہوئے آدمی ہیں مگر ان کی والدہ گزشتہ ایک لڑکھ برس سے دوسری شادی کے لئے زور دے رہی ہیں جس کی وجہ سے میری بیٹی اور ہم بہت پریشان ہیں کئی لوگوں سے پوچھا ہے انہوں نے بتایا ہے کہ کسی نے حسد اور جلن میں اولاد کی بندش کروائی ہے کہ اول تو اولاد ہو ہی نہیں اور اگر ہو تو لڑکی ہو، آپ سمجھ سکتے ہیں کہ آجکل بیٹی کو بچانا کس قدر مسئلہ ہے ابھی دو بہنوں کی شادی اور بھی کرنی ہے مہربانی فرما کر کچھ ایسا کر دیجئے یا علاج در عظیم یاد دیجئے کہ میری بیٹی کو اللہ تعالیٰ اولاد کی نعمت عطا کر دے اور ان کی ساس کا رویہ بہتر ہو جائے ہمیشہ دعا گو رہو گی۔

☆ عزیز بہن! اللہ تعالیٰ آپ کی ولور ہر بیٹی کا کمر سلامت رکھے (آمین) "یا وارث بکثرت پریمیں۔ اللہ تعالیٰ فضل و کرم فرمائے گا۔ انشاء اللہ ربمانہ تبسم۔ جنت اچھی۔ پنجاب

○ محترم! اللہ تعالیٰ آپ کو دونوں جہانوں کی خوشیاں عطا فرمائے آمین۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں اپنے خالہ زاد بھائی کو پسند کرتی ہوں وہ بھی مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے لیکن اس کی بہن ہرگز نہیں چاہتی ہے وہ اپنی نند کی بیٹی سے اپنے بھائی کی شادی کرنا چاہتی ہے اس کی سہ کی بیٹی کی آنکھ بچپن میں چپک کی وجہ سے ضائع ہو گئی تھی مگر اس کو انہوں نے کہا کہ اگر تم یہ شادی کروادو تو تمہیں چار، چار تولے کے کڑے ملیں گے۔ یہ بات مجھے خود اس نے ایک مرتبہ ناراضگی میں بتائی تھی کہ اگر تم شادی کرنا چاہتی ہو تو مجھے 10 تولے کے کڑے دو وہ تو آٹھ تولے کے دے رہے ہیں۔ کیا کوئی بہن اتنی بھی لالچی ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے ہی بھائی کا گھر جلد کسے؟ اس مسئلہ کو کوئی ایسا حل بتائیے کہ میری بہن مجھے مل

اپنی اصلاح چاہتی ہیں اور جاپانی اصلاح چاہتا ہے ضرور کامیاب ہو جاتا ہے۔ آپ "یاد فح یا رشید یا شہید" ہر نماز کے بعد 120 مرتبہ پڑھ کر دعا کر لیا کریں۔ اول آخر 3 مرتبہ درود شریف نماز کی پابندی کیجئے۔

خانم پری۔ کراچی

○ محترم! ہم لوگ کوئٹہ کے رہنے والے ہیں اور بزنس کے سلسلے میں کراچی میں رہتے ہیں میرا مسئلہ یہ ہے کہ ایک لڑکا مجھ میں دلچسپی لینے لگا ہے ابتداء میں میں نے کوئی توجہ نہیں دی کیونکہ ہم لوگ غیر پنجاب میں رشتہ نہیں کرتے ہیں اس نے مجھے خط لکھے فون کیے۔ لیکن میں نے ہمیشہ نظر انداز کیا مگر پچھلے دنوں اس نے مجھے پیغام بھجوایا کہ اگر میں نے اس کی محبت کا جواب محبت سے نہ دیا تو وہ خودکشی کر لے گا دوسرے دن اس نے اپنے پیٹ میں گولی مار لی۔ خیر بہت لمبا قصہ ہوا۔ وہ بھی بہت خوش حال لوگ ہیں ایک دن اس کی والدہ ہمارے گھر رشتہ لے کر آئیں حسب روایت ہم نے معذرت کر لی مگر وہ بہت روئیں میری والدہ کو لڑکا پسند آیا وہ بہت خوبصورت، تعلیم یافتہ اور اعلیٰ فیملی ہے مگر ہمارے والد صاحب مانتے نہیں ہیں اب بچ پوچھئے تو مجھے بھی اس سے لگاؤ یا پھر محبت ہو گئی ہے اس مسئلے میں ہماری راہ نمائی کیجئے تاکہ ہماری زندگی میں بہار آجائے۔

☆ عزیز بیٹی! اللہ تعالیٰ تمام والدین کو اپنے بچوں کے حق میں صحیح فیصلے کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین) ہر نماز کے بعد 141 مرتبہ "یا جامع یا فاتح یا لطیف" پڑھ کر دعا کیا کریں اول آخر 11 مرتبہ درود شریف۔

نوریدہ الفضل۔ حیدرآباد سندھ

○ محترم! میری بیٹی کے اکثر حمل ضائع ہو جاتے ہیں عموماً ایسا تیسرے ماہ کے آخری ہفتے میں ہوتا ہے صرف ایک بیٹی ہے اس کے بعد سبھی سال بچے

Digest.pk

فرمائے۔ (آمین) بہتر تو یہ ہے کہ آپ نئی نسل کے لوگ صلح کی جانب پیش قدمی کریں اور باہمی مشورہ سے اس کو حل کر لیں۔ آپ لوگ سہ پہر 3 بجے سے 8 بجے شام تشریف لاسکتے ہیں۔ جتنے کے دن تشریف نہ لائیں۔

روینہ کوثر۔ منڈی بہاؤالدین

○ محترم! میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں پنجاب یونیورسٹی کی سٹوڈنٹ ہوں ہاؤ جود نہ چاہنے کے میں ایک لڑکے سے متاثر ہو گئی اس نے مجھے بہت سہارا دیا بحیثیت ایک اچھے دوست، لیکن چاہی نہیں چلا کہ کب ہماری دوستی محبت میں داخل ہو گئی اس نے بہت غلوں سے اپنی محبت کا اقرار کیا اس کے بعد اس نے اپنی والدہ کو منڈی بہاؤالدین رشتے کے لئے ہاقاعدہ بھیجا۔ وہ بہت سلجھے ہوئے لوگ ہیں لیکن بد قسمتی یہ کہ میری ماں اس شادی کے لئے قلعہ راضی نہیں ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ میں برادری میں کہا منہ دکھاؤں گی؟ جبکہ میرے والد بہت نرم دل اور صلح جویانہ ہیں وہ کہتے ہیں کہ بچوں کو خوش رہنے دو۔ میں یہ چاہتی ہوں کہ آپ ہمارے لئے ایسی مہرانی فرمائیں کہ میری والدہ محترمہ اپنا بے چارہ سے باز آجائیں اور ہاں کہہ دیں آپ کی یہ بیٹی ہمیشہ کے لئے آپ کی احسان مند، آپ کے لئے دعا گو رہے گی۔

☆ اچھی بیٹی! اللہ تعالیٰ آپ کو اور تمام بیٹیوں کو اپنے تمام جائز شرعی حق خوش اسلوبی سے عطا فرمائے (آمین) آپ ہر نماز کے بعد 141 مرتبہ "یا سلام یا جامع یا جبار" پڑھ کر دعا کیا کریں۔ اول آخر 11 مرتبہ درود شریف۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کامیابی عطا فرمائے (آمین)

یاسمین لیاقت۔ کینیڈا

○ محترم! اللہ تعالیٰ آپ کو سوائے خیر دے۔

☆ عزیز! اللہ تعالیٰ آپ کو سوائے خیر دے۔

جائے اور وہ بے جا داخلت سے باز آجائیں۔
☆ عزیز بیٹی! جب انسان کی آنکھوں پر حرص اور طمع کی پٹی بندھ جائے تو پھر وہ رشتوں کے احترام اور غلوں کو ہالائے طاق رکھ دیتا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو لالچ سے محفوظ اور مامون رکھے۔ (آمین)
"یا عزیز یا جامع یا مجیب" 313 مرتبہ بعد نماز عشاء پڑھ کر دعا کیا کریں اول آخر 11 مرتبہ درود شریف نماز کی پابندی کیجئے۔

نبیلہ گل۔ حیدرآباد

○ محترم امیری تمنا بیٹیاں ہیں اب ہم چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اولاد فریاد کی نعمت سے نوازے۔ آپ کی دعا میں اللہ نے بہت تاثیر رکھی ہے۔ میرے لئے دعا کر دیجئے کہ اللہ تعالیٰ یہ خوشی ہمیں عطا فرمادے۔ اور میرے لئے طالع درمغیم بھی بنا دیجئے میرے شوہر پر دفسر ہیں اور وہ آپ کی کتب نہایت شوق سے پڑھتے ہیں۔ آپ کی ترقی درجات کے لئے ہمیشہ دعا گو آپ کی بہن۔

☆ عزیز! بہن! دعاؤں کا شکر ہے۔ پروفیسر صاحب کا بھی شکریہ کہ وہ میری کتب کو شوق سے دیکھتے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو یقیناً اولاد فریاد کی خوشیوں سے نوازے گا۔ (انشاء اللہ)

شاہدہ اکرام۔ کراچی

○ محترم! ہمارے خاندانی مقدمات برسوں سے چل رہے ہیں لیکن کوئی نتیجہ نہیں نکل رہا ہے سوائے اس کے ہمارے گھر زمین بک رہی ہیں اور وکیل خوشحال ہو رہے ہیں کوئی ایسا طریقہ بتائیے کہ جس سے ہماری چالیس پینتالیس سالہ پرانے مقدموں سے جان بچوٹ جائے جن میں سے اب کی مر بھی گئے ہیں۔ ہم آپ سے ملاقات کے لئے حاضر ہونا چاہتے ہیں آپ کی بہن۔

☆ عزیز! اللہ تعالیٰ آپ کو سوائے خیر دے۔

Digest.pk

کہ جس کی برکت سے یہ محبت نکل جائے۔ آپ کی بہت مہربانی ہوگی۔ ہم لوگ یہ چاہتے ہیں کہ آپ یہاں تشریف لے آئیں اور تمام دفتر، گھر اور کاروباری جگہوں کا ذاتی طور پر معائنہ فرمائیں، ویزا اور ٹکٹ جب آپ فرمائیں گے ارسال کر دیئے جائیں گے بس آپ کی اجازت کا انتظار ہے۔

بہتر عزیز بہن! اللہ تعالیٰ آپ کو ہر قسم کے جادو، اور حسد اور شر سے محفوظ و مامون رکھے۔ (آمین)

آپ ہر نماز کے بعد 141 مرتبہ "یا حنیف یا جبار یا مقدر" پڑھ کر دعا کریں اول آخر 11 مرتبہ درود شریف۔ بکثرت سورہ بقرہ کی تلاوت کا اہتمام کیجئے۔ 41 یوم کے بعد کیفیت سے دوبارہ مطلع فرمائیے گا۔ اللہ تعالیٰ جملہ مسلمانین اور مسلمات کو ہر قسم کے شر اور ضرر سے محفوظ اور مامون رکھے۔ (آمین)

سیما۔ ہانگ کانگ

○ محترم! ہم لوگ یہاں پر ایک ریسٹورنٹ چلاتے ہیں اللہ کا فضل ہے کہ بہت اچھا چل رہا ہے اب ہم ایک اور ریسٹورنٹ خرید رہے ہیں یہاں ایک ریسٹورنٹ میں آپ کی ایک بہت ہی خوبصورت لوح ہم نے آویزاں دیکھی ہے وہ صاحب پاکستانی ہیں اور پنجاب کے شہر گوجرانوالہ کے رہنے والے ہیں اور آپ کے مرید بھی ہیں وہ آپ کی بہت تعریفیں کرتے ہیں اور اس لوح کی برکت کی بڑی تعریف کرتے ہیں گزارش ہے کہ آپ ہمیں بھی ایسی ہی ایک لوح تیار فرمادیں چاہے اس کے لئے جتنے دن بھی لگیں اور جو ہدیہ بھی ہو۔ وہ لون دیکھنے میں اس قدر خوبصورت ہے تو اثرات میں بھی یقیناً بہت ہانگ کانگ کیوں ہم

بھی اس دریائے فیض سے کچھ حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ مسئلہ میری بیٹی کا ہے وہ یہاں ایک لڑکے میں 'الوانو' ہو گئی ہے۔ لڑکا مسلمان ہے شکل و صورت کا بھی اچھا ہے لیکن ابھی تک اس کے کاغذات نہیں بنے ہیں جبکہ وہ لڑکا شادی شدہ بھی ہے اور یہ بات اس نے چھپائی نہیں ہے مگر میری بیٹی اس سے شادی کرنے پر ہند ہے یہاں کا ماحول تو آپ جانتے ہیں کہ والدین لو جوان بچوں کے معاملات میں مداخلت نہیں کر سکتے ہیں مگر میں سمجھتی ہوں کہ میری بیٹی کا یہ فیصلہ سوائے جذباتی شدت کے کچھ نہیں ہے آپ ایک ماں کے دل کی کیفیت کو سمجھ سکتے ہیں کوئی ایسی صورت نکالنے کہ یہ معاملہ بہتر ہو جائے اور وہ اس خد سے باز آجائے۔ آپ کی ایک مجبور بہن۔

بہتر عزیز بہن! اللہ تعالیٰ آپ کی بیٹی کو ہر تمام بچہوں کو لکر سلیم عطا فرمائے (آمین) ہر نماز کے بعد 125 مرتبہ "یا قدوس یا ملک" پڑھ کر دعا کیا کریں اول آخر 9 مرتبہ درود شریف۔ نماز کی پابندی فرمائیں۔

سارہ احسن۔ لوسلو

○ محترم! ہمارے یہاں بہت عمدہ بزنس تھا۔ ہم ٹیلی فون، انٹرنیٹ سرورسز وغیرہ کے کارڈ کے ہول سیل بزنس سے منسلک ہیں کمپنیاں محض ہمارے نام پر ہی ڈسٹری بیوٹن آلات کر دیتی ہیں۔ الحمد للہ سب بہت اچھا چل رہا تھا لیکن گزشتہ 8 ماہ سے زوال ہی زوال ایک نئی مصیبت دروازہ کھڑی ہو جاتی ہے۔ برسوں کی محنت اور ساکھ داؤ پر لگی ہے یہاں ایک جرمن خاتون میرے کارڈز سے حالات بتاتی ہیں وہ کہتی ہیں کہ تمہارے اوپر محبت کا سایہ پڑ رہا ہے

تمہارے اوپر تمہاری کسی جاننے والی نے جادو کیا ہے۔ بے در پے نقصانیت اور پریشانیوں سے تو واپس لوٹ گئی ہے کہ ہم جانا ہمیں محبت کا شکار ہو چکا ہے۔ کوئی ایسی جھوٹ سیما! لوگوں کی عنایت فرمائیے

Digest.pk



سیدہ ڈائجسٹ کی ایک اور
ایمان افروز فخریہ پیشکش

قیمت: 160 روپے

۴۰ درخشندہ ستاروں کے

روح پرور اور بصیرت افروز

تذکروں پر مشتمل

- جنہوں نے اپنی آنکھوں سے جلوۂ یار کا بے نقاب مشاہدہ کر کے شرف صحابیت پایا
- جنہوں نے منبع رشد و ہدایت ﷺ سے براہ راست کسب فیض کیا۔
- جنہوں نے صاحب قرآن ﷺ سے قرآن کے رموز و اسرار سمجھے۔
- جنہوں نے اپنے خون جگر سے چینستان اسلام کی آبیاری کی۔
- جنہوں نے اپنے ارفع سیرت و کردار سے چہرۂ انسانیت کی سیابیں دمودا لیں۔
- جنہوں نے انتھک مخلصانہ جدوجہد سے جنت نظیر معاشرہ کی صورت گری کی۔
- جنہوں نے فیصلہ کن اور غیر مصالحانہ ٹکڑے کر باطل کو تہہ و بالا کر دیا۔

۵۰۰ صفحات پر مشتمل سفید کاغذ، عمدہ کتابت اور دیدہ زیب سرورق

شائع ہو گیا ہے

Digest.pk

کر شکرے کا موقع دیں۔

ہم عزیز بہن! اللہ تعالیٰ آپ کے تمام کاروبار میں خیر و برکت اور ترقی عطا فرمائے اور ہر حامد کی نظر اور شر سے محفوظ اور مامون رکھے (آمین) جس لوح کا آپ تذکرہ فرما رہی ہیں اس کی تیار میں کافی وقت لگتا ہے آپ کی فرمائش نوٹ کر لی گئی ہے جو فی تیار ہوئی آپ کو بھیج دی جائے گی دعاؤں اور تحفے کا شکریہ۔

نقش شب قدر

○ ماہ رمضان المبارک خیر و برکت اور انسانی ترقی اور درجات کے لئے مخصوص ہے۔ اس ماہ مبارک میں جس قدر عبادت الہی اور درود شریف کا معمول اختیار کیا جائے خیر و برکت، آخرت کی ترقی اور نجات کے لئے بہترین ہے۔ اس ماہ مبارک میں نماز تراویح تہجد کا خصوصی اہتمام کرنا چاہیے۔ اور زیادہ سے زیادہ درود شریف کا ورد کیا کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اس مبارک ماہ میں بطور خاص عالم انسانیت کی جانب متوجہ ہوتی ہیں۔ ذیل میں ہم ایک تجربہ شدہ عمل لکھتے ہیں۔ یہ عمل شب قدر کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ گزشتہ سالوں میں جن بہن بھائیوں نے اس عمل کو پوری شرائط کے ساتھ مکمل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک احمد مصطفیٰ ﷺ کے فضل ان کی حاجات پوری کیں۔ میرا ایمان ہے کہ جب بھی اللہ تعالیٰ کا نام غلوں نیت سے لیا جائے گا۔ کاموں میں آسانی اور مشکلات سے نجات ہوگی۔ جو بہن بھائی جس مقصد کے لئے بھی کریں گے۔ آئندہ رمضان تک وہ مقصد ضرور پورا ہوگا۔ انشاء اللہ۔ یہ عمل رمضان المبارک کا

چاند دیکھ کر شروع کریں۔ یہ عمل سورۃ القدر کا انتہائی جلیل القدر عمل ہے۔ جو کہ تیسویں پارے میں ہے۔ طریقہ: اول سب سے پہلے دو رکعت نماز حاجت اور کیجئے، پہلی رکعت میں ۱۳ مرتبہ سورۃ القدر لیں اور دوسری رکعت میں ۱۳ مرتبہ سورہ نصر پڑھیں اور اپنے مقاصد کے لئے دعا کریں۔ (یہ نماز حاجت پہلے دن پڑھیں) اس کے بعد مغرب اور عشاء کے درمیان اس سورہ مبارک کو یعنی سورۃ القدر صحت قرأت کے ساتھ 286 مرتبہ پڑھیں اور اول و آخر ۱۱ مرتبہ درود ابراہیمی کا ورد کریں۔ اور یہی عمل نماز فجر کے بعد کیجئے۔ 28 روز اس عمل کو بلا ناغہ کیجئے۔ 29 ویں روز بعد نماز عصر زعفران اور عرق گلاب کو ملا کر سیاہی بنائیں اور اس سورہ مبارک کو اعراب کی صحت کے ساتھ ایک سفید کاغذ پر لکھ کر محفوظ کر لیں۔ اور مغرب کے وظیفے کے بعد دم کر کے حفاظت سے رکھ لیں۔ اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کے رحم و کرم کا نظارہ کیجئے۔ بعد عمل اس سورہ کو ہمیشہ ۱۶ مرتبہ اول و آخر ۱۱ مرتبہ درود شریف ابراہیمی کے ساتھ ورد میں رکھیں۔ انشاء اللہ جملہ مقاصد عمل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہر دست غیب کھلے گا کہ دنیا دیکھے گی۔ اس عمل میں یہ خیال رہے کہ کوئی ناغہ نہ ہو۔ جگہ تبدیل نہ ہو۔ اور وقت وظیفہ خوشبو کا استعمال رہے۔ اس وظیفے کی اجازت عام ہے۔ یہ زندگی میں درپیش تمام مقاصد کے لئے پڑھا جاسکتا ہے۔ جو خواتین و حضرات اپنی مصروفیات کے باعث اس عمل کو خود نہیں کر سکتے تو وہ رابطہ کر کے اپنا نام نیم رمضان سے قبل نوٹ کروادیں۔

پیشوا محمد قادری B-359، محل ناؤن لاہور۔ پاکستان

فون نمبرز: 35168036-42-92+35167842

بذریعہ خط جواب کے لئے جوابی لائف لائن ارسال کریں

Digest.pk



تھوڑا سا آسماں

حسن علی

اُس نے دُھندلی آنکھوں کے ساتھ آریاں کود پھینے کی کوشش کی وہ جا رہا تھا۔ وہ اُس کا "حاصل" تھا۔ نہیں وہ حاصل نہیں کا اب تھا۔ وہ اُنھی مگر اپنا بیک وہیں چھوڑ گئی۔ بارش برس رہی تھی۔ وہ کالج کا گیٹ پار کر رہی تھی۔ چوکیدار اُس سے کچھ کہہ رہا تھا وہ چپ چاپ چل رہی تھی۔

ایک دیشیزہ کی کہانی جسے موت سے بہت ڈر لگتا تھا

کلنیں درست کیں اور اُس کی طرف بڑھ آئی۔ وہ ان کے گروپ میں نئی نئی شامل ہوئی تھی۔ اُن کے ڈپارٹمنٹ میں ہر گروپ چار چار افراد پر مشتمل تھا۔ اُس کا گروپ تین بڑی مشعل سے مشتمل تھا۔ اس وقت اس کا اپنا "باجی" یہ جو آپ

آرٹس کونسل کے احاطہ میں جیسے ہی اس نے قدم رکھا۔ پہلی نظر ہی آریاں پر پڑی۔ اُس کو لگا جیسے اُس نے کوئی اور دُعا بھی مانگی ہوئی تو وہ بھی قبول ہو جاتی۔ سادہ سے شلوار سوٹ میں اُس نے خود کو کافی احمق محسوس کیا۔ اس کے اُس طرح سے لباس کی

Digest.pk

پلیس بھپکائے بہت سے طلباء اس کے سامنے ہاتھ ہلاتے گزر گئے مگر وہ ساکت کھڑی تھی۔

پارسا نے بیک پر گرفت مضبوط کی اور اُن کی طرف تیزی سے بڑھ آئی۔ اپنی جھونک میں پلاٹ کی طرف آتے ہوئے اُس کی نظریں پودوں کو پانی دینے کے لیے رکھے پائپ پر نہ پڑیں۔ نتیجہ سامنے تھا۔ آریان، احمد کی بات کا جواب دے رہا تھا چونک کر مڑا اُس کی نظر لنگڑا کر اپنی طرف آتی پارسا پر پڑی۔ مٹی سے لت پت ہاتھ، ماتھے پر ایک ننھا سا پکھڑا، وہ کھکھلا کر ہنس پڑا۔ کمر پر ہاتھ رکھے وہ اذیت سے دوچار تھی۔ عاتشہ نے جلدی سے آگے بڑھ کر اُسے سنبھالا کہ کہیں وہ زمین پر ڈھیر ہی نہ ہو جائے۔ "پارسا! انسان چلتے وقت ادھر ادھر بھی دیکھ ہی لیتا ہے کیا تم نیند میں چل رہی تھیں؟" پارسا کو طعنے آ رہا تھا "مجھے کیا پتا تھا میرے خلاف کسی نے قتل کی سازش کر رکھی ہوگی" ہنسی ہلکوں پر آنسوؤں کی بارش عجب نگارہ پیش کر رہی تھی۔ یہ نین کا پہلا دن تھا۔ اسی طرح وقت کے سنگھول میں دلوں، مہینوں کے سکے گرتے رہے۔ وہ چاروں گہرے دوست بن گئے۔ مگر پھر بھی ان امیر زادوں میں اسے اپنا وجود بہت ہلکا پڑتا محسوس ہوتا۔ اگر اس کے گھر والوں کی طرف سے اعتماد کی دولت مہیا نہ ہوتی تو وہ کبھی یہاں تک نہ پہنچ پاتی۔ آج کالج میں ایک سالانہ تقریب تھی۔ پارسا نے گہرے رنگ کا سرخ چوڑی دار پاجامہ زیب تن کر رکھا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا اور گرد آؤرتی تتلیوں کے رنگ پارسا کے ساتھ چٹ گئے ہوں۔ وہ عاتشہ کے ساتھ کتابوں کے شال کے پاس کھڑی تھی۔ جب عاتشہ بولی "پارسا! آج میں تمہیں کچھ بتانا چاہتی ہوں۔ میں اور آریان کزن ہیں مگر پچھلے ہفتہ یہ رشتہ بدل گیا۔ اب ہم ایک دوسرے کی زندگی کے

کو داغہ ملا ہے یہ اُن ٹالپوں کے قتل ہے جو میں ہر جگہ ہرجوہ کے روز ہانپتی ہوں۔"

پارسیا کو اُس کی اس بات سے رتی برابر بھی اٹکارتہ تھا۔

دوسری طرف اماں جی تھیں جو داغہ ملنے پر اُسے گلے لگا کر بولی تھیں "بیٹا! میں نہ کہتی تھی خدا اپنے بندے کو کبھی اکیلا نہیں چھوڑتا۔ یہ تو بندے ہیں جو دنیا کی خواہش میں اپنے رب سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں"۔ ماں کی بات پر اس کے ذہن میں صرف ایک بات ابھری تھی۔ "خدا بندے کو نہیں چھوڑتا مگر بندے، بندے کو کیوں چھوڑ دیتے ہیں؟" یہ ساری باتیں وہ وہیں کھڑے کھڑے سوچے گئی۔ پھر ادھر ادھر سب کو متوجہ دیکھ کر زور سے اپنے سر پر دھب لگائی۔

آریان، احمد، مریم اکٹھے بیٹھے پارسا کا انتظار کر رہے تھے۔ آریان نے احمد کو دیکھا جو کچھ کہہ رہا تھا "یار! یہ پارسا چوہدری بھی ناں اپنی جگہ ایک وکھرا ہی نمونہ ہے۔ بہت ہی ڈل پر سنلش کی مالک بڑا سا دوپٹہ لپیٹے، آنکھوں میں ڈھیروں کا جل اٹھ لیٹے قتل سے چڑے ہال، بالکل ہی سائیکو کیس ہے"۔ عاتشہ نے بغور اُسے دیکھا اور بولی، "اُس کی شخصیت کے لیے اس سے بڑی بات کیا ہوگی کہ تم نے اُس کی شخصیت کو بغور جچ کیا۔ اگر وہ اپنی شخصیت میں دسکا نہیں جیسی تم دیکھنا چاہتے ہو تو وہ اُس کی نہیں تمہاری عقلی ہے احمد۔ ویسے بھی وہ بہت پر غلوں اور گریس فل ہے"۔ عاتشہ نے کافی حیکمے جواب سے احمد کو لوازا تھا۔ اُس کا منہ بن گیا اور آریان یہ دیکھ کر مسکرا دیا۔ اگلے لمحے اُسے بے تحاشا حیرت نے گھیر لیا۔ کالج کے احاطہ میں پارسا چوہدری مجسہ بنی کھڑی بنور اُس کی طرف دیکھتی ہوئی کھڑی تھی۔ بنور

آج میں اور پارسا ڈیٹ پر جا رہے ہیں۔۔۔۔۔ میں اُس کو اپنے سامنے جھکانا چاہتا ہوں۔"

پھر وہ اُن میں سے کسی کی بات پر قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔ وہ لو نے قدموں سے جس طرح گھرا آئی تھی صرف اُسے ہی پتا تھا۔ زندگی میں بہت بار زندگی ایسے موڑ پر ٹک جاتی ہے جہاں ساکت ہونا پڑتا ہے۔ سارا وجود محبت کے آنکھوں میں جکڑا ہوا لگتا ہے مگر جب محبت میں تذلیل ہونے لگتی ہے۔ جب دھیرے دھیرے محبت کا جال کنزور پڑنے لگتا ہے اور ایک لفظ وجود کو سہارا دینے لگتا ہے اور وہ لفظ "انا" ہوتا ہے۔ پارسا کو پتا تھا کہ اب اُسے ہر حال میں اپنا "عزت نفس" کو بچانا ہے۔

آریان اور پارسا پلاٹ کے سبز قطع میں بیٹھے تھے۔ عائشہ اور احمد لاہوری مگے ہوئے تھے۔ آریان کو اس کی خاموشی سے اُلجھن ہوئی "کیا آج ہم آؤنگ پر جائیں گے؟"

"ہاں کل نہیں" پارسا کے لہجے میں ٹھنڈک تھی۔
"یا چائیک تمہیں کیا ہو گیا؟؟" تشویش لیلیاں تھیں۔
"کسی کو اچانک کچھ نہیں ہوتا بلکہ کسی کے بدل جانے سے کچھ ہوتا ہے۔"

"کیا مطلب میں سمجھا نہیں.....؟"
"میں تمہاری حقیقت جان چکی ہوں" پارسا کا لہجہ خوناک تھا۔
"کونسی حقیقت.....؟" اس لمحے آریان کو اُس سے خوف آیا۔

"پتا ہے آریان ا کالج کے پہلے دن میرے بابا نے مجھے کیا کہا تھا؟" پارسا نے سوال کیا۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو زمین میں جذب ہو رہے تھے۔ وہ چپ تھا۔ پارسا نے اُسے مجھبڑوایا۔

"میرے بابا نے کہا تھا بیٹا ا کالج ایک ست

ساتھی بننے والے ہیں۔ میں بہت خوش ہوں۔" اُس نے خوشی سے پارسا کو بھی گھما ڈالا۔ اپنی خوشی میں وہ پارسا کے پیچھے پڑتے چہرے کو نہ دیکھ پائی تھی۔ پارسا کے ارد گرد کی چیزیں گھوم رہی تھیں۔ وہ ساکت کھڑی تھی آج زندگی اتنی بُدی کیوں لگ رہی تھی؟؟
کیا آریان اُسے دھوکا دے رہا تھا؟

یادہ خود ایک دن دیکھے جال، ذومعنی نعروں، شوخ نظروں کے سحر کا شکار ہوئی تھی؟

سر پر آسان ٹوٹا اور زمین میں زندہ دُہن ہونا کیسا لگتا تھا یہ پارسا چہرہ پر سے زیادہ کوئی اچھی طرح نہیں سمجھ سکتا تھا۔ زندگی سدپ کی رانی ہے یہ راز تو آج کھلا تھا۔ اُس کی پہلے نظریں عائشہ پر پڑیں اور پھر آریان پر..... درد کرب بن کر آنکھوں میں سٹ آیا۔ بھی وہ عائشہ سے آنسو چھپاتی پلٹ آئی۔ جاتے ہو گے وہ ٹھنک کر ڈک گئی۔ وہ بلاشبہ آریان تھا جو اس کی طرف پشت کیے مخالف گروپ کے لڑکوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا اور اس کے الفاظ پگھلا ہوا سیسہ بن کر پارسا کے وجود کو تھیس تھیس کیے دے رہے تھے۔ وہ ہنسا تھا "میرے وہ پارسا بڑی ٹیک پوین جتنی تھی آخر پھنس ہی گئی میرے جال میں اور یاد یہ بدل کلاس گھرانے کی لڑکیاں ہوتی ہی ایسی ہیں ہر کسی پر ڈورے لالنے والی۔"

ایک ایک کر کے سارے حیر پارسا کے جسم کے آر پار ہو رہے تھے۔ حیرت تھی کہ وہ اب بھی زندگی سے خوش نہی کا لباس اوڑھے کھڑی تھی۔ اس نے سنا وہ احمد کے سوال کے جواب میں کہہ رہا تھا۔
"ارے نہیں! وہ میرے لیے جان بھی دے سکتی ہے۔ میرے بغیر خودکشی کر لے گی۔ ہا۔ ہا۔ ہا۔"

موت سے بھی بہت بڑے درد ہوتے ہیں یہ پارسا کو اب اندازہ ہوا۔ آریان کے منہ سے لفظ ہوئے اگلے جملوں نے اُسے زندہ درگھر کیلایا "لہذا

کی قید سے آزاد ہو چکے تھے۔ بہروں میں نگر چیتے لگے۔ سرخ اور گاڑھا خون سڑک پر پھیلا ہوا تھا۔ بجلی کی چمکتی روشنی میں راستہ واضح نظر آرہا تھا پھر اس نے چادر پکڑ لی۔ وہ مسکرائی اماں کہتی تھیں "چادر عورت کی عزت ہے اسے تیز ہواؤں کے حوالے نہ کرنا۔"

اسے شوکر لگی۔۔۔۔۔ ناک سے سرخ رنگ کی کوئی چیز بہنے لگی۔ اس نے ناک پر ہاتھ رکھا۔ خون ہاتھوں کی لکیروں میں جم گیا اسے خوف آیا۔ پھر وہ گھر کے دروازے پر پہنچ گئی۔ مریم نے دروازہ کھولا۔ اس کو ایسی حالت میں دیکھ کر چیخ کر اس سے لپٹ گئی۔ وہ سو گئی گہری نیند۔ وہ بہت حساس تھی۔ پھر وہ صبح کے اچالے کے ساتھ ہی زندگی چھوڑ گئی کیونکہ اسے تو زندگی بُری لگتی تھی۔ مگر اس نے خودکشی نہیں کی تھی بلکہ صبح نماز کے وقت سجدے میں پڑے پڑے اس کا دل دھڑکنا بند ہو گیا تھا۔ لوگوں کا پتا نہیں مگر وہ خدا کو راضی کر چکی تھی کہتے ہیں تاں کہ "رب راضی تو سب راضی۔"

تھوڑا سا آسمان دے دو۔۔۔۔۔!

میری خالی ہتھیلی ہے۔۔۔۔۔!

میری آنکھوں میں آنسو ہیں۔۔۔۔۔!

میرے آنسو میں سنے ہیں۔۔۔۔۔!

میرے سہنوں میں زندگی ہے۔۔۔۔۔!

تھوڑا سا آسمان دے دو۔۔۔۔۔!

کہ میرا دل سنبھل جائے۔۔۔۔۔!

میرے آنسوؤں کو چائیں۔۔۔۔۔!

وعدہ کرو۔۔۔۔۔ جب بھی

موقع ملے گا۔۔۔۔۔!

تھوڑا سا آسمان دے دو۔۔۔۔۔!!

رنگی دنیا ہے اس کا حصہ نہ بن جانا۔ میری عزت کا پاس رکھنا۔ ہم غریبوں کے پاس عزت کی دولت کے سوا اور کچھ بھی قیمتی نہیں ہے۔ وہ مدد ہی تھی۔ بے تحاشا۔ کسی پارٹی ڈول کی طرح۔

"اور تم آریاں زیدی۔۔۔۔۔" اس نے نفرت بھری نظریں اس پر جمائیں "تم نے مجھ سے اسی دولت کو چھیننا چاہا۔ تم جانتے تھے کہ میری موجودگی میں تم لیٹ ڈاؤن ہو کر رہ جاؤ گے۔ اس لیے تم نے مجھے بھٹکانا چاہا تھا۔ تمہیں میری ذہانت سے خطرہ تھا۔" وہ چپ بیٹھا رہا۔۔۔۔۔ وہ سچ کہہ رہی تھی۔۔۔۔۔ واقعی ایسا تھا۔۔۔۔۔ اب وہ زمین سے مٹی اٹھا رہی تھی۔۔۔۔۔ اس نے مٹی کو ہتھیلی پر رکھا اور ہلکی سی پھونک سے اڑا دیا جیسے محبت کے وجود کو اڑا رہی ہو۔۔۔۔۔ پھر وہ ہنسی۔۔۔۔۔ بارش برسنے لگی۔۔۔۔۔ وہ دلوں بھینکنے لگے۔۔۔۔۔ وہ پھر تالی مار کر ہنسی "کیا میں تمہارے بغیر مر جاؤ گی؟ خودکشی کر لو گی۔"

"نہیں کبھی نہیں۔۔۔۔۔ میں زندہ رہو گی۔۔۔۔۔ مجھے موت سے خوف آتا ہے" وہ رونے لگی تڑپ تڑپ کر۔۔۔۔۔ جیسے سارا درد وجود میں سمٹ آیا ہو۔ "مجھے موت سے ڈر لگتا ہے مگر اب مجھے زندگی سے بھی بہت ڈر لگتا ہے۔" اس نے ڈھنڈلی آنکھوں کے ساتھ آریاں کو دیکھنے کی کوشش کی وہ جا رہا تھا۔ وہ اس کا "حاصل" تھا۔ نہیں وہ حاصل نہیں کا ذب تھا۔ وہ اٹھی مگر اپنا بیک وچیں چھوڑ گئی۔ بارش برس رہی تھی۔ وہ کالج کا گیٹ پار کر رہی تھی۔ چونکدار اس سے کچھ کہہ رہا تھا وہ چپ چاپ چل رہی تھی۔ تبھی تیز بارش کے ساتھ ساتھ اگلے بھی پڑنے لگے۔ اس کے سر میں دھماکے ہونے لگے۔ اس کے سر سے چادر اڑ گئی۔ وہ پکڑنے کو دوڑا۔ وہ اپنے "بابا" کی عزت بچا رہی تھی۔ پاؤں ہلکا ہوا

Digest.pk

آخری موقعہ.....!

تحریر: اوسا یزیدی

ترجمہ: ایس۔ امتیاز احمد

اُس شخص کی کہانی جو آرٹ کا دل دادہ تھا
(سمندر پار سے)
اور پتھر کا دل رکھتا تھا.....!!

میں قسمت نام کی کسی چیز کا وجود نہیں ہے۔ زندگی ایک
مربوطہ لائحہ عمل کے تحت چلتی ہے، اس میں اتفاقات کی
کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس لیے جب اُن کے سامنے
اپنی بیوی سے بھٹکارا حاصل کرنے کا مسئلہ آیا تو انہیں

مسٹر اسمتھ درمیانے جسم کے پست قد آدمی تھے، وہ
آنکھوں پر بینک لگاتے اور مانگ پیدائشی کے درمیان
سے نکالتے تھے۔ اُن کے کافی ہل سفید ہو گئے تھے۔
دوسروں کو یہ بتا کے انہیں بہت مسرت ہوتی تھی کہ ”دنیا



Digest.pk

کی جائیداد اور سرمائے کی نگہداشت کرتا تھا۔ وکیل مرحومہ کے شوہر کو پسند نہیں کرتا تھا اس لیے اپنی موکلہ کی وفات پر اس نے خاموشی سے ساری جائیداد اور دولت اس کے شوہر کے حوالے نہیں کی بلکہ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانا پسند کیا اور مرحومہ کے شوہر پر اسے قتل کرنے کا الزام لگایا۔ عدالتی کارروائی کے دوران جب وکیل یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ مرحومہ کی موت حادثاتی نہیں تھی بلکہ اسے قتل کیا گیا ہے تو مرحومہ کے شوہر کا بھی حرکت قلب بند ہونے سے اچانک انتقال ہو گیا۔

مسٹر اسمتھ کو اس واقعے میں اس لیے بھی دلچسپی محسوس ہوئی کہ مسز ایکس کے شوہر کا مقصد اپنی بیوی کی جائیداد اور دولت پر قبضہ کرنا اور اسے اپنے تصرف میں لانا تھا۔ یہی مقصد مسٹر اسمتھ کا بھی تھا۔ اس واقعے کی تفصیلات بہت اہم تھیں۔ مسز ایکس کے شوہر کا دعویٰ یہ تھا کہ اس کی بیوی کی موت محض ایک حادثہ تھی۔ اس کے جواب میں مرحومہ کے وکیل نے ایک ایسے ماہر کو عدالت میں پیش کیا جس نے مختلف نقوش اور تصویروں کی مدد سے یہ ثابت کیا کہ مرحومہ کے شوہر کے لیے یہ بات بہت آسان تھی کہ وہ بیوی سے پانی کا گلاس لینے کے بہانے، اپنا ایک ہاتھ اس کی پشت پر کاغذوں کے قریب مضبوطی سے رکھتا اور دوسرا ہاتھ بیوی کی تھوڑی کے نیچے رکھ کر اچانک ایک دھوکا بھٹکا دیتا اور اس طرح بیوی کی گردن توڑ دیتا۔ اس طریقے پر عمل کرنے سے پوسٹ مارٹم رپورٹ بھی ظاہر کرتی کہ مرحومہ کی موت لوہی درمی پر پھسلنے اور فرش پر گرنے سے واقع ہوئی ہے۔

کتاب میں وہ تمام نقشے اور خاکے بھی شائع کیے گئے تھے جنہیں عدالت میں پیش کیا گیا تھا۔ گردن توڑنے کے عمل کی مختلف زاویوں سے وضاحت کی گئی تھی۔ مسٹر اسمتھ نے اپنی توجہ اور ایک سوئچ سے ان خاکوں کا مطالعہ کیا اور انہیں اچھی

درا بھی پریشانی نہیں ہوئی۔ انہیں معلوم تھا کہ اس کام کے کئی مناسب اور معقول طریقے موجود ہیں جن پر ان سے پہلے بہت سے مظہر شوہر کامیابی سے عمل کر چکے ہیں۔ سوال صرف ان طریقوں سے واقفیت حاصل کرنے کا تھا اور انہیں واقفیت حاصل کرنے کا طریقہ بھی معلوم تھا۔

انہوں نے ایک پرانی کتاب خریدی جو خطرناک اہویات کے موضوع پر تھی۔ یہ کتاب منتخب کرنے کی اس کے سوا کوئی وجہ نہیں تھی کہ اس کی ظاہری حالت دوسری کتابوں سے قدرے بہتر تھی۔ کتاب کے مطالعے سے انہیں پہلی بار احساس ہوا کہ یہ دنیا دیوانے اور جنونی جانکوں سے بھری پڑی ہے۔ ایسے ایسے فرشتہ صمدت انسان اندر سے دروغے ہوتے ہیں جن کی پاک بازی اور بے باغ کردار کی قسمیں کھائی جاسکتی ہیں۔ خوش قسمتی سے اس کتاب میں جگہ جگہ نقشے بھی تھے اور تصویروں بھی بنی ہوئی تھیں۔ اس میں جرائم کے طریقوں اور ان کے نتائج پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی تھی۔

بیشتر طریقے بہت ہولناک تھے جنہیں پڑھ کر ہی مسٹر اسمتھ کو جھرجھری آ جاتی تھی۔ کچھ طریقے احمقانہ تھے۔ البتہ اس میں ایک واقعہ ایسا تھا جو مسٹر اسمتھ کی فطرت سے میل کھاتا تھا۔ انہیں اسی قسم کے کسی طریقے کی تلاش تھی۔ انہوں نے بار بار بہت غور سے اس واقعے کا ایک ایک لفظ پڑھا۔ واقع میں مقتول کا اصل نام پوشیدہ رکھتے ہوئے اسے مسز ایکس کے نام سے یاد کیا گیا تھا۔ پوری کتاب مسز ایکس مسٹر وائی اور مسٹر ڈیڈ کے ناموں سے بھری ہوئی تھی۔ مسز ایکس اپنے گھر میں فرش پر چھٹی ہوئی ایک لوہی درمی سے پھسل کر گر گئی تھی اور اس کی موت واقع ہو گئی۔ وہ اپنے شوہر کے لیے ایک گلاس میں پانی لارہی تھی کہ لوہی درمی سے اس کا جگر پھسلا۔ وہ پھسلتی ہوئی نیچے گری۔ گردن کی ہڈی ٹوٹنے کی وجہ سے فوراً ہلاک ہو گئی۔ مرحومہ کے وکیل تھا جوان

تکلیف دہ خلا پیدا کر دیا۔ وہ یہ غلطی کرنے کی ترکیبوں پر غور کرنے لگے اور اس نتیجے پر پہنچے کہ اب انہیں شادی کرنی ہی پڑے گی۔

ان کی بیوی کی رنگت زرد تھی اور ہونٹ نیلے نیلے تھے۔ وہ ان کی ماں سے اس قدر مشابہ تھی کہ کبھی کبھی جب وہ خلی الذہن ہوتے اور بیوی کمرے میں داخل ہوتی تو وہ نئی طرح چمک جاتے تھے۔ البتہ ایک پہلو سے ان کی بیوی والدہ سے مختلف تھی۔ وہ بے چاری دکان کا ان کی زندگی سے گہرا تعلق نہیں سمجھ سکی، نہ وہ اس معاملے میں ان کے جذبات کا اندازہ لگا سکی۔ اس اذیت ناک حقیقت کا علم مسٹر اسمتھ کو اس وقت ہوا جب انہوں نے اپنے کاروبار کے لیے اپنی بیوی سے ایک چھوٹا سا قرض مانگا۔

شادی سے پہلے ان کی بیوی نے مسٹر اسمتھ کے ساتھ شادی کے امکانات پر غور نہیں کیا تھا۔ اس حادثے کا اسے گمان تک نہیں تھا لیکن جب مسٹر اسمتھ نے اس سے شادی کی درخواست کی تو بیٹھے کے پیچھے جھپٹ ہوئی بڑی بڑی گہری آنکھوں کی وجہ سے اسے اشات میں جواب دینا پڑا۔ وہ ان کی آنکھوں سے دھوکا کھا گئی۔ اسے نہ جانے کیوں ان آنکھوں کے پیچھے بھرے ہوئے جذبات کے طوفان اٹھتے محسوس ہوئے۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی بھیڑیا، بھیڑ کی کھال اوڑھے بیٹھا ہو اور موقع ملے ہی اپنی اصلیت دکھانے کے لیے چناب ہو جائے گا لیکن شادی کے بعد اسے معلوم ہوا کہ اس کی آنکھوں نے دھوکا نہیں کھایا تھا، اس کے ذہن نے دھوکا کھایا تھا، مسٹر اسمتھ بھیڑ کی کھال میں بھیڑی تھے۔ بھیڑیے والے جذبات انہیں چھو کر بھی نہیں گئے تھے۔ کچھ عرصے کے بعد اس نے راکھ میں چنگاریاں تلاش کرنی چھوڑ دیں اور قسمت پر شاکر ہو کر سبزیاں اُبالنے میں جمنے لگی۔ باقی مسٹر اسمتھ کے کاروبار کے لیے قرض کا مطالبہ کیا تو اس نے

طرح ذہن نشین کر لیا۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ مسٹر اسمتھ لاپٹی تھے اور حرص و مہم کے ہاتھوں مجبور ہو کر بیوی کی دولت اتھماتا چاہتے تھے۔ نہیں انہیں دراصل ایک ایسے کام کے لیے پیسوں کی ضرورت تھی جو ان کی نظر میں بے حد مقدس تھا۔ انہیں اپنی دکان میں پیسہ لگانا تھا۔ ان کی دکان میں نوادر اور عجیب و غریب اشیاء فروخت کی جاتی تھیں۔

یہ دکان مسٹر اسمتھ کی کائنات میں سودج کی حیثیت رکھتی تھی۔ اسے انہوں نے بیس سال قبل اپنے والد کا ترکہ ملنے پر خریدا تھا۔ جن دنوں کا رو پار خوب چلتا تھا، ان دنوں بھی اس دکان سے صرف اتنی آمدنی ہوتی تھی کہ وہ کفایت شعاری سے اپنے اخراجات پورے کر لیں، عام طور پر اخراجات کے لیے انہیں اپنی والدہ سے قرض لینا پڑتا تھا۔ ان کی والدہ کچھ زیادہ ہی کفایت شعار واقع ہوئی تھیں اس لیے دکان اور اس کی آمدنی ہی ان دنوں کے درمیان ہونے والے تمام جھگڑوں کا موضوع ہوتی تھی۔ ان تمام جھگڑوں میں فتح آخر دکان ہی کی ہوتی کیوں کہ مسٹر اسمتھ کو جتنی محبت اپنی دکان اور کاروبار سے تھی، اتنی ہی والدہ کو ان سے تھی۔ والدہ کی وفات پر یہ نیکون لوٹ گئی اور پہلی بار مسٹر اسمتھ پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ ان کی زندگی میں والدہ کا بہت عمل دخل تھا وہ صرف ان کے اخراجات ہی پورے نہیں کرتی تھیں بلکہ ان کی تمام عادات بھی والدہ ہی کی مرہون منت تھیں۔ وہ بہت اہل غذا کھانے کے عادی ہو گئے تھے کیوں کہ ان کی والدہ سبزیاں اور گوشت اُبالنے کی ماہر تھیں۔ ان کا معدہ تلی ہوئی یا بھنی ہوئی چیزیں قبول کرنے کا اہل نہیں رہا تھا۔ گھر میں کوئی چیز جگہ سے ہٹی ہوئی نظر آتی تو ان کے سر میں درد ہونے لگتا تھا کیونکہ وہ ہر چیز قریب سے ایک جگہ دیکھنے کے عادی ہو گئے تھے۔ ان کی زندگی کے معمولات بچے سے لے کر اس لیے والدہ نے ان کی زندگی میں ایسا ایسا

خاکوں کے مطابق اپنا سبق دہرایا اور انہیں یہ دیکھ کر بے حد مسرت ہوئی کہ وہ اپنی بیوی کی گردن توڑنے میں بہت آسانی سے کامیاب ہو گئے تھے۔ زیادہ خوشی اس بات سے ہوئی کہ مرحومہ کو ذرا بھی تکلیف نہیں ہوئی تھی۔ سارا کام کسی شوہر شرابے کے بغیر لکھوں میں انجام پا گیا تھا۔ البتہ ان کی چٹون پانی سے کیلی ہو گئی تھی اور گلاس فرش پر مرگ کے ٹوٹ گیا تھا۔

پولیس کے محکمے میں شاید کسی نے اس کتاب کا مطالعہ نہیں کیا تھا اس لیے کسی نے بھی ان سے کوئی سوال نہیں کیا جس سے یہ ظاہر ہوتا کہ اسے مرحومہ کی موت پر قتل کا شبہ ہے۔ اس کے برعکس پولیس کا رویہ بعد روانہ تھا۔ چند روز بعد تو خود مسٹر اسمتھ کو بھی یہ احساس ہونے لگا کہ شاید ان کی بیوی کی موت محض حادثاتی تھی جس میں ان کے ارادے کو کوئی دخل نہیں تھا۔ شاید وہ اس مفروضے پر دل سے یقین کر لیتے لیکن جب ایک مہینے بعد مرحومہ کے وکیل نے انہیں مرحومہ کی جائیداد اور نقد رقم کی تفصیلات مہیا کی تو مسٹر اسمتھ پر اچانک اپنی محنت کے پھل کا انکشاف ہوا۔ یہ سوچ کر ان کا سینہ فہر سے پھول گیا کہ یہ سب کچھ انہیں مفت نہیں مل رہا ہے بلکہ ان کی ذہانت بھرتی اور اعلیٰ کارکردگی کے باعث مل رہا ہے۔

بسا اوقات جذبات پر مصلحت کو ترجیح دینی پڑتی ہے۔ مسٹر اسمتھ بہر حال ایک ذوراندیش آدمی تھے۔ اپنی بیوی کی جائیداد وغیرہ فروخت کرنے کے بعد انہوں نے اپنی دکان بچ دی اور دیاست کے دوسرے حصے میں منتقل ہو گئے۔ وہاں انہیں اپنی پسند کی ایک اور دکان مل گئی۔ اس کے بعد دوسری بیوی کی اچانک وفات پر انہیں ایک بار پھر دکان تبدیل کرنی پڑی۔ اسی طرح چوتھی بیوی کی حادثاتی موت تک دکان تبدیل کرنا ان کا معمول بن چکا تھا۔

چوں کہ مسٹر اسمتھ کی تمام بیویاں ایک جیسی تھیں اس لیے ان کا بیٹا علاحدہ طور پر ان کے لیے بہت

پہلی بار اپنے شوہر کی دکان کے متعلق چھان بین کی اور اسے زبردست وقتی دھچکا لگا۔ اسے معلوم ہوا کہ اس کے شوہر کی دکان سیپ کی طرح ہے۔ خوبصورت اور چمک دار لیکن اندر سے کھوکھلی۔ اس مرحبہ اس کا رد عمل پہلے سے مختلف تھا۔ وہ دکان ہے؟ اس نے اپنے شوہر پر برستے ہوئے کہا۔ اس میں کہاڑ خانے کے سوا کیا دھرا ہے؟ وہاں بات اور فضول چیزیں جو گاہک نہیں صرف دھول مٹی اپنی طرف کھینچنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔

مسٹر اسمتھ یہ بات سمجھنے میں ناکام رہی کہ جو چیزیں تجارتی نقطہ نظر سے فضول اور بیکار نظر آتی ہیں وہ اس کے شوہر کی کل کائنات کیوں ہیں؟ مسٹر اسمتھ کو کوئی چیز بھی کہیں پڑی ہوئی مل جاتی تھی، وہ اسے اٹھاتے صاف کرتے اور سنبھال کر رکھتے تھے، وہ بچپن سے اس کے عادی تھے۔ یہ دکان بچپن کے اس خیل کا نتیجہ تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ہر چیز کی قدر و قیمت میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ دکان میں ہر چیز کی ایک جگہ تھی، ایک مستقل جگہ جب بھی مسٹر اسمتھ کو کوئی چیز فروخت کرنی پڑتی، انہیں شدید اذیت ہوتی تھی کیوں کہ سالہا سال سے ایک جگہ جو چیز رکھی تھی، فروخت ہونے پر اس کی جگہ خالی ہو جاتی تھی اس اذیت کا احساس ان کے چہرے سے بھی ہوتا تھا۔ بعض اوقات گاہک اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے تھے کہ شاید انہوں نے مطلوبہ چیز بے حد سستی خرید لی ہے یا دکان دار غلطی سے کم قیمت بتا گیا ہے۔ مسٹر اسمتھ بھی ان حقائق سے بے خبر تھی اسی لیے اس نے قرض کے معاملے میں بے رحمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ جب تک میں زندہ ہوں اسمتھ تمہیں اس کہاڑ خانے کے لیے ایک پیسہ بھی نہیں ملے گا، سمجھ گئے۔

اس طرح مسٹر اسمتھ نے ناواقفگی میں خود اپنی موت کے پروانے پر غلط کر دیے۔ جب وقت آیا تو مسٹر اسمتھ نے کسی رازدارانہ انداز میں کہا۔

Digest.pk

اپنے چلے اور لباس سے ایک بے پردا عورت نظر آتی تھی اور رنگوں کے معاملے میں خاصی بدذوق تھی۔ اس کے بالوں کا رنگ تیز نارنگی تھا جو بے پردائی کی وجہ سے اس کے سر پر ایک گھونسلے کی صورت میں پڑے ہوئے تھے۔ چہرے پر جگہ جگہ پاؤڈر تھا ہوا تھا اور لب اسٹک کا رنگ اس کی رنگت سے قطعاً میل نہیں کھاتا تھا۔ لباس اسیلا اسیلا اور انتہائی بیہودہ رنگ کا تھا۔ تراش غراش کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ بخوتوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ بہت آرام دہ ہیں اور انہیں ایک ایسی مدت سے استعمال کیا جا رہا ہے لیکن ان کی نگہداشت صحیح طریقے سے نہیں کی جاتی۔

مار تھا اس امر سے لاعلم اور بے تعلق نظر آتی تھی کہ دوسروں پر اس کی شخصیت کا رد عمل کیا ہوتا ہے؟ وہ چلتی ہوئی مسٹر اسمتھ کی دکان میں داخل ہوئی تھی لیکن داخل ہونے کا انداز رزلے کے مانند تھا۔ دکان میں رکھی ہوئی چھوٹی موٹی چیزیں رقص کرنے لگی تھیں۔ وہ مسلسل سگریٹ پے جا رہی تھی۔ ایک سگریٹ ختم ہوتی تو وہ اسی سے دوسری سگریٹ سلگا لیتی۔ جلد ہی مسٹر اسمتھ کی دکان دھوئیں سے بھر گئی اور انہیں پچھلے سے اپنے سامنے کا ڈھواں ہٹانا پڑا تا کہ وہ اپنی گاہک کی حرکات و سکنات واضح طور پر دیکھ سکیں۔

مسٹر اسمتھ ہچکا چلتے ہوئے سختی خیز انداز میں بار بار کھانستے رہے لیکن مار تھا نے یہ دونوں حرکات نظر انداز کر دیں۔ اس کی آواز گھوڑے کی طرح تھی اور وہ مسلسل تھپا کوٹوشی کے ساتھ مسلسل بول بھی رہی تھی اور دکان میں رکھی ہوئی ایک ایک چیز کا معائنہ کر رہی تھی۔ وہ کسی چیز کی قیمت دریافت کرتی خود اس کی قیمت کا انداز لگاتی اور مسٹر اسمتھ پر جرح کرنے کے بعد آگے بڑھ کے کوئی دوسری چیز اٹھا لیتی۔ مسٹر اسمتھ پچھلے سے ڈھواں ایک طرف کرتے ہوئے اس کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ دھوئیں منٹ پر انہیں

مشکل تھا۔ وہ سب اردو رنگت اور پتلے پتلے ہونٹوں والی عورتیں تھیں۔ وہ سب سبز یاں اُپالنے میں ماہر تھیں اور اپنے معمولات پر سختی سے عمل کرتی تھیں۔ مسٹر اسمتھ اپنی بیویوں کو رقم کے ہندسوں سے یاد کرتے تھے۔ چہر بیوی نے اپنی وفات پر ان کے لیے چیک میں رقم چھوڑی تھی، چھکی دو بیویوں کی رقم چار ہندسوں پر مشتمل تھی، تیسری بیوی کی رقم تین ہندسوں پر اور چھکی بیوی کی رقم پانچ ہندسوں پر مشتمل تھی۔ تمام بیویوں کا مجموعی ترکہ کسی دوسرے شوہر کے لیے اتنا بڑا اکاؤنٹ ہو سکتا تھا کہ وہ کوئی کام کیے بغیر بیوی زندگی بسر کر سکتا تھا لیکن مسٹر اسمتھ کا ہر ترکہ ان کی دکان اس طرح ہڑپ کر گئی جس طرح بھوکی ٹھیکل دیوار پر ٹپٹپی ٹپٹپی ہڑپ کر جاتی ہے۔ چھکی بیوی کی موت سے کچھ عرصے بعد مسٹر اسمتھ نے خود کو پھر معاشی بد حالی کی دلدل میں دھنسا محسوس کیا۔ وہ پریشان ہو گئے حالانکہ انہوں نے تہہ کیا تھا وہ اس بار خوب دیکھ بھال کے اور پانچویں بیوی کی معاشی حالت کے متعلق پہلا اطمینان کر کے شادی کریں گے اور ایسی کوئی بیوی قبول نہیں کریں گے جس کا بینک اکاؤنٹ پانچ ہندسوں سے کم ہو لیکن وہ اپنی معاشی پریشانیوں سے اتنے مجبور ہو گئے کہ انہوں نے فوری طور پر کوئی ایسی بیوی ہی قبول کرنے کا ارادہ کیا جس کا اکاؤنٹ صرف چار ہندسوں پر مشتمل ہو۔ زندگی کے اس ہزک مرحلے پر مار تھا ایک سوچ کی طرح ان کی زندگی میں داخل ہوئی۔ اس سے چندہ منٹ کی گفتگو کے بعد انہوں نے چار اور پانچ ہندسوں کا خپیل ڈھن سے نکال دیا کیونکہ مار تھا کا بینک اکاؤنٹ انہیں چھ ہندسوں پر مشتمل نظر آیا۔

مار تھا نہ صرف دولت کے اعتبار سے مسٹر اسمتھ کی گزشتہ بیویوں پر فوقیت رکھتی تھی بلکہ جسمانی طور پر بھی ان سے مختلف تھی۔ وہ دوسری بیویوں کے برعکس دراز قد اور پھلکی ہوئی تھی۔ جسمانی کشیدگی و لرزہ بڑی حد تک پرکھ کر انہوں نے اپنا روپوش ہونا چاہا تھا۔

کیا آپ چاہتے ہیں کہ

- آپ، آپ کی اولاد، آپ کے بہن بھائی، عزیز واقارب
- جھوٹ بولنے سے باز آجائیں
- تجارت اور ملازمت میں بدعنوانی اور بددیانتی سے باز آجائیں
- اپنے گھر والوں سے حسن سلوک سے پیش آئیں
- زندگی کا ہر لمحہ نیکی اور پارسائی میں گزرے
- تعلیم و تعلم کے شاندار درس ذہن نشین ہو جائیں
- والدین سے وہ سلوک کریں جو خدا پسند کرتا ہے

تو

سیارہ ڈائجسٹ کی شاندار روایات

کے پیش منظر میں پیش کیا جانے والا
دکشا، دلکشا اور زرتیں

اخلاق رسولؐ

احادیث رسولؐ کی روشنی میں

مطالعہ کیجئے

Digest.pk

سے وحشت نہیں ہوتی۔ یہ آخری نتیجہ انہوں نے مارتھا کی ہاتھ آدھ آمدورفت سے اخذ کیا تھا۔ وہ اب ہر دوسرے تیسرے دن ان کی دکان پر آ جاتی تھی اور دونوں آنے سامنے بیٹھ کے گفتگوں گفتگو کرتے تھے۔ گفتگو عموماً مارتھا کے مرحوم والد کے حلق ہوتی تھی۔ وہ تقریباً مسٹر اسمتھ کے ہم شکل تھے "ان کا لباس بھی تمہارے جیسا ہوتا تھا۔" ایک روز مارتھا نے گفتگو کے دوران کہا "صاف سترابے دارغ اور استری کیا ہوا، بچی نہیں انہیں صفائی کا خط تھا، وہ روز پورے گھر کا ایک چکر لگاتے اور دیکھتے کہ ہر چیز ٹھیک سے اصل جگہ موجود ہے یا نہیں؟ اگر کوئی چیز جگہ سے ڈرا بھی ملی ہوئی ملتی تو وہ اسے ٹھیک کر دیتے مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ وفات سے ایک گھنٹے قبل وہ دیواری تصویروں کے ذریعے درست کر رہے تھے۔" "کیا آپ آخری لمحات میں ان کے قریب تھیں؟" مسٹر اسمتھ نے اوردی سے پوچھا۔ "بے شک۔"

"اتنی بڑی قربانی دینے والا انعام کا مستحق ہوتا ہے" مسٹر اسمتھ نے خوش دلی سے کہا "میں مارتھا میں یہ ضرور کہوں گا کہ آپ مجھی لڑکی اپنے والد کی دیکھ بھال کے لیے چند ملازم بھی رکھ سکتی تھی۔ اس کی یہ قربانی بہت عظیم ہے۔ آپ چاہیں تو آسانی سے شادی کر کے شوہر کے ساتھ زندگی بسر کر سکتی تھیں لیکن آپ نے اپنے والد پر اپنی خوشیاں قربان کر دیں۔"

مس مارتھا نے لیک گہری سانس لی "شاید آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مسٹر اسمتھ اور میں اس سے بھی اللہ نہیں کہوں گی کہ میں نے بے حد سہانے خواب دیکھے تھے لیکن وہ خواب ہی رہے اور شاید ہمیشہ خواب رہیں۔" "کیوں؟"

"اس لیے کہ مجھے اپنے خوابوں کا تصور آج تک نہیں آیا۔" مارتھا نے سر ہلاتے ہوئے کہا "پورا اس اترتا۔"

اسی سے لوٹ پوٹ ہو سکتی ہے یا پھر ملتی ہوئی نورا دکان سے باہر نکل سکتی ہے۔ دونوں صورتوں میں آئندہ کبھی اس سے ملاقات کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی اور اگر ان کا حیرنشانے پر لگ گیا تو بیڑا پار ہو سکتا ہے۔ وہ یہ فیصلہ کن لمحات بال نہیں سکتے تھے اور مارتھا کے رد عمل کے حلق کوئی اعادہ نہیں کر سکتے تھے کیونکہ وہ بہر حال ایک عورت تھی۔ انہوں نے ایک گہرا سانس لے کر سکون سے کہا "اس دکان کا یہ اصول ہے کہ اگر کوئی خریدار کسی چیز کی قدر و قیمت سے صحیح واقف نہ ہو اور اس چیز کی اتنی محبت اور احتیاط سے نگہداشت نہ کر سکا ہو جس کی وہ چیز حقدار ہے تو اسے کوئی چیز فروخت نہیں کی جاتی۔ جب تک میں زندہ ہوں اس دکان کا یہی اصول رہے گا۔ اس میں کسی نرمی یا لچک کی توقع فضول ہے۔"

مسٹر اسمتھ مارتھا پر نظریں جمائے فوراً اپنے نظروں کا رد عمل دیکھ رہے تھے۔ مارتھا کے قریب لیک کرسی رکھی تھی وہ اچانک کرسی پر گر گئی۔ اس نے ٹی سگریٹ جلائی اور نگلیوں سے مسٹر اسمتھ کو دیکھتی رہی پھر اس نے لگی گہرے کش لیے اور دھوئیں کے مرغولے ہاتھ سے ایک طرف ہٹائے "بہت خوب مسٹر۔"

"اسمٹھ؟" مسٹر اسمتھ نے جلدی سے کہا۔ "مسٹر اسمتھ! آپ کی باتیں بہت دلچسپ معلوم ہوتی ہیں، کیا ہم کچھ بدوستانہ اعادہ میں گفتگو نہیں کر سکتے؟" مسٹر اسمتھ نے ایک کرسی کھینچی اور اس کے مقابل بیٹھ گئے کسی اچھی سے اس کے گہری واڈ معلوم کرنا بظاہر بہت مشکل اور ناممکن نظر آتا ہے لیکن مسٹر اسمتھ کے لیے یہ باتیں ہاتھ کا کھیل تھا کیوں کہ ان کے مستقبل کا انحصار انہی معلومات پر ہوتا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد انہیں یقین ہو گیا کہ مارتھا نے اپنی دولت کے متعلق بالکل صحیح بتایا ہے اور بظاہر وہ اس دنیا میں تھا ہے۔ اس کوئی قریبی عزیز یا دوست موجود نہیں ہے، اور اسے ملائی کے مال

اس ایک ماہ میں برابر ان سے ملنے رہیں۔ مس مارٹھا بھر حال ایک عورت ہیں اور میرا خیال ہے کہ بنیادی طور پر تمام عورتیں ایک جیسی ہوتی ہیں۔

”جی ہاں“ مسٹر اسمتھ نے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

”محبت توجہ اور قربت یہ چیزیں کامیابی کی ضمانت ہوتی ہے مسٹر اسمتھ ا“ کم عمر وکیل نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

گھر واپس آ کے مسٹر اسمتھ نے بہت غور کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ ان سے یہ مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ وہ اپنی دکان کو بھول جائیں اور اس کی جگہ مارٹھا کی ذات کو دے دیں انہیں معلوم تھا کہ یہ وقتی بات ہے۔ شادی کے کچھ عرصے بعد جب مارٹھا ان کی گزشتہ بیویوں کے نقش قدم پر چلتی ہوئی ان کی زندگی سے رخصت ہو جائے گی تو ایک بار پھر وہ اپنی پوری توجہ دکان کی طرف مرکوز کر سکیں گے۔ دکان سے نکلنے کا یہ وقت عارضی ہوگا اور اس قربانی کا انہیں اچھا معاوضہ ملے گا۔ مارٹھا ان کی سہیلہ بیویوں سے بالکل مختلف تھی اس لیے انہیں اس سے گفتگو میں بڑی احتیاط کرنی پڑتی تھی۔ کوئی بھی غلط جملہ ان کے منصوبے پر پانی پھیر سکتا تھا۔

”طلاق کے بارے میں میرا نقطہ نظر یہ ہے“ اسمتھ ”ایک روز مارٹھا نے کہا“ کہ جو مرد اپنی ایک بیوی کو طلاق دے سکتا ہے وہ دوسری بیوی کو بھی طلاق دے سکتا ہے۔ آج کل طلاقیوں کا عام رواج ہے اگر ہم ان طلاقیوں کا بغور مطالعہ کریں تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایسے مردوں کی حالت ایک خریدار کی سی ہوتی ہے جو بازار میں اپنی پسند کی چیز خریدنے کے لیے مارا مارا پھرتا ہے لیکن اسے یہ تک نہیں معلوم ہوتا کہ وہ کیا چیز پسند کرتا ہے؟ اسے کیا خریدنا ہے؟ میں نہیں مردانہ شادی کروں گا۔ مارٹھا کی ساری ہی اس کا آگے قیامت پسند

احساس ہے کہ ان سے شادی کرنے کے خواہش مند دراصل ان کی دولت کے خواہش مند ہوتے ہیں لیکن.....“ معرو وکیل نے ہاتھ اٹھا کر مسٹر اسمتھ کو احتجاج کرنے سے روک دیا ”وہ یہ بات نظر انداز کرنے کے لیے تیار ہیں بشرطیکہ ان سے شادی کا خواہش مند ان کی تمام توقعات پوری کر سکے۔“

”میں اس کے لیے تیار ہوں“ مسٹر اسمتھ نے کہا۔ تینوں وکیل چند لمحوں تک خاموشی سے انہیں گھورتے رہے پھر اچانک معرو وکیل نے کہا ”مسٹر اسمتھ! کیا آپ نے پہلے کوئی شادی کی تھی؟“ اگر وہ انکار کرتے اور بعد میں مارٹھا کو ان کی کسی شادی کا علم ہو جاتا تو وہ خواہ تو ان کی طرف سے مشکوک ہو جاتی۔ موجودہ صورت حال میں شادی کا اعتراف نقصان دہ معلوم نہیں ہوتا تھا چنانچہ مسٹر اسمتھ نے کہہ دیا ”جی ہاں۔“

”طلاق؟“

”آف..... نہیں جناب ا“ مسٹر اسمتھ نے کہا۔ تینوں وکیلوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر اشارات میں سر ہلائے ”یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی مسٹر اسمتھ! معرو وکیل نے کہا۔“ یہ سوال بظاہر غیر اہم نظر آتا ہے لیکن موجودہ زمانے میں لوگوں کا اخلاق تباہ ہوتا جا رہا ہے۔“

”میں اسی صورت میں یہ بتانا پسند کروں گا جناب کہ جہاں تک میرے اخلاق کا تعلق ہے تو تمہارا خوشی تک نہیں کرتا، چیز شراب کبھی نہیں پیتا اور..... اور۔“

”بازاری عورتیں؟“ کم عمر وکیل نے لقمہ دیا۔

”جی ہاں“ مسٹر اسمتھ کا چہرہ سرخ ہو گیا ”میں ان کے قریب بھی نہیں جاتا۔“

معرو وکیل نے پسندیدگی کے طور پر اشارات میں سر ہلایا ”مسٹر اسمتھ شادی کے متعلق آخری فیصلہ مس مارٹھا ہی کریں گے۔ ان کا خیال ہے آپ کو کیا معلوم ہے؟“

”میں آپ کو یہ معلوم کروں گا کہ آپ کی شادی مل جائے گی۔“

Digest.pk

انتظار تھا کیونکہ قرض خواہوں کے تقاضوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور وہ بھوکے بھیلڑیوں کی طرح ان کے گرد منڈلانے لگے تھے۔ مارتھا کو دصیت نامے پر دھکا کرتے دیکھ کر انہوں نے فیصلہ کیا کہ انہیں اس عورت کا کام جلدی ہی تمام کرنا ہوگا ایک دفعہ دصیت نامہ ہاتھ میں آنے کے بعد مزید تاخیر کا کوئی حوالہ باقی نہیں تھا۔ بس چند منٹے۔

شادی کے فوراً بعد مسٹر اسمتھ کو احساس ہو گیا کہ انہیں اپنے منصوبے پر مقررہ وقت سے پہلے ہی عمل کرنا پڑے گا۔ کیونکہ اس عورت کے ساتھ زندگی بسر کرنا ان کی قوت برداشت سے باہر تھا۔ سب سے پہلی بات یہ تھی کہ مارتھا کا مکان جواب ان کا تھا افراتفری اور بدگلی کا دہشت ناک نمونہ تھا۔ یہ مکان ان کی بیوی کو اپنی ماں سے ورثے میں ملا تھا۔ اس گھر میں عائشہ یہ اصول کارفرما تھا کہ اگر کوئی چیز ادھر ادھر پھینک دی جائے تو اسے دوبارہ اٹھا کر جگہ پر رکھنا حماقت ہے کیونکہ ایک بار پھر ادھر ادھر پھینک دیا جائے گا۔ ہر کمرے میں مختلف چیزوں کا ایک انبار جمع تھا کپڑے الماریوں میں بے ترتیبی سے پھرنے ہوئے تھے۔ باورچی خانے سے تعلق رکھنے والی چیزیں غسل خانے اور غسل خانے کی چیزیں خواب گاہوں میں پڑی رہتی تھیں اور ان سب پر دھول کی ایک باریک تہہ جمی رہتی تھی۔ گھر میں پہلی بار قدم رکھنے پر اُن کا پورا اعصابی نظام مل کے وہ گیا تھا۔

مارتھا کو کھانے پکانے سے جنون کی حد تک شوق تھا۔ وہ کھانے کے وقت باورچی خانے سے ڈانٹنگ ہال تک درجنوں چکر لگاتی اور ہر پارٹرے میں ایک ایسے کھانے کی پلیٹ لاتی جس کا مسٹر اسمتھ کو کوئی ساتھ تجربہ نہ تھا۔ وہ دل چاہے ہر چیز کے کھانا کھاتے تھے کیونکہ ان کی پہلی شادی کی طرح ان پر طرزِ معیشت تھا۔ انہیں ان بات پر محسوس ہوتا تھا کہ انہیں

آدنی ہونا لازمی ہے۔ مجھ سے شادی کر کے اسے ایک گھر بسانا ہوگا اور ہمیشہ اسی گھر میں رہنا پڑے گا۔

"بے شک بے شک" مسٹر اسمتھ نے کہا۔
"میں نے سنا ہے" مارتھا نے ایک اور موقع پر کہا
"کہ ایک مطمئن شادی شدہ زندگی عورت کی عمر بڑھا دیتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ شادی کے حق میں یہ ایک بہترین دلیل ہے کیوں اسمتھ؟"

ایک ماہ کے استقامتی دور میں مسٹر اسمتھ کی گفتگو "بے شک" ہی تک محدود تھی اور ان کی یہ چال کامیاب رہی۔ ایک ماہ بعد ان کی شادی میں مارتھا سے ہوئی۔ اس شادی کی تقریب میں صرف تین افراد شریک ہوئے اور وہ تینوں ان کی بیوی کے وکیل تھے۔ نکاح کے فوراً بعد انہیں ایک فوٹو گرافر کے سٹوڈیو چاہنا پڑا اور اپنی مرضی کے خلاف مارتھا کے ساتھ تصویریں کھینچانی پڑیں۔ اس کے فوراً بعد ان دونوں نے اپنی اپنی دصیتوں پر دھکا کبے جن کی رو سے کسی ایک شریک حیات کے مرنے کی صورت میں دوسرا اس کی تمام جائیداد اور دولت کا وارث قرار پایا۔

شادی کی پڑوسرت تقریب کے دوران مسٹر اسمتھ کو اکثر کچھ سوچتے ہوئے پایا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنا پرانا منصوبہ نئے حالات کے تحت تیار کر رہے تھے اور اس کی جزئیات میں تبدیلی کر رہے تھے، اب انہیں وہ تاریخی لوٹی دڑی اپنے نئے مکان میں لانی تھی جس نے گزشتہ چار سو قہوں پر ان سے وقاداری کا ثبوت دیا تھا پھر ایک روز وہ اپنی بیوی سے پانی کا ایک گلاس طلب کریں گے اور گلاس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے بڑی محبت کے ساتھ اپنا ایک ہاتھ اس کی پشت پر رکھیں گے اور دوسرا ہاتھ انہیں اس مبارک موقع کی آمادہ بڑی شدت سے

اعتراض کیا " لیکن یہ مجھے بہت عزیز ہے۔ اس سے میری بہت سی قیمتی یادیں وابستہ ہیں " مارتھا نے عبت سے ان کی طرف دیکھا " اور یہ تم میرے لیے لائے ہو؟ کیوں اسمتھ؟ "

" ہاں تمہارے لیے جان من " انہوں نے جواب دیا۔ " اودہ تم کتنے اچھے ہو اسمتھ اتم بہت اچھے ہو "۔

مسٹر اسمتھ نے اولی وتری ڈائننگ روم کے دروازے پر بچائی تھی کیونکہ مارتھا روزانہ رات کے کھانے کے بعد ٹیلیفون استعمال کرتی تھی اور ٹیلیفون ڈائننگ روم کے ایک کونے میں رکھا تھا۔ ان کا ارادہ تھا کہ یہ حادثہ اس وقت رونما ہو جب مارتھا ٹیلیفون استعمال کرنے آئے۔ وہ روزانہ ایک مقررہ وقت پر ٹیلیفون استعمال کرتی تھی اس لیے وہ بڑی آسانی سے اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنا سکتے تھے۔

" تم کیا سوچ رہے ہو ڈیئر؟ " مارتھا نے ان کے ذہن میں گھمتے ہوئے کہا۔

" کچھ نہیں میں اپنے لباس کے حلقے سوچ رہا تھا۔ اب کسی کپڑے میں ایک ٹین بھی باقی نہیں رہا سب ٹوٹ چکے ہیں "۔

مارتھا نے ایک طویل انگڑائی لی " جلد ہی میں سب کپڑوں میں ٹین لگاؤں گی تم فکر نہ کرو "۔

" کل؟ "۔

" نہیں شاید کل تو نہیں " مارتھا نے اوپر جانے والی میڑھیوں کی طرف بڑھتے ہوئے کہا " اب سو جاؤ اسمتھ آج میں بہت تھک گئی ہوں "۔

مسٹر اسمتھ اپنی بیوی کے پیچھے چل دیے لیکن ان کا ذہن اب بھی منصوبے ہی کے حلقے ڈلوپوں پر خود کر رہا تھا۔ انہیں احساس ہوا کہ کل درزی کو کچھ سوٹ دہنی کے لیے دینے پڑیں گے ورنہ مارتھا کی چھوڑی ٹین کے وقت ان کے پاس ایک بھی معقول لباس نہیں ہوگا۔

اس وقت انہوں نے اپنا بھروسہ سوٹ درزی سے

ترہائی کے لیے تیار کیا جا رہا ہے۔ شروع شروع میں انہوں نے دہنی دہلی زبان سے ان کھانوں پر احتجاج بھی کیا تھا مگر مارتھا نے انہیں بتایا کہ وہ اس معاملے میں بے حد جذباتی ہے اور کھانا تو ذور کی بات ہے۔ وہ خالی پیٹ پر بھی کوئی تنقید برداشت نہیں کر سکتی۔ بدبھشی کی وجہ سے اگر ان کے پیٹ میں درد بھی ہوتا تو مارتھا کو ان پر رحم نہ آتا۔ وہ مریض اور مجرب غذاؤں کی پلیٹیں ان کے سامنے لا کر دے سکتی اور پیٹ صاف ہونے تک ان کی نگرانی کرتی رہتی۔ مسٹر اسمتھ اس آمریت کے خلاف دم نہیں مارتھے تھے کیونکہ وہ اس کی موت سے پہلے کوئی جھگڑا مول لینے کا خطرہ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ ان کا معدہ اہلی ہوئی میزبوں کے لیے گڑبڑ اتار رہا تھا لیکن انہیں ناقابل ہضم چیزیں زہر مار کر ناپڑتی تھیں۔ انہوں نے تہہ کیا کہ وہ جیسے ہی اپنی بیوی کی تدفین سے فارغ ہوں گے سب سے پہلے کسی عمدہ ہوٹل میں گرم گرم چائے اور توس اور آدھے ابلے ہوئے انڈوں کا ناشتہ کریں گے پھر گھر آکر وہ گھر کی صفائی کریں گے۔ کوڑا کرکٹ باہر پھینک دیں گے اور چیز اس کی گچ جگہ پر رکھیں گے لیکن ان کے اس خواب کی تکمیل منصوبے کی کامیابی سے منسلک تھی۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مارتھا کے تقاضوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ایک روز اس نے کل کر مسٹر اسمتھ سے شکایت کی کہ وہ اپنی بیوی سے زیادہ اپنی دکان پر توجہ دیتے ہیں۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ اب مزید تاخیر خود ان کے لیے بھی چاہ کن ہوگی چنانچہ دکان سے واپسی پر وہ اپنے ساتھ اپنی تاریخی اولی وتری لائے۔ مارتھا انہیں فرس پر دہنی بچاتے ہوئے دیکھتی رہی " دیکھنے میں یہ بہت پرانی نظر آتی ہے اسمتھ " انہوں نے کہا " یہ کیا چیز ہے؟ لواہ؟ آرٹ کا مسٹر اسمتھ انہیں اس پر توجہ دے "۔

" ہاں میں اسے کئی جگہ نہیں ہے " انہوں نے

شائع ہو گیا ہے

سیارہ ڈائجسٹ کے لازوال اسلامی نمبروں میں ایک اور اضافہ



قیمت: 175 روپے

✽ ان تمام واقعات کا جدید علم و تحقیق کی روشنی میں تفصیلی ذکر جو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی اور اس کی امت کو بتانا ضروری سمجھے

✽ انبیائے کرام کی مقدس اور پاکیزہ زندگیوں سے وابستہ واقعات

✽ قصے ان قوموں کے جن پر انبیائے کرام کی نافرمانی، اللہ تعالیٰ کے احکامات سے روگردانی اور سرکشی کے باعث عذاب الہی نازل ہوا

عمدہ ترتیب، دلچسپ اندازِ بیاں اور پرکشش رنگین ٹائٹل
500 صفحات پر مشتمل یہ عظیم الشان نمبر جلد پیش کیا جائے گا

سیارہ ڈائجسٹ: 240 مین مارکیٹ ریواڑ گاؤں لاہور۔ فون: 37245412

Digest.pk

"میرے چارے شوہرا کیا تم اپنی چار بیویاں
تعلیمی بھول گئے؟ لیکن یہ کیسے ممکن ہے؟ ہاں ایک
صورت ہو سکتی ہے کہ میری محبت میں دیوانے ہو کر تم
نے انہیں بھلا دیا مگر میری ایسی قسمت کہاں؟"

"بے شک میں نے پہلے بھی شادی کی ہے" مسٹر
اسمٹھ نے بلند آواز میں کہا "اور میں نے تمہارے ساتھ
شادی کرنے سے پہلے یہ بات نہیں چھپائی تھی لیکن یہ
چار بیویاں دلی بات میری سمجھ میں نہیں آتی؟"

"بے شک اتم نے پہلے بھی شادیاں کی ہیں
اسمٹھ اور ان کے متعلق میں نے تحقیق بھی کر لی
ہے۔ میرے وکیل نے تمہاری تمام شادیوں کا پتہ کر
لیا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے یہ بھی معلوم کر لیا تھا
کہ تم نے کس سکول میں تعلیم حاصل کی تھی؟ کہاں
پیدا ہوئے تھے؟ تمہاری ماں کون تھی؟ تم سمجھے اسمٹھ
میرا وکیل کتنا ہوشیار آدمی ہے؟"

"اچھا تو یہ تمہارا وکیل تھا؟"

"ہاں میرے بھولے شوہرا" مارتھانے مزے لیتے
ہوئے کہا۔ "جس دوران تم مجھے لٹکانے لگانے کا
منصوبہ بنا رہے تھے میں اس کا توڑ کر رہی تھی۔ پہلی
بار جب میں نے تمہیں دیکھا تھا میں اسی وقت تمہاری
اصلیت سمجھ گئی تھی۔ تمہیں اس پر تعجب نہیں ہوا؟"

"کیسے۔ کس طرح؟"

"تم میرے مرحوم باپ کا دوسرا روپ نظر آتے
تھے۔ انہی کی طرح کا لباس انہی کی طرح بولنا انہی
کی طرح صفائی ستھرائی کا خیال۔ بالکل ایسا لگتا تھا
جیسے ڈیڑی نے مرنے کے بعد تمہارے جسم میں
دوبارہ جنم لے لیا ہو۔ میں نے زندگی بھر ان سے
شدید نفرت کی۔ ان سے نہیں ان کی شخصیت سے ان
کی عادات سے۔ کیونکہ میرے سامنے میری ماں کا
حشر موجود تھا۔ انہوں نے میری ماں سے ان کی
دولت کے لیے فحوی کی تھی۔ میں نہیں شادی کے
پہلے ہی ان کی ہمارے گھر کی انہیں بن گئی تھی۔ پھر میرے

درست کرانے کے بعد بڑی احتیاط سے ہماری میں
لٹکا دیا۔ کھانے کے بعد وہ ڈانٹنگ روم میں بیٹھ کے نو
بیٹے کا انتظار کرنے لگے۔ ان کی بیوی روزانہ نو بجے
کنہیں ٹیلی فون کرتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد مارتھا برتن
باورچی خانے میں رکھ کر ان کے سامنے بیٹھ گئی۔
حسب معمول اس کی زبان تیزی سے چلنے لگی۔ مسٹر
اسمٹھ ہوں ہاں کرتے رہے اور انہیں میں وہی خیالی
منظر دہرانے لگے جو کچھ دیر بعد حقیقت بننے والا تھا۔
لو بجے سے چند منٹ قبل انہوں نے اپنی بیوی کو
کرسی سے اٹھتے ہوئے دیکھا وہ آہستہ آہستہ ٹیلی
فون کی طرف بڑھ رہی تھی۔ انہوں نے کٹکار کر گلا
صاف کیا "مارتھا پلیز ایک گلاس پانی پلاؤ گی؟"
مارتھا نے پلٹ کر ان کی طرف دیکھا "ایک
گلاس پانی؟"

"ہاں" مسٹر اسمٹھ خود سے اپنی بیوی کو دیکھتے
لگے۔ مارتھا نے ایک نظر ٹیلی فون کی طرف دیکھا پھر
باورچی خانے میں چلی گئی۔ چند لمحوں بعد جب وہ
واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں پانی سے بھرا ہوا گلاس
تھا۔ مسٹر اسمٹھ نے اپنا تیت سے اپنا ایک ہاتھ اس کی
پشت پر رکھا اور دوسرا ہاتھ اس کی تھوڑی کی طرف اس
طرح بڑھایا جیسے وہ اس کا بوسہ لینا چاہتے ہوں۔
"کیا دوسری عورتوں کے ساتھ بھی ایسی ہوا تھا؟"
مارتھا نے پرسکون انداز میں اچانک کہا۔

مسٹر اسمٹھ کا آگے بڑھتا ہوا ہاتھ درمیان میں ہی
معلق ہو گیا اور ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد لہر دوڑتی
محسوس ہوئی "دوسری عورتیں؟" لن کے حلق سے
بہ شکل آواز نکلی "کون سی عورتیں؟"

مارتھا کے لبوں پر ایک مسکراہٹ جم گئی "چار دوسری
عورتیں۔" اس نے کہا "میرے حساب سے چار
عورتیں بنتی ہیں، کیا ان کی تعداد زیادہ تھی اسمٹھ؟"
"نہیں مسٹر اسمٹھ نے بے اختیار کہا۔ پھر وہ سنبھل
گئے "پہلے میں نے ان کا حساب کیا تھا۔ اچھا"

ہوگا۔ میں اس کی ایک ایک عادت ایک ایک پسند اور ناپسند کا گہرا مطالعہ کروں گی اور اس کی زندگی کا ہر لمحہ اس کے لیے جہنم بناؤں گی۔ میں نے خود کو اتنا بے ڈول اور بے ہتکم بنالیا کہ کوئی مجھ سے میری ذات سے شادی کا تصور تک نہ کرے۔ یہ حرکت میں نے اس لیے کی کہ مجھے اپنے شوہر کے بارے میں پورا یقین ہو کہ اس نے صرف اور صرف میری دولت کی وجہ سے میرے ساتھ شادی کی ہے۔ میں نے تہیہ کیا کہ میرے جیتے جی وہ میری دولت سے ایک حصہ بھی خرچ نہیں کر سکے گا۔ اسے میری بے انتہا دولت صرف دیکھنے کی اجازت ہوگی لیکن وہ اسے چھو نہیں سکے گا اور وہ دولت حاصل کرنے کے لیے مجھے قتل بھی نہیں کر سکے گا۔ اس کی کوشش رات دن یہ ہو کہ مجھے کسی طرح ذرا بھی گزند نہ پہنچے۔" مسٹر اسمتھ اپنے بکھرے ہوئے حواس پر قابو پا چکے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ مارتھا اب تک ادنیٰ دہی پر اسی طرح ہاتھ میں گلاس لیے کھڑی ہے وہ اس کی طرف ذرا سا ٹھکے "تم اپنی حفاظت پر کسی کو مجبور کیسے کر سکتی ہو؟" انہوں نے دھیسے لہجے میں کہا۔

"اگر کوئی بیوی اپنے شوہر کو پھانسی دلوانے پر قادر ہو تو اس کا شوہر اس کی حفاظت کے لیے مجبور ہو جائے گا۔ میں نے اپنے وکیل سے مشورہ کیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ تمہاری تمام بیویوں کا انتقال جہیں پانی پلاتے ہوئے ادنیٰ دہی پر پھسلنے اور فرش پر گر کے گردن ٹوٹنے سے ہوا تھا۔ دنیا کی کوئی بھی عدالت اسے اتفاق تسلیم نہیں کرے گی۔ کوئی بھی اتفاق ایک بار ہوتا ہے پانچ بار نہیں۔"

"اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ شوہر یہ سب کچھ جاننے کے بعد کسی تاخیر کے بغیر اپنی بیوی کو لٹکانے لگانے کی کوشش کرے گا۔" مسٹر اسمتھ نے غیر محسوس طور پر مارتھا کی طرف ہنسنے کہا۔

"تم نے تم نے کہا کہ تم میرے

والد نے دولت کی خاطر میری ماں کو قتل کر دیا۔"

"قتل کر دیا؟" مسٹر اسمتھ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ "اوہ، کیا تمہارا خیال ہے کہ صرف تمہاری اپنی بیویوں کو قتل کرنے کی اہلیت رکھتے ہو؟" مارتھا نے تیز لہجے میں کہا۔ انہوں نے میری ماں کو بالکل اسی طرح قتل کیا تھا۔ پہلے انہوں نے پانی کا گلاس مانگا اور پھر ان کی گردن توڑ دی۔ ان کا اور تمہارا طریقہ بھی ایک ہی ہے۔"

مسٹر اسمتھ کے ذہن میں آنسوئیاں سی چلنے لگیں۔ "لیکن پھر کیا ہوا؟" انہوں نے تیز لہجے میں پوچھا۔ "کیا تمہارے والد پکڑے گئے؟" انہیں اسے سوال کا جواب معلوم تھا لیکن وہ اسے قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ وہ مارتھا سے اس کی تصدیق چاہتے تھے۔

"نہیں وہ پکڑے کبھی نہیں گئے لیکن اس وقت میری ماں کے وکیل مسٹر ہنگرڈ تھے۔ انہیں امی کی موت پر شبہ ہو گیا تھا۔ انہوں نے میرے والد کے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا اور ان پر میری والدہ کو قتل کرنے کا الزام لگایا۔ انہوں نے ایک مشہور ڈاکٹر کو گواہ کے طور پر عدالت میں پیش کیا جس نے یہ ثابت کر دیا کہ میری والدہ کی موت غیر فطری ہو سکتی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ ان کی موت ادنیٰ دہی پر پھسلنے سے اور فرش پر گر کے گردن ٹوٹنے سے واقع نہ ہوئی ہو بلکہ میرے والد نے اپنے ہاتھوں سے ان کی گردن توڑ دی ہو لیکن اس سے پہلے کہ عدالت کوئی فیصلہ سنائی میرے والد حرکت قلب بند ہونے سے انتقال کر گئے تھے۔"

"اوہ آف بھی تھا" یہی تھا وہ کیس جو میں نے پڑھا تھا۔" مسٹر اسمتھ نے کراہتے ہوئے کہا۔

"ان کی موت کے بعد میں نے قسم کھائی تھی کہ ایک نہ ایک روز میں ایسا مرد ضرور تلاش کر لوں گی جو عادات و اطوار میں اس شخص سے ہاپ کی طرح

بالکل پسند نہیں ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ تم چھپیں گئے میرے ساتھ رہو۔"

"کیا؟ میں..... میں اپنی دکان چھوڑ دوں؟"

مسٹر اسمتھ کو اپنے کالوں پر یقین نہیں آیا۔

"ہاں" مارتھا نے فیصلہ کن انداز میں کہا "اور ممکن ہے کہ کبھی میں تمہاری خدمات سے خوش ہو کر اپنے

وکیل سے تمام کاغذات واپس لے کر تمہارے حوالے کر دوں۔ اب تم سمجھ گئے ہو گے میرا زندہ رہنا

تمہارے حق میں کتنا ضروری ہے۔ میں نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ چاہے میری موت فطری ہو،

پولیس اچھی طرح تحقیق کرے۔"

اچانک ٹیلی فون کی گھنٹی زور سے جینتی اور مارتھا نے ممکن انداز میں سر ہلاتے ہوئے ٹیلی فون کی

طرف دیکھا۔ "یہ میرے وکیل کا ٹیلی فون ہوگا، اگر میں کسی رات نو بجے تک فون کر کے اسے اپنی

خیریت سے مطلع نہیں کرتی تو وہ پانچ منٹ انتظار کرنے کے بعد خود ٹیلی فون کرتا ہے یہ بھی ہمارے

انتظامات کی ایک کڑی ہے۔"

"ظہیر" مسٹر اسمتھ نے ٹیلی فون کی طرف بڑھ کر ریسیور اٹھا کے کان سے لگایا۔ دوسری طرف

مارتھا کا وکیل ہنگرلا موجود تھا۔

"ہیلو" معمر وکیل نے کہا "ہیلو مسٹر اسمتھ؟"

مسٹر اسمتھ کے ذہن میں اچانک ایک خیال آیا "معاف کیجئے گا مارتھا اس وقت فون پر نہیں آسکتی،

فرمائیے کیا کام ہے؟ میں اسمتھ بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف چند لمحوں تک سناٹا طاری رہا پھر آواز آئی "میں ہنگرلا بول رہا ہوں مسٹر اسمتھ، آپ مجھے پہچان گئے ہوں گے۔ میں آپ کی بیوی سے

نوراً بات کرنا چاہتا ہوں۔ آپ سمجھ گئے مسٹر اسمتھ؟

نوراً میں آپ کو صرف دس سیکنڈ کی مہلت دے سکتا ہوں۔ آپ اپنی بیوی سے میری بات کر لیتے ہیں۔"

انتظامات کیوں بھول رہے ہیں؟"

"کیسے انتظامات؟"

"میں تمہیں بتانا بھول گئی تھی تمہاری تمام بچلی شادیوں اور جرائم کے دستاویزی ثبوت اس وقت

میرے وکیل کے پاس موجود ہیں۔" مارتھا نے سرد لہجے میں کہا۔ "اس کے علاوہ ان کے پاس میری

ایک تحریر بھی ہے جس میں میں نے لکھا ہے کہ میری موت کے بعد چاہے وہ کتنی ہی فطری نظر آتی ہو

پولیس فوراً تحقیق کرے اور کوئی قابل ذاکٹر میری موت کے حقائق اطمینان کرے۔ ساتھ ہی فوراً

دوسرے ضروری اقدامات کیے جائیں۔ تمہیں معلوم ہے اسمتھ! میرا وکیل کس قدر ذہین اور ہوشیار

ہے؟ اس نے پہلے ہی تمہاری تصویریں اور انگلیوں کے نشانات محفوظ.....!"

"انگلیوں کے نشانات؟" مسٹر اسمتھ نے چلا تے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں اڈیلی کی اچانک موت کے بعد معلوم ہوا تھا کہ انہوں نے ملک سے فرار ہونے کے

پورے انتظامات کیے تھے اس لیے مسٹر ہنگرلا نے کہا کہ تمہارے سلسلے میں پہلے ہی ایسا انتظام رکھیں گے

کہ تم فرار ہونے کا خیال تک دل میں نہ لاسکو۔ انہوں نے مجھے بتایا ہے کہ اب تم خواہ فرار ہو کر کہیں

بھی چلے جاؤ تمہیں چند گھنٹوں کے اندر اندر تلاش کر لیا جائے گا۔"

"وہ..... تم کیا چاہتی ہو؟" مسٹر اسمتھ کا ذہن بالکل کام نہیں کر رہا تھا۔

"ظاہر ہے اب تم میرے ساتھ رہنا پسند نہیں کرو گی اور....."

"نہرے نہیں، تمہارے ساتھ زندگی بسر کرنے کا لطف تو اب آئے گا۔ ہاں لیذا جب ہم اس مقام تک پہنچیں گے اس تو میں تمہیں صاف صاف یہ

بتانا چاہتی ہوں کہ مجھے تمہارا دکان اور اس کا کھانا